لا اکراہ فی الدین

قتل مرتد
اور
اسلام

مصنفہ

حضرت مولوی شیر علی صاحب بی اے ناظر تالیف و تصنیف

سلسلہ احمدیہ قادیان

مینیجر

بک ڈپو تالیف و اشاعت قادیان نے

وزیر ہند پریس امرتسر میں باہتمام بھائی بہادر سنگھ مینیجر و پرنٹر چھپوا کر

ماہ دسمبر سنہ ۱۹۲۵ء میں شائع کیا

بشیر احمد محرر رقم

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

عرض حال

اس کتاب کے متعلق اسقدر بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب حضرت خلیفۃ المسیح ثانی امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی ہدایت و نگرانی کے ماتحت تیار کی گئی ہے۔

دوسرا امر قابل ذکر یہ ہے کہ اس کتاب میں جسقدر منقولی بحث ہے اسکا اکثر حصہ ان نوٹوں سے لیا گیا ہے جو حسب ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز مولوی جلال الدین صاحب شمس اور مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی نے تیار کئے۔ اول الذکر نے مضمون کے اس حصہ کے متعلق نوٹ مرتب کئے جنکا تعلق قرآن شریف سے ہے مگر ساتھ ہی حدیث اور فقہ کے متعلق بھی بعض بہت مفید نوٹ تیار کئے اور موخر الذکر نے زیادہ تر حدیث اور تاریخ کی رو سے اس مضمون کی تحقیق کی۔ دوران مضمون میں جہاں جہاں بھی مزید تحقیقات کی ضرورت پیش آئی ہے وہاں میں نے مولوی فضل الدین صاحب وکیل سے جو سلسلہ کے ایک محقق عالم ہیں بہت امداد حاصل کی ہے۔ اس مضمون کا ایک حصہ معقولی بحث پر بھی مشتمل ہے وہ سب کا سب اور نیز منقولی بحث کے بعض ایسے حصے جو اصولی رنگ رکھتے ہیں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے کے افاضات کا نتیجہ ہیں کیونکہ ان حصوں کے متعلق میں نے انہی سے اشارات حاصل کئے ہیں۔ پس حق یہ ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق جسقدر تحقیق اور جو جو خیالات اس کتاب میں پائے جاتے ہیں وہ دیگر علماء و بزرگان سلسلہ کی محنت اور دماغ کا نتیجہ ہیں۔ میرا کام صرف یہ ہے کہ میں نے اس تحقیق اور ان خیالات کو اپنے الفاظ میں ترتیب دیکے ناظرین کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو مقبول فرمائے اور اس میں برکت ڈالے اور اس کے ذریعہ قتل مرتد کے غلط عقیدہ کا جو اسلام کیطرف منسوب کیا گیا ہے پورے طور پر قلع قمع ہو اور دنیا پر حق منکشف ہو جائے۔ ربنا ارنا الحق حقا وارنا الباطل باطلا۔ آمین

اللھم صل علی محمد وعلی آلہ وخلفائہ وبارک وسلم انک حمید مجید

خاکسار شیر علی عفا اللہ عنہ۔ قادیان دار الامان والایمان ۔۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۲۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو الناصر

کیا اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے؟

قد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیھا وما انا علیکم بحفیظ۔ (الانعام۔ ع ۱۳)

سب سے پہلے میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں جس نے دنیا پر یہ بڑا احسان کیا کہ قرآن مجید جیسی کامل کتاب بھیجی جسے دوسری الہامی کتابوں پر بہزار ہا دیگر فضیلتوں کے علاوہ ایک فضیلت یہ حاصل ہے کہ اسمیں دین کو کامل کر دیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ (مائدہ۔ ع ۱)

اسکے بعد میں اس نبی اُمّی فداہ ابی واُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور صلوٰۃ وسلام کا تحفہ پیش کرتا ہوں جسے اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعٰلمین کر کے بھیجا اور جسکی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک (آل عمران ع ۱۷) جس نے اپنے نورانی وجود میں قرآن کریم کی کامل اور پاکیزہ تعلیم کا ایک مکمل اور مبارک نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا جسکی سیرت کا پورا پورا نقشہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذہن رسا نے مندرجہ ذیل

مختصر الفاظ میں کہتا ہے کہ کان خُلقہ القرآن (درمنثور جلد ۶ صفحہ ۲۵۰)
اسکے بعد میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ خاتم النبیین کے اس خلیفہ پر صلوات وسلام نازل فرمائے جسکو اللہ تعالیٰ نے اپنے قدیم وعدوں کے مطابق چودھویں صدی کے سر پر اس لئے بھیجا کہ اسلام کے چہرہ کو اُس گرد وغبار سے پاک کردے جس نے فیج اعوج کے زمانہ میں سپر جمع ہوکر اسے دنیا کی نظر میں بدنما کردیا تھا اور اسکا چمکتا ہوا چہرہ اسکی صحیح اور اصلی شکل میں دنیا پر ظاہر کردے۔

اما بعد ناظرین کرام کو علم ہے کہ گزشتہ اگست (۱۹۲۴ء) کے آخری دنوں میں ریاست کابل کی سرزمین میں ایک بہت بڑا ظلم کیا گیا۔ ایک نفس زکیہ کا ناحق خون کیا گیا۔ صرف اسلئے کہ وہ اس بات پر ایمان لایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مسیح اور مہدی کے آنیکی خوشخبری دی تھی وہ مسیح موعود اور مہدی معہود دنیا میں ظاہر ہوگیا۔ خدا کے وعدے اور مقرر کردہ نشان پورے ہوئے۔ اس ہولناک واقعہ نے پرانے زمانہ کا نقشہ ہماری نظروں میں تازہ کردیا اور مومنین اور دشمنانِ حق کا جو تذکرہ ہم قرآن شریف میں پڑھتے تھے اسکی تصدیق کی۔ کیونکہ جب ایکطرف اس شہید مرحوم نے وہی اخلاص وہی ایمان اور وہی ثبات دکھایا جو انبیاء کے عہد کے سچے مومن ہمیشہ سے دکھلاتے آئے ہیں تو دوسری طرف کابل کی گورنمنٹ نے اسکے ساتھ وہی سلوک کیا جو قدیم سے الٰہی سلسلوں کے دشمن حق کے پرستاروں کے ساتھ کرتے چلے آئے ہیں۔ اگر حضرت نعمت اللہ خاں رضی اللہ عنہ کی مثال نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی یاد کو ہمارے دلوں میں تازہ کیا تو کابل کے قاتلوں نے اُن عمائد قریش کا نمونہ ہمارے سامنے پیش کیا جنہوں نے بیکس اور بے بس مسلمانوں کو نہایت بیرحمی سے شہید کیا لیکن ہمیں کابل میں اپنے بھائیوں کے خون بہائے جانیکا اتنا رنج نہیں جتنا اسبات کا رنج ہے کہ کابل کے قاتلوں نے اپنی اس وحشیانہ حرکت کو اسلام کی طرف منسوب کیا ہے اور ہندوستان کے مُلاّؤں نے ریاست کابل کے فیصلہ کی تائید کرکے اور مولوی ظفر علی خانصاحب نے دربار کابل کی حمایت میں مضمون لکھکر اسلام اور پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عزت اور نیکنامی پر ایک ناپاک حملہ کیا ہے۔ اسلئے ضرورت ہے کہ اس حملہ کا پورے طور پر جواب دیا جائے تا جو نقصان اِن بزرگوں نے اسلام کو پہنچایا ہے اسکا تدارک ہوسکے اور اسلام اور نبی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی اِن ناپاک الزامات سے بریت ثابت کیجائے۔ سو اس غرض کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں اس مضمون پر کچھ لکھنا چاہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس مضمون کے لکھنے میں اپنی خاص تائید سے مجھ کمترین کی مدد فرمائے۔ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي ۔

میری اس مضمون کے لکھنے سے یہ غرض نہیں کہ میں یہ ثابت کروں کہ علماء کابل نے احمدیوں کو مرتد قرار دینے میں غلطی کی ہے اور یہ کہ ارتداد کے لئے جو سزا بیان کیجاتی ہے وہ احمدیوں پر چسپاں نہیں ہوسکتی کیونکہ احمدی مرتد نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے حقیقی اور سچے مسلمان احمدی ہی ہیں۔ بلکہ اس مضمون کے لکھنے سے میری غرض یہ ہے کہ میں خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم سے دنیا پر روز روشن کی طرح یہ بات ثابت کر دوں کہ اسلام محض ارتداد کے لیے اس دنیا میں کوئی سزا بھی تجویز نہیں کرتا بلکہ اس کے لئے صرف وہی سزا ہے جو آخرت میں کفار کے لئے مقرر ہے۔

پس اصل سوال یہ نہیں کہ احمدی مسلمان ہیں اسلئے ان کو مرتد قرار دیکر قتل کرنا ایک ظلم ہے بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ مرتد کو محض ارتداد کے لئے قتل کرنا ایک ظلم ہے۔ اسلام ایسی تعلیم نہیں دیتا اور یہ اسلام پر ایک بہتان ہے۔

احمدیوں کا سوال تو بالکل آسان ہے۔ ان سے جو سلوک کیا جاتا ہے وہ اس سنۃ اللہ کے مطابق ہے جسکا ذکر قرآن شریف میں ہے۔ کیونکہ قرآن شریف شہادت دیتا ہے کہ راستبازوں کی جماعت سے ان کے دشمن ہمیشہ ایسا ہی سلوک کرتے چلے آئے ہیں۔ اور دشمنان سلسلہ احمدیہ نے احمدیوں کو سنگسار کرکے اور آیندہ کے لئے انکی نسبت ایسی ہی دھمکیوں کا اعلان کرکے بیشک اس امر کا ثبوت دیدیا ہے کہ جماعت احمدیہ ایک راستبازوں کی جماعت ہے اور ان کے دشمن اپنے افعال اور اقوال اور رویہ سے اپنے تئیں راستبازوں کے دشمنوں کے زمرہ میں شامل کر رہے ہیں۔ اور انہوں نے اپنے فعل سے اس بات کا بھی ثبوت دیا ہے کہ واقعی قرآن شریف خدا تعالیٰ کا سچا کلام ہے کیونکہ اس کی باتیں ہمیشہ سچی ثابت ہوتی ہیں اور جن سنن الٰہیہ کا اسمیں ذکر ہے وہ ہمیشہ پوری ہوتی رہتی ہیں۔

الغرض میرا مدعا اس مضمون کے لکھنے سے صرف یہی ہے کہ میں اصولی طور پر ارتداد کی سزا کے سوال پر بحث کروں کہ آیا یہ جو کہا جاتا ہے کہ یہ ایک اسلامی حکم اور شرعی حد ہے کہ اس شخص کو جو اسلام کو ترک کرے صرف اسلام ترک کرنے کے جرم میں قتل کر دیا جائے کہاں تک درست ہے؟ اس بارہ میں میں سب سے پہلے انشاء اللہ تعالیٰ قرآن شریف کی تعلیم کو پیش کروں گا اسکے بعد احادیث اور اقوال فقہاء پر علی الترتیب نظر کرونگا۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

قرآن شریف اور قتلِ مرتد

مسلمانوں میں سے جن علماء نے قتلِ مرتد کا فتویٰ دیا ہے وہ دو گروہوں میں تقسیم ہو سکتے ہیں۔ ایک وہ جنکی یہ رائے ہے کہ مرتد کے قتل کی وجہ نہیں اور اس گروہ میں محققین مذہب حنفیہ شامل ہیں۔ دوسرا وہ گروہ ہے جن کا خیال ہے کہ صرف ارتداد اور تنہا ارتداد ہی وہ جرم ہے جس کے لئے بے دریغ قتل کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ اسوقت جن لوگوں نے اس بحث کو اٹھایا ہے اور قتل مرتد کے وجوب پر زور دیا ہے ان کا بھی یہی دعویٰ ہے کہ اسلام محض ارتداد کے لئے قتل کی سزا مقرر کرتا ہے اس لئے میں اس گروہ کے خیالات کی کسیقدر یہاں تشریح کرنا چاہتا ہوں تا ناظرین کو معلوم ہو کہ یہ تعلیم جو اسلام اور نبی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف منسوب کیجاتی ہے کیسی بھیانک اور مکروہ تعلیم ہے جو ایک دم کیلئے بھی اسلام جیسے پاکیزہ مذہب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے مقدس انسان کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی۔ یہ ایسی خلاف فطرت تعلیم ہے کہ ایک معمولی درجہ کا شریف انسان بھی اسکو کراہت کی نظر سے دیکھیگا چہ جائیکہ اشرف النبیین سید الاولین والآخرین جیسے پاکیزہ فطرت اور مطہر انسان کو اسکا جاری کرنیوالا ٹھہرایا جائے۔

ان لوگوں کا خیال ہے کہ چونکہ اصل وجہ قتل کی ارتداد ہی ہے اسلئے جو بھی مرتد ہو اسکو بے دریغ تہ تیغ کر دینا چاہیئے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ جوان ہو یا بوڑھا۔ آزاد ہو یا غلام۔ تندرست ہو یا بیمار۔ غرض کوئی ہو اسکو قتل کر کے فوراً واصل جہنم کرنا چاہیئے اور اسطرح دنیا میں اسلام کی شوکت اور عظمت کا سکہ بٹھانا چاہیئے۔ اگر ایک مرتد شیخ فانی ہے تو اسکو اجازت نہیں دینی چاہیئے کہ وہ چند روزہ اور زندگی کے دن پورے کر کے اس عالم سے گذر جائے بلکہ فوراً اس بوڑھے ضعیف کا سر بھی قلم کر دینا چاہیئے اور اسطرح اسکو اسلام کی ہیبت کا مزہ چکھانا چاہیئے۔ اگر مرتد بیمار پڑا ہے اور اس قابل نہیں کہ بستر سے بھی اٹھ سکے اور بخار کی تیزی یا درد کی شدت کیوجہ سے حالت اضطراب میں ہے تو اسکو بھی مہلت نہیں دینی چاہیئے کہ وہ شفا کا منہ دیکھے یا اس بیماری میں ہی اس عالم سے رخصت ہو بلکہ اسلامی جلاد کو چاہیئے کہ بستر مرض پر ہی اسکے سر کو تن سے جدا کر دے تا اسلام کا جلال دنیا پر ظاہر ہو۔

اسیطرح اگر اسلام سے ارتداد کرنیوالی ایک بڑھیا ضعیف عورت ہے اسکی گردن بھی ہمارے علماء کے اسلام کی کھینچی ہوئی تلوار کی ضرب سے محفوظ نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی مرتد نابینا یا اپاہج ہے تو وہ بھی ہمارے علماء کے ہاتھوں ذبح ہونے سے محفوظ نہیں۔ حالانکہ وہ قومیں جو اسلام کی بیخ کنی کیلئے مسلمانوں پر جابرانہ حملے کر رہی ہوں ان کے بعض افراد کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امن دیا ہے اور مسلمانوں کو حکم دیا

ہے کہ ایسے افراد کو باوجود جنگ کے قتل سے بچایا جائے لیکن ہمارے علماء کی مرتد کش تلوار سے ایسے افراد بھی محفوظ نہیں
اسلام کی تعلیم تو یہ سکھاتی ہے کہ ایک پیاسے کتے کو پانی پلا کر تم جنت میں جا سکتے ہو اور ایک کافر کو
پیاس کے دکھ سے آرام دیکر خدا تعالیٰ سے اجر پا سکتے ہو لیکن ہمارے بعض علماء کا یہ فتویٰ ہے کہ اگر تمہارے
پاس وضو کے لئے پانی ہو اور ایک مرتد پیاس سے مر رہا ہو تو اسکو پیاس سے مرنے دو مگر وضو کا پانی اسے نہ دو۔
پھر مرتد کو اپنی جان بچانیکے لئے توبہ کا موقعہ دینا بھی ایک گروہ علماء کے نزدیک ضروری نہیں اور جائز
ہے کہ بغیر ایسا موقعہ دیئے کے خواہ مرد ہو یا عورت۔ جوان ہو یا پیر فرتوت۔ تندرست ہو یا بیمار فوراً بلا تامل قتل کر دیا
جائے اور جو علماء موقعہ دینا ضروری سمجھتے ہیں وہ بھی اکثر تین دن سے زیادہ مہلت کی اجازت نہیں دیتے اور اس
عرصہ میں بھی علماء کا ایک گروہ ہدایت دیتا ہے کہ مرتد کو دکھ دیا جائے تاکہ وہ توبہ کرنے پر مجبور ہو۔ چنانچہ
مولوی ظفر علیخاں صاحب اسکی تائید میں فقہ حنبلی کی مشہور کتاب المقنع سے حسب ذیل عبارت نقل کرتے
ہیں:- "فمن ارتدّ عن الاسلام من الرّجال والنّساء وھو بالغ عاقل دعی الیه ثلاثة
ایام وضیق علیه فان لم یتب قتل۔ لایجب استتابته بل تستحب و
یجوز قتله فی الحال۔"

"جو شخص اسلام سے مرتد ہو جائے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور عاقل و بالغ ہو تو اسے تین روز تک
اسلام کی طرف بلایا جائے اور اسے تنگ کیا جائے اگر توبہ نہ کرے تو قتل کیا جائے۔ توبہ طلب کرنا
واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اور مرتد کو معاً قتل کر ڈالنا بھی جائز ہے۔"

ایسا ہی لکھا ہے کہ اگر مرتد کو کوئی شخص بغیر قاضی یا بادشاہ کے حکم کے جان بوجھ کر یا بھول کر قتل
کر دے یا اس کی آنکھ پھوڑ دے یا ناک کاٹ دے یا ٹانگ توڑ دے۔ غرض کچھ کرے اس سے کوئی بازپرس
نہیں۔

یہ اس تعلیم کا مختصر خاکہ ہے جو آج مولوی صاحبان اسلام کے نام سے دنیا کے آگے پیش کر رہے ہیں۔
ایک نے ان میں سے جن کا نام نامی "شبیر احمد عثمانی" ہے یہانتک جسارت کی ہے کہ کہہ دیا ہے کہ یہ تعلیم صریح
طور پر قرآن شریف میں موجود ہے مگر دوسروں نے ایسی جرأت نہیں کی بلکہ یہ کہا ہے کہ قرآن شریف اس امر کے
متعلق ساکت ہے۔ چنانچہ مولوی ظفر علی خانصاحب اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:-

"بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ ہمدرد کی پیش کردہ آیات میں مرتد کے لئے سزائے قتل کا ذکر نہیں اور
ذاتی طور پر میرا خیال ہے کہ غالباً کسی دوسری آیت میں بھی بالتصریح ایسا حکم نظر نہیں آتا"

مولوی ظفر علی خانصاحب نے تو "بالتصریح" ذکر نہ ہونے کی شرط بڑھا کر مولوی شبیر احمد کی خاطرداری کو ایک صد

تک ملحوظ رکھا۔ مگر مولوی شاکر حسین صاحب سہسوانی نے ۱۳ مارچ کے زمیندار میں صاف لکھدیا کہ:۔

"اس امر میں اختلاف کی کوئی وجہ نہیں کہ قرآن پاک میں قتل مرتدین کا کوئی صریح و غیر صریح حکم موجود نہیں ہے"

مگر ساتھ ہی مولوی سہسوانی صاحب اور مولوی ظفر علی خاں صاحب فرماتے ہیں کہ سارا دین محض قرآن میں محدود نہیں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن نے مرتد کی دنیوی سزا کے متعلق سکوت اختیار کیا ہے لیکن قرآن حکیم بعض دیگر احکام مثلاً حد شارب وغیرہ کے متعلق بھی اسی طرح ساکت ہے۔ لہذا اصولاً کہا جائیگا کہ قرآن کریم اس بارہ میں ایسا ہی ساکت ہے جیسا کہ بعض دیگر احکام شرعی ہیں۔

اس کے جواب میں ہم اس بات کے مدعی ہیں کہ شریعت کی تمام تفصیلی احکام قرآن شریف میں موجود ہیں۔ اور بیشک یہ درست ہے کہ بعض تفاصیل قرآن شریف میں نہیں پائی جاتیں۔ مگر ان تمام تفاصیل کی جڑ اور انکا اصل قرآن شریف میں موجود ہے۔ قرآن شریف ایک کامل کتاب ہے اور جتنے احکام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے جاری فرمائے۔ وہ یا تو بالصراحت قرآن شریف میں مذکور ہیں یا انکا بیج کلام ربانی میں پایا جاتا ہے۔ اسلئے ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ اگر بالصراحت قتل مرتد کا حکم قرآن شریف میں نہیں پایا جاتا تو کیا بطور بیج اور تخم کے اس حکم کا کوئی نشان قرآن میں ملتا ہے؟ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ایک تفصیلی حکم قرآن شریف میں نہ پایا جاتا ہو مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسا حکم نافذ فرمایا ہو کہ جو نہ صرف اسکا اصل ہی قرآن شریف میں موجود نہ ہو بلکہ وہ قرآن شریف کی تمام تعلیم اور اسکی روح اور اسپرٹ کے بھی خلاف ہو۔

قتل مرتد کا مسئلہ یعنی یہ مسئلہ کہ اگر کوئی شخص اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور مذہب اختیار کرلے تو اسے بلا تامل اور بلا دریغ صرف ارتداد اور محض ارتداد کی سزا میں قتل کردیا جائے یہ بھی ایسا مسئلہ ہے کہ قرآن شریف میں اسکا بیج ہی مفقود نہیں بلکہ یہ مسئلہ قرآن شریف کی تمام تعلیم کے خلاف اور اسکے بالکل الٹ ہے۔ اور اس مسئلہ کو قرآن شریف سے وہی نسبت ہے جو تاریکی کو نور سے ہے اور جس طرح نور اور ظلمت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے ایسا ہی قرآن شریف کی تعلیم قتل مرتد کے مسئلہ کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ قرآن شریف کی تعلیم قتل مرتد کی تعلیم سے ایسی ہی دور ہے جیسے مغرب سے مشرق بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور ان میں باہمی وہی تفاوت ہے جو سچ اور جھوٹ میں تفاوت ہے۔ اگر یہ مسئلہ درست ہے تو پھر نعوذ باللہ قرآن شریف جھوٹا ہے۔ اور اگر قرآن شریف سچا ہے تو پھر ہمیں ماننا پڑے گا کہ یہ مسئلہ جس رنگ میں آج ہمارے سامنے پیش کیا جاتا ہے بالکل غلط ہے۔ یعنی یہ کہ ایک مرتد کو محض ارتداد اور تنہا ارتداد کے جرم میں قتل کردینا واجب یا جائز ہے۔

ناظرین ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ قتل مرتد کے متعلق ان لوگوں کے کیا کیا خیالات ہیں جبکہ یہ دعوی ہے کہ

ہر ایک مرتد صرف ارتداد اور محض ارتداد کیلئے واجب القتل ہے۔ اب ہم قرآن شریف کی طرف رجوع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کیا ایسے خیالات کا کچھ اصل قرآن شریف میں بھی پایا جاتا ہے اور کیا یہ مسئلہ قرآن شریف کی تعلیم سے ذرہ بھی مناسبت رکھتا ہے یا بالکل اسکے الٹ اور مخالف ہے؟

اسلام ایک علمی مذہب ہے

جب ہم قرآن شریف پر نظر کرتے ہیں تو سب سے پہلی بات جو ہماری آنکھوں کے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن شریف اسلام کو ایک سائنس اور فلسفہ کے رنگ میں پیش کرتا ہے۔ سب سے پہلی وحی ہی کو دیکھو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غار حرا میں نازل ہوئی۔ قرآن شریف کی اُن پانچوں آیتوں کو پڑھو جو سب سے اول بطور پیش خیمہ آسمان سے اُتریں۔ یہ پانچ آیتیں پانچ پھول ہیں جو اسلامی بہار کے آغاز میں کھلے۔ انکو سونگھو اور دیکھو کہ ان سے کیسی خوشبو آتی ہے تا آپ کو معلوم ہو کہ اس موسم بہار میں کس رنگ کے پھول کھلنے والے تھے۔ یہ پانچ آیتیں اسلام کے باغ کا سب سے پہلا پھل ہیں انکو چکھو اور ان سے اندازہ لگاؤ کہ اس باغ کے دوسرے پھل کس رنگ اور کس مزہ کے ہونے چاہئیں۔ وہ پانچ آیتیں۔ وہ اسلام کا پہلا پیغام جو اہل دنیا کے نام آسمان سے نازل ہوا یہ ہے:-

"اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۔ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۔ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ
الْأَكْرَمُ ۔ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۔ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ"

ان آیات سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ کیا یہی نہیں کہ اب ایک ایسا دین اترنا شروع ہوا ہے کہ جو ایک علم کے رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کیا جائیگا اور اسکی اشاعت قلم کے ذریعہ یعنے دلائل اور براہین کے ذریعہ ہوگی۔ نہ جبر و اکراہ کے ذریعہ۔ قرآن شریف کے سوا اور کونسی کتاب ہے جس کے جھنڈے پر قلم کا نشان ہے؟ اور اسلام کے سوا اور کونسا دین ہے جسنے علم کو اپنا Motto اور مقصود قرار دیا ہے۔ تمام دنیا کے مذاہب میں سے یہ امتیازی نشان صرف اسلام نے اپنے لئے انتخاب کیا ہے۔ پس کیا یہ ظلم نہیں کہ ایسے دین کی نسبت جو قلم کے ساتھ دنیا پر ظاہر ہوا اور جس نے اپنے پیغام کو علم کے لفظ سے تعبیر کیا۔ یہ کہا جائے کہ اسنے اپنی اشاعت کے لئے اپنی پیروؤں کو حکم دیا کہ وہ تلوار کے زور سے لوگوں کو اپنے دین میں داخل کریں اور جو داخل ہو کر نکلنا چاہے اسکا سر قلم کردیں۔

اپنی تلوار کی دھار پر گھمنڈ کرنیوالو! ممکن ہے کہ قلم اور دوات تمہاری نظر میں بہت حقیر اور ذلیل ہوں۔ مگر خدا انکو عزت دیتا ہے اور ان کے نام پر اپنی پاک کتاب میں قسم کھاتا ہے۔ قرآن شریف میں اس سورہ شریفہ کو تلاش کرو! جس کا نام سورۃ القلم رکھا گیا ہے اور دیکھو وہ کن مبارک الفاظ کے ساتھ شروع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

ن ۔ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ

پس جسکو تم حقیر سمجھتے ہو خدا تعالیٰ اسکو عزت دیتا ہے اور اسکے نام پر قسم کھاتا ہے۔ اگر اسلام ایک جنگی مذہب تھا تو چاہیئے تھا کہ سیف و سنان کی قسم کھاتا نہ کہ ن ۔ والقلم وما یسطرون کی۔ کیا تمہیں کہیں نظر آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تلوار اور نیزے اور بندوق کی بھی قسم کھائی ہے؟ قلم تو یہ فخر کر سکتا ہے کہ قرآن شریف کی ایک سورۃ کریمہ اسکے نام سے موسوم ہے۔ مگر کیا تلوار یا نیزہ کو بھی یہ عزت دیگئی ہے؟

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ تمام قرآن مجید اس پہلی وحی الٰہی کے رنگ میں رنگین ہے جو قلم کے نشان کے ساتھ علم کا جھنڈا ہاتھ میں لئے ہوئے دنیا پر نازل ہوئی کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسنے اپنی ہر ایک بات کو علم کے پیرایہ میں دنیا کے سامنے پیش کیا ہے وہ صرف یہی نہیں کہتی کہ ایک خدا پر ایمان لاؤ بلکہ خدا کی ہستی کے زبردست دلائل بھی ساتھ ہی پیش کرتی ہے۔ وہ صرف ہمیں یہ نہیں بتاتی کہ خدا کی ذات فلاں فلاں صفات سے متصف ہے بلکہ ان صفات کے مظاہر بھی ہمارے سامنے رکھدیتی ہے تا ہمیں ان صفات کے متعلق یقین حاصل ہو۔ وہ صرف یہی نہیں کہتی کہ الہام اور وحی کا نزول دنیا کی ہدایت کے لئے ضروری ہے بلکہ بدلائل اس دعویٰ کو ثابت کرتی ہے۔ وہ صرف اتنا ہی نہیں کہتی کہ خدا کے رسولوں اور نبیوں پر ایمان لاؤ بلکہ وہ ہمیں وہ معیار بھی بتلاتی ہے جنکی ذریعہ ہم سچے اور جھوٹے مدعیوں میں امتیاز کر سکیں وہ صرف ہمیں یہی نہیں سکھاتی کہ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہے جو جزا و سزا کی زندگی ہے۔ بلکہ وہ اس کا ثبوت بھی پیش کرتی ہے۔ غرض جو امور ایمانیات کے متعلق ہیں وہ ان کے متعلق ہم سے اس امر کا مطالبہ نہیں کرتی کہ ہم ان کو اندھا دھند مان لیں بلکہ پہلے دلائل کے ساتھ انکی حقیقت کا یقین ہمارے دلوں پر بٹھاتی ہے اسکے بعد انپر ایمان لانیکا حکم دیتی ہے۔

قرآن شریف ہمیں صرف یہی حکم نہیں دیتا کہ نماز پڑھو۔ روزے رکھو۔ زکوٰۃ ادا کرو۔ صدقہ دو۔ حج کرو۔ فلاں بدی سے بچو اور فلاں نیکی اختیار کرو۔ بلکہ ان احکام کی حکمت اور انکے فوائد بھی ساتھ ہی بیان فرماتا ہے۔ تا ہم شوق سے بطیب خاطر ان اعمال کو بجا لائیں اور انکو ایک بوجھ نہ سمجھیں۔

ہم قرآن شریف میں جابجا دیکھتے ہیں کہ کبھی وہ ہماری توجہ صحیفہ قدرت کیطرف پھیرتا ہے اور کبھی وہ ہماری عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کے آگے اپیل کرتا ہے اور ہمیں غور اور فکر اور تدبر سے کام لینے کی ترغیب دیتا ہے کبھی وہ سنن الٰہیہ اور اللہ تعالیٰ کے غیر متبدل قوانین کا ذکر کرتے ہوئے گزشتہ واقعات اور پہلے انبیاء اور انکی قوموں کی مثال سے عبرت حاصل کرنیکی تحریک کرتا ہے۔ کبھی وہ نہایت ہی پیچیدہ اور مغلق مسائل کو نہایت ہی آسان پیرایہ میں حل کر کے دکھاتا ہے اور کبھی وہ مخالفین کے اعتراضات کا رد کر کے انپر اتمام حجت کرتا ہے کبھی

عقائدِ باطلہ اور خصائلِ رذیلہ کو عقائدِ حقہ اور اخلاقِ فاضلہ کے مقابل میں رکھکر اسلامی تعلیم کی فضیلت کو طالبانِ حق پر واضح کرتا ہی اور کبھی ہماری ضمیر اور کانشنس سے اپیل کرکے ہماری زبان سے حق کا اقرار کروا تا ہے غرض کوئی علمی۔ ذہنی عقلی اور فطری ذریعہ نہیں جسکو وہ کام میں نہیں لاتا۔ اور کوئی سمجھانے کا طریق نہیں جسکو وہ استعمال نہیں کرتا۔

ہر ایک شخص جو قرآن شریف کا کچھ بھی علم رکھتا ہی اس امر کی شہادت دیگا کہ لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کرنیکے لئے قرآن شریف اس بات کی جابجا ترغیب دیتا ہی کہ وہ غور اور تدبر سے کام لیں۔ کبھی تو وہ فرماتا ہی۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ (آل عمران - ع ۲۰) کبھی وہ فرماتا ہی۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۔ (محمد - ع ۳) کبھی فرماتا ہے اُنْظُرْ کَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَفْقَهُوْنَ ۔ (انعام - ع ۶) غرض قرآن شریف باربار افلا تعقلون اور افلا تتفکرون - لعلکم تتفکرون افلا یعقلون - لقوم یعقلون - اور ایسے ہی اور الفاظ کہکر انسان کی عقل سے اپیل کرتا ہی اور اسکو غور اور فکر کی تحریک کرتا ہی اور منافقوں اور کفار کی نسبت فرماتا ہی۔ صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ (بقرہ - ع ۲۱) ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ (مائدہ ع ۸) اَلصُّمُّ الْبُکْمُ الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ (انفال ع ۳) لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا ۔ اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۔ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (اعراف ع ۲۲)

پس قرآن شریف شروع سے لیکر آخر تک انسان کو اپنی عقل اور دانش اور آنکھوں اور کانوں اور غور اور فکر سے کام لینے کی ترغیب دیتا ہی اور ہر ایک بات دلیل کے ساتھ منواتا اور ہر ایک حکم کی حکمت بیان فرماتا ہی۔ پھر یہی نہیں کہ قرآن شریف خود دلائل سے اپنے دعوی کی سچائی ثابت کرتا ہی بلکہ حق کے مخالفوں سے بھی دلائل کا مطالبہ کرتا ہی چنانچہ فرماتا ہی۔ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۔ (بقرہ ع ۱۳) پھر فرماتا ہی وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَیْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۔ (ح - ۹۶) پس کیا یہ ظلم نہیں کہ ایسے دین کی نسبت جسکا دارومدار دلائل اور براہین پر ہے اور جو عین فطرتِ صحیحہ کا نقشہ ہی اسکی نسبت یہ کہا جاتا ہی کہ وہ اُن تمام لوگوں کے سروں پر جو اسکو قبول کریں ایک شمشیر برہنہ آویزاں رکھتا ہی اور ہر آن اُن کو اسکی طرف سے یہ دھمکی مل رہی ہی کہ اگر تم مجھے ترک کرنیکا خیال بھی کروگے تو یاد رکھو یہی شمشیر تمہارے سر پر گریگی اور تمہیں ہلاک کردیگی۔

طریق تبلیغ

پھر اس طریق کو دیکھو جو اسلام کی تبلیغ کے لئے قرآن شریف سکھاتا ہی۔ جب ہم قرآن شریف پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں صاف معلوم ہوتا ہی کہ جیسا خود وہ اپنی اصول اور احکام کی خوبی اور کمال کو ظاہر کرنیکے لئے حکیمانہ طریق اختیار کرتا ہی اور دلائل قویہ اور حجج نیرہ کے ذریعہ اپنی تعلیم کی خوبی لوگوں کے ذہن نشین کرتا ہی ایسا ہی مبلغین اسلام کو بھی یہی ہدایت دیتا ہی کہ وہ نہایت ہی احسن طریق سے لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں۔ وہ اپنے پیرووں کو یہ نہیں سکھاتا کہ تم جابرانہ اور قاہرانہ طریق سے اسلام کی اشاعت کرو بلکہ وہ یہ کہتا ہی کہ حکمت اور موعظہ حسنہ کی ذریعہ تم لوگوں کو اسلام کی طرف بلاؤ۔ چنانچہ سورۃ النحل میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہی۔ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۔ (النحل ۱۲۶) لوگوں کو حکیمانہ طریق سے اور اچھی اچھی نصیحتوں سے اپنی پروردگار کے رستہ کیطرف بلاؤ اور اسکے ساتھ بحث ایسی طور پر کرو کہ وہ لوگوں کے نزدیک بہت ہی پسندیدہ ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ اہل کتاب کا ذکر کرکے فرماتا ہی۔ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۔ (عنکبوت ع ۵) اہل کتاب کے ساتھ جھگڑا نہ کیا کرو مگر ایسے طریق سے جو نہایت ہی احسن ہو۔

مندرجہ بالا آیات سے صاف ظاہر ہی کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہی کہ مسلمان جب اپنے دین کی تبلیغ کریں تو نہایت ہی نرمی اور رأفت اور ہمدردی کے ساتھ لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں اب بتلاؤ کسی کو یہ کہنا کہ تم اسلام میں داخل ہوجاؤ ورنہ زیادہ سے زیادہ تم کو تین دن کی مہلت دیجاتی ہی اگر اس عرصہ کی اندر تم واپس اسلام میں داخل نہو گئے تو تمہیں قتل کیا جائیگا۔ کیا یہی طریق ہی جو قرآن شریف کی آیات سی مستنبط ہوتا ہی؟

احسن طریق اختیار کریں اللہ [illegible] ہی

ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے

قرآن شریف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہی کہ کسی کو حق کے قبول کرنیکی توفیق دینا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہی۔ کوئی شخص خواہ کتنا ہی کسی کو راہ راست پر لانیکی کوشش کری جبتک اللہ تعالیٰ کسی کے سینہ کو اسلام کے قبول کرنے کے لئے نہ کھول دے وہ اسے قبول نہیں کرسکتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ (انعام ۱۵۶) جس شخص کے متعلق خدا تعالیٰ چاہتا ہی کہ اسے راہ راست دکھائے اسکے سینہ کو قبول اسلام کیلئے کھول دیتا ہی۔

پھر فرماتا ہی۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (قصص ع ۶) اپنی خواہش کے مطابق تم جس کو چاہو ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ جسکو چاہتا ہی ہدایت دیتا ہی اور وہی راہ پر آنیوالوں کے حال سے خوب واقف ہی۔

غرض قرآن شریف کی مندرجہ بالا اور اسی مضمون کی اور بہت سی آیات سی ثابت ہوتا ہی کہ ہدایت

ایک ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہی اور جسکو اللہ تعالیٰ اسکی توفیق دینا چاہتا ہی اسکے سینہ کو کھول دیتا ہی پس ثابت ہوا کہ کسی کو اسلام میں داخل کرنا ہماری اختیار میں نہیں یہ دل کا فعل ہی اور کسی تلوار کی دہار اس دل تک نہیں پہنچ سکتی جس کے ساتھ اسلام لانے یا نہ لانیکا تعلق ہی وہ دل انسانی زد سے بہت دور ہی نہ وہاں انسانی تلوار کام کرسکتی ہے اور نہ بندوق - کوئی ہاتھ نہیں جو اس دل کو پھیر سکے اور کوئی ہتھیار نہیں جو اسپر اثر کرسکے۔

ہاں تم یہ کہہ سکتے ہو کہ اگرچہ ہدایت ہمارے اختیار میں نہیں لیکن ہمارا یہ فرض ہی کہ ہم اسباب سے کام لیں نتائج کا مرتب ہونا بیشک خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے لیکن اسکے یہ معنے نہیں کہ ہم تدبیر اور سعی کے فرض سے سبکدوش ہوگئے - ہاں - بیشک تم نے سچ کہا - مجھے اس امر سے پورا اتفاق ہی اگرچہ ہدایت پانیکی توفیق دینا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہی مگر ہمارا بھی فرض ہی کہ ہم لوگوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کریں - مگر مجھے بتاؤ وہ کونسے ذرائع ہیں جو کسی کو حق کیطرف راہنمائی کرنے کیلئے استعمال کئے جاسکتے ہیں؟ وہ کونسی نشتر ہے جو آنکھوں کے پردوں کو چیر سکتی ہی - وہ کس توپ کی گرج ہی جو کانوں کی گرانی کو دور کرسکتی ہی؟ وہ کونسی تلوار ہی جو دل کی بند کھڑکی کو کھول سکتی ہی؟ کیا وہی تلوار جسکی نسبت مولوی شبیر حسین صاحب دیوبندی فرماتے ہیں - کہ آخر الحیل السیف اور جسکی نسبت مولوی ظفر علی صاحب لکھتے ہیں کہ قرآن میں اسکو تلاش کرنا فضول ہی اسکو ڈھونڈھنا ہو تو کابل کے اسلحہ خانہ میں تلاش کرو - اے اسلام کو بدنام کرنیوالے مولویو! بتاؤ کیا یہی تلوار دلوں کے بند قلعوں کو فتح کرسکتی ہی؟ کیا دلوں کے قفل کھولنے والی یہی چابی ہی جو تمہارے ہاتھ میں دی گئی؟ کیا تسخیر قلوب کیلئے یہی خاص تدبیر ہی جس پر تم کو ناز ہی؟ افسوس! صد افسوس!!

- آؤ - میں تمہیں بتاؤں - وہ تلوار جسکی چوٹ دل پر لگتی ہے وہ لوہے یا فولاد کی تلوار نہیں بلکہ وہ دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ کی تلوار ہی - وہ نیزہ جو انسان کے سینہ کو چیرتا ہے وہ لکڑی اور لوہے کا نیزہ نہیں بلکہ وہ نیزہ ہی جسکے چلانے کیلئے قرآن شریف کی اس آیت میں حکم دیا گیا ہی - وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا (نساء ع ۹) ان سے ایسی باتیں کرو جو اچھی طرح انکے دلوں پر اثر کریں - وہ حربہ جس کے چلانے کیلئے اللہ تعالیٰ ہمیں حکم دیتا ہی خود اسلام کی تعلیم ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہی - فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (الروم ع ۴) یعنے یہ دین کیا ہی؟ خدا کی بنائی ہوئی سرشت ہی جس خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہی - لوہا لوہے کو کاٹتا ہی اور فطرت انسانی پر وہی چیز اثر کرسکتی جو عین فطرت کے مطابق ہو - پس دشمن کے دل کو فتح کرنیکے لئے سب سے بڑا ہتھیار خود قرآن شریف ہی - اسنے وہ کام کیا جو کوئی تلوار نہیں کرسکتی - وہی ہتھیار اب بھی موجود ہی - مگر ہماری مخالف مولوی صاحبان کے ہاتھ میں طاقت نہیں کہ اسکو

چلا سکیں اسلئے اس آسمانی تلوار کو چھوڑ کر زمینی تلوار کیطرف جھک گئے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہی کہ کسی کو ہدایت دینا ہمارے اختیار میں نہیں اسلئے تلوار کے ذریعہ کسی کو اسلام کیطرف لوٹانے کی کوشش کرنا ایک بے سود فعل ہی۔

ہمارا کام صرف پہنچا دینا ہے

اللہ تم قرآن شریف میں بار بار ہمیں سمجھاتا ہی کہ ہمارا کام صرف پیغام پہنچانا ہی کسی کو اسلام لانے کیلئے مجبور کرنا ہمارا کام نہیں۔ اللہ تعالے فرماتا ہی مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ (مائدہ ع ۱۳) پھر فرماتا ہی۔ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ (مائدہ ع ۱۲) پھر فرماتا ہے وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ (آل عمران ع ۲)

مندرجہ بالا آیات اور اسی مضمون کی بہت سی دیگر آیات سے یہ امر روز روشن کیطرح عیاں ہے کہ رسول کا کام صرف یہی ہی کہ وہ خدا کے پیغام کو لوگوں تک پہنچادے اسکا یہ کام نہیں کہ وہ لوگوں کو اس کا پیغام قبول کرنے کیلئے مجبور کری۔ اور رسول کی امت اپنے نبی کے تابع ہوتی ہے پس اگر مجبور کرنا نبی کا کام نہیں تو اسکے اتباع کا کس طرح ہو سکتا ہی؟

یہ بھی یاد رہے کہ اس مضمون کی آیات صرف مکی ہی نہیں بلکہ انمیں مدنی آیات بھی شامل ہیں پس جس طرح مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام صرف حکم الٰہی کا پہنچا دینا تھا ایسا ہی مدینہ میں بھی اتنا ہی کام تھا۔ اور زور کے ساتھ کسی کو داخل کرنا یا داخل ہونیکے بعد اسکو اسی دین میں رہنے پر مجبور کرنا آپ کا کبھی کام نہیں ہوا۔ اور نہ اسکی کوئی مثال آپ کے متعلق ملتی ہے لیکن آج مسلمان کہلانے والے اسلام کے سب سے بڑے خیر خواہ یہ کہتے ہیں کہ اسلام نے لوگوں کو جبراً مسلمان رکھنے اور بیدریغ قتل کر دینے کا حکم دیا ہی۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

دوسروں کی گمراہی کے ہم جوابدہ نہیں

قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہی کہ اگر ہم اپنا فرض تبلیغ ادا کر چکیں اور پھر بھی کوئی نہ مانے تو ہم بری الذمہ ہیں۔ ہم ایسے لوگوں کی گمراہی کے ذمہ دار نہیں۔ اللہ تعالے سورۂ مائدہ میں فرماتا ہی:۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ (مائدہ ع ۱۴)

مسلمانو! تم اپنی خبر رکھو۔ جب تم راہ راست پر ہو تو کوئی بھی گمراہ ہوا کری اسکا گمراہ ہونا تم کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اسیطرح فرماتا ہی۔ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ

ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (بنی اسرائیل ع ۲)

جو شخص سیدھے رستہ پر چلا تو اپنی ہی فائدہ کیلئے سیدھے رستہ پر چلتا ہی اور جو بھٹکا تو اسکے بھٹکنے کا خمیازہ بھی اسی کو بھگتنا پڑیگا۔ اور کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے بار کو اپنے اوپر نہیں اٹھاتا۔

جب ہم سے گمراہ ہونیوالوں کے متعلق کوئی باز پرس نہیں ہوگی بشرطیکہ ہم امر بالمعروف پر عمل کرتے رہیں تو پھر ہمیں کیا ضرورت ہی کہ ہم ایسے لوگوں کو مجبور کریں کہ وہ بہر حال ہماری رائے کے ساتھ اتفاق کریں اور انکار کی صورت میں ہم انکو قتل کر دیں

قرآن شریف حکم دیتا ہی۔ کہ نہ ماننے والوں سے اعراض کرو

مخالف کہتا ہی کہ اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ نہ ماننے والوں کو قتل کرو مگر قرآن شریف کہتا ہی انکو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ چند آیات صرف بطور نمونہ پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا (نجم ۲۰) پھر فرماتا ہے۔ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ۔ وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ (الذاریات ع ۳) پھر فرماتا ہے وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَکُوْا (انعام ع ۱۳)

نبی لوگوں پر داروغہ کی طور پر مقرر نہیں کیا گیا۔

اللہ تعالےٰ نے بار بار کھول کر فرماتا ہی کہ نبی کا کام صرف سمجھانا ہے وہ لوگوں پر داروغہ کی طرح متعین نہیں کیا گیا کہ وہ ضرور انکو اسلام لانے یا اسلام میں رہنے کیلئے مجبور کرے یا ان سے اسکے متعلق کوئی باز پرس کرے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَذَکِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَکِّرٌ۔ لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ۔ (الغاشیہ ع ۱) پھر فرماتا ہے نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ۔ وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَکِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِ (ق ۳۶) پھر فرماتا ہے وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَکُوْا۔ وَمَا جَعَلْنٰکَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا۔ وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَکِیْلٍ (انعام ع ۱۳)

ان آیات سے اور اسی مضمون کی بہت سی دوسری آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہی کہ نبی کا یہ کام نہیں کہ وہ لوگوں پر بطور محافظ اور داروغہ کے مقرر ہو اور انکو جبر سے اسلام میں داخل کرے اور جو داخل ہو چکے ہوں انکو بھٹکنے سے روکے رکھے اسکا کام صرف سمجھا دینا ہی اور بس۔ اور جب خود نبی کا یہ کام نہیں کہ وہ کسی رنگ میں جبر سے کام لے تو اسکے اتباع کس طرح جبر سے کام لے سکتے ہیں حاشیہ در بارہ کابل سب کے مدعی ہیں

نبی کو ایمان اور کفر کی جزا سزا سے کوئی سروکار نہیں

کہ اسلام صرف ارتداد اور محض ارتداد کیلئے قتل کی سزا مقرر کرتا ہی مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہی کہ نبی کو اس امر سے کوئی تعلق نہیں کہ وہ کسی کے کفر پر کسیکو سزا دے یہ خدا کا کام ہے جسکو چاہے معاف کرے اور جس کو چاہے سزا دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ (آل عمران ع ۱۳)

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنَّمَا اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (انعام ع ۲۰)

اسلام مذہبی آزادی کی تعلیم دیتا ہے

مولوی ظفر علیخاں صاحب لکھتے ہیں کہ آزادی ضمیر کا خیال افرنجیت ہے جو مغربی ممالک سے مسلمانوں میں داخل ہوئی۔ یہ ایک مستعار خیال ہے جو مسلمانوں نے مغرب سے سیکھا لیکن مولوی ظفر علی خانصاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ ضمیر کی آزادی کا اصول مغرب کی ایجاد نہیں بلکہ یہ وہ اصول ہے جو سب سے پہلے قرآن شریف نے دنیا کو سکھایا آسمان کے نیچے صرف ایک ہی الہامی کتاب ہے جو ضمیر کی آزادی کے اصول کو نہایت ہی مضبوط بنیاد پر قائم کرتی ہے۔ مذہبی آزادی کے متعلق آج سے ۱۳۰۰ سو سال پہلے جو تعلیم قرآن شریف میں دیگئی۔ اسکی نظیر کسی اور الہامی یا غیر الہامی کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ اگر مغرب نے ضمیر کی آزادی کا سبق سیکھا ہے تو وہ مسیحیت کے حامیوں کے تشدد اور ظلم اور تعدی سے سیکھا ہے۔ مذہب کے نام پر مغربی لوگوں پر ناقابل بیان ظلم کئے گئے اور طرح طرح کے عذابوں کے ذریعہ انکو دکھ دیا گیا اور قتل کیا گیا جس کا برعکس نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کو مذہبی تشدد سے نفرت پیدا ہوگئی اور مذہبی آزادی کی قدر انکے دلوں میں قائم ہوگئی۔ یہ سبق انہوں نے مسیحیت سے نہیں سیکھا بلکہ مسیحی بزرگوں کی خونریزیوں اور جفاکاریوں سے حاصل کیا لیکن ہم اس سبق کیلئے کسی انسان کے ممنون نہیں بلکہ ہمارا خدا اپنی کتاب میں ہمیں اس اصول کی تعلیم دیتا ہے۔ دیکھو اس بارے میں قرآن شریف کی تعلیم کیسی کھلی کھلی اور واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا (مزمل ع ۱) یہ باتیں نصیحت کی ہیں پس جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف پہنچنے کا راستہ اختیار کرے۔ بعینہٖ یہی الفاظ سورہ دہر میں بھی موجود ہیں۔ پھر فرماتا ہے۔ كَلَّا اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهٗ (المدثر ع ۲) ہرگز ایسا نہیں کیونکہ قرآن تو سرتاسر نصیحت ہے پس جو چاہے اسکو سوچے سمجھے۔ پھر فرماتا ہے۔ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (کہف ع ۴) اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہو کہ یہ قرآن برحق تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے پس جو چاہے مانے اور جو چاہے نہ مانے۔ پھر فرماتا ہے۔ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ (زمر ع ۲) اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہو کہ میں تو خدا ہی کی فرمانبرداری مدنظر رکھکر اسی کی عبادت کرتا ہوں۔ رہے تم۔ سو اس کے سوا جسکو چاہو پوجو۔ پھر فرماتا ہے۔ قُلْ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ (یونس ع ۱۱) اے پیغمبر! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان لوگوں سے کہدو کہ اے لوگو جو حق بات تھی وہ تو تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس آچکی۔ پس جس نے راہ راست اختیار کی تو اپنی ہی فائدہ کیلئے اسکو اختیار کرتا ہے۔ اور جو بھٹکا تو وہ بھٹک کر کچھ اپنا ہی کھوتا ہے اور میں تم پر کچھ ٹھیکہ دار و کی طرح تو مسلط ہوں نہیں۔

پھر فرماتا ہے۔ وَأَنْ أَتْلُوَ الْقُرْآنَ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنْذِرِينَ (النمل ع ۷) مجھکو یہ حکم ملا ہے کہ میں لوگوں کو قرآن پڑھکر سناؤں پس جو راہ پر آگیا تو وہ اپنی ہی بھلے کو راہ پر آتا ہے اور جو گمراہ ہوا تو تم کہدو کہ جہاں خدا نے اور ڈرانیوالے بھیجے ہیں میں بھی ان ڈرانیوالوں میں سے ایک ڈرانیوالا ہوں۔ اور بس۔

ان سب آیات سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ دین کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو آزادی دے رکھی ہے اللہ تعالیٰ نے حق اور باطل کھولکر بیان فرمایا ہے۔ اور راہ راست پر چلنے کے فوائد اور کج راہ پر چلنے کے نقصانات بھی بوضاحت بیان فرمادئے ہیں اسکے بعد انسان اگر چاہے تو ہدایت کی راہ کو اختیار کرے اور چاہے تو دوسری راہ اختیار کرے ایسی تعلیم کی موجودگی میں یہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ جو لوگ اسلام سے مرتد ہونا چاہیں انکو تلوار کے زور سے اسلام میں رہنے کیلئے مجبور کیا جاوے اور جو لوگ اسلام میں رہنا منظور نہ کریں انکو فوراً قتل کر دیا جائے۔ کیا ایسی قابل نفرت تعلیم ایک لمحہ کیلئے بھی قرآن جیسی کتاب کی طرف منسوب کیجا سکتی ہے جو باآواز بلند کہہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حق اور باطل کی راہیں واضح کر کے بیان فرمادی ہیں اور دونو راہوں کو اختیار کرنیکے نتائج بھی کھول کر بیان فرمادئے ہیں پس اب ہر ایک شخص کا اختیار ہے چاہے تو حق کی راہ اختیار کرے اور چاہے تو باطل کی پیروی کرے۔ اسکے اپنے عمل کے مطابق اسکو بدلہ ملجائیگا۔

دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں

اب میں چند آیات قرآنی اس مضمون کی پیش کرتا ہوں کہ دین کے معاملہ میں جبر سے کام لینا ناجائز ہے اللہ تعالیٰ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۚ قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِينَ (الاعراف ع ۱۱) شعیب کی قوم میں جو لوگ رودار اور مغرور تھے بولے کہ اے شعیب! ہم تجھ کو اور جو تیری ساتھ ایمان لائے ہیں انکو اپنی بستی سے نکالدیں گے

یا یہ ہوگا کہ تم لوگ ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ گے۔ شعیبؑ نے کہا کیوں جی! اگر ہم تمہارے دین کو دل سے ناپسند کرتے ہوں پھر بھی زبردستی تمہارے مذہب میں آملیں؟

اس آیت کریمہ میں خدا تعالیٰ کا ایک پاک نبی مذہب کی تبدیلی کے متعلق ایک اصول بیان کرتا ہے جب حضرت شعیب علیہ السلام اور انکی جماعت سے انکی بستی کے ذی اقتدار رئیس اس امر کا مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے آبائی مذہب میں واپس لوٹ آویں ورنہ وہ انکے حق میں یہ حکم جاری کرینگے کہ انکو بستی سے نکال دیا جائے۔ تو حضرت شعیب علیہ السلام ان عمائد سے ایک سوال کرتے ہیں وہ ان سے پوچھتے ہیں اگر ہم دل میں تمہارے دین کو ناپسند کرتے ہوں تو کیا پھر بھی ہم آئیں اپنی مرضی کے خلاف اکراہاً و جبراً داخل ہو سکتے ہیں؟ یہاں حضرت شعیبؑ اپنی قوم کے مقابل میں ایک عقلی دلیل پیش کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مذہب کا تعلق تو دل سے ہے اگر ہمارے دل تمہارے مذہب کو ناپسند کرتے ہوں تو پھر ہم سے اس امر کا مطالبہ کرنا کہ ہم اپنی مرضی کے خلاف تمہارے مذہب کیطرف لوٹ آئیں ایک غیر معقول فعل ہے۔ اس دلیل سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی شخص کو اسکی مرضی کے خلاف کسی دین میں داخل ہونیکے لئے مجبور کرنا ہرگز جائز نہیں۔

پس اگر "اَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِيْنَ" کی دلیل درست ہے تو مسلمانوں کیلئے بھی یہ ناجائز ہے کہ وہ اسلام سے ارتداد اختیار کرنیوالے کسی انسان کو یہ کہیں کہ "لَنَقْتُلَنَّكَ يَا فُلَانُ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا" بلکہ قتل کرنا تو کجا وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتے "لَنُخْرِجَنَّكَ يَا فُلَانُ مِنْ قَرْيَتِنَا اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا" کیونکہ اگر وہ ایسا کہیں گے تو وہ انکے جواب میں کہہ سکتا ہے "اَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِيْنَ"۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر حضرت شعیبؑ کی یہ دلیل اپنے اندر کوئی سچائی اور معقولیت رکھتی ہے تو مرتد کے قتل کا فتویٰ غلط ہے اور اگر مرتد کو محض ارتداد کے لئے قتل کرنیکا فتویٰ درست ہے تو حضرت شعیبؑ کی "اَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِيْنَ" والی دلیل نعوذ باللہ غلط ٹھہرتی ہے۔

پھر دیکھو اللہ تعالیٰ اس درد کا ذکر کرتے ہوئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کے متعلق تھا فرماتا ہے۔ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۚ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ (یونس ع)

اے پیغمبر! تمہارا پروردگار چاہتا تو جتنے آدمی روئے زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے۔ تم لوگوں کو مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ سب کے سب ایمان لے آئیں اور اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی شخص ایمان نہیں لا سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر گندگی ڈال دیتا ہے جو عقل کو کام میں نہیں لاتے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دین کے معاملہ میں جبر نہیں ہو سکتا۔ اگر جبر کا اصول درست ہوتا تو

خدا تعالیٰ کو کیا ضرورت تھی کہ وہ اس کام کو لوگوں کے سپرد کرتا وہ اگر چاہتا تو روئے زمین کے تمام لوگوں کو خود مسلمان بنا دیتا۔ اس معاملہ میں اسکو انسانوں کی امداد کی ضرورت نہ تھی۔ پھر فرماتا ہے جبر سے کوئی کسی کو کس طرح مسلمان بنا سکتا ہے ایمان کی توفیق دینا تو خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور جو لوگ خداداد عقل سے کام نہیں لیتے ان کو ایمان کی توفیق نہیں دی جاتی۔

پس یہ آیات بھی دین کے معاملہ میں جبر کرنے سے روکتی ہیں اور اسکو ایک بیہودہ فعل قرار دیتی ہیں۔ کیونکہ اس سے وہ غرض پوری نہیں ہو سکتی جسکے لئے جبر کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اور جس طرح ایسے شخص کیلئے جبر کرنا ناجائز ہے جو کبھی مسلمان نہیں ہوا اسی طرح اس شخص کیلئے بھی جبر ناجائز ہونا چاہیئے جو اسلام لانیکے بعد کفر اختیار کرتا ہے۔ پیدائشی کافر بھی کافر ہے اور مرتد بھی کافر ہے اور اگر پیدائشی کافر کے لئے جبر و اکراہ درست نہیں تو مرتد کے لئے بھی درست نہیں ہو سکتا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک صورت میں جبر ناجائز ہو اور دوسری صورت میں جبر جائز ہو۔ جبر ہر صورت میں ناجائز ہونا چاہیئے۔ جبر اگر بُری چیز ہے تو دونو صورتوں میں بُری ہونی چاہیئے۔ پیدائشی کافر کی صورت میں جبر کیوں ناجائز تھا؟ اسی لئے کہ جبر کے ذریعہ کسی کے دل میں اسلام کا نور داخل نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہی وجہ مرتد کی صورت میں بھی موجود ہے کیونکہ جیسا پیدائشی کافر کو جبر و اکراہ کے ذریعہ ہدایت نہیں دی جا سکتی اسی طرح مرتد کی صورت میں بھی جبر و اکراہ ہدایت کا ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ پس اگر پیدائشی کافر کیلئے جبر ناجائز ہے تو مرتد کیلئے بھی جبر اسی طرح ناجائز ہونا چاہیئے۔ فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر جیسا پیدائشی کافر پر چسپان ہوتا ہے ویسا ہی مرتد پر۔

میں قرآن شریف کی بہت سی آیات پیش کر چکا ہوں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام دین کے معاملہ میں جبر کو ناجائز قرار دیتا ہے اور وہ سب آیات ایسی واضح اور بیّن ہیں کہ انمیں کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہیں لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ بعض لوگ جبر کی تعلیم کیطرف جھک جائیں گے اور وہ دین کے لئے جبر و اکراہ کو جائز قرار دینگے اسلئے اللہ تعالیٰ نے اصول اور قاعدہ اور حکم کے رنگ میں ایک نہایت ہی زبردست اور چٹان کی طرح مضبوط آیت قرآن شریف میں نازل فرمائی ہے جو ہر ایک ایسے شخص کے دعویٰ کو جو دین میں جبر کے جواز کا قائل ہو پاش پاش کر دیتی ہے۔ وہ قطعی اور فیصلہ کن حکم یہ ہے:۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (بقرہ ع ۳۴)

"دین میں زبردستی کا کچھ کام نہیں" (ترجمہ مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی)

دیکھو یہ کیسے کھلے کھلے اور کیسے واضح الفاظ میں اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ دین میں جبر و اکراہ کو کوئی دخل نہیں۔ قرآن شریف میں اس واضح اور صریح حکم کے موجود ہوتے ہوئے کس طرح کوئی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اسلام قتل کی دھمکی دیکر لوگوں کو ارتداد سے روکتا ہے۔ کیا وہ دین جو لا اکراہ فی الدین کا اعلان کرتا

ہی یہ تعلیم دے سکتا ہے؟ کہ جبر سے لوگوں کو مسلمان بنایا جائے اور وہ لوگ جو اسلام لانیکے بعد اسلام سے برگشتہ ہونا چاہیں انکو جبر سے مسلمان رکھا جاوے۔ یہ آیت کریمہ اپنے منطوق میں ایسی واضح اور بیّن ہے کہ جو لوگ دین میں جبر و اکراہ کے قائل ہیں وہ اسکے بارے مجبور ہوئے ہیں کہ اس آیت کریمہ کو منسوخ قرار دیں۔ انکا اس آیت کریمہ کو منسوخ قرار دینا صاف ظاہر کرتا ہے کہ انکے نزدیک یہ آیت شریفہ کھلے طور پر جبر و اکراہ سے روکتی تھی اور کوئی معقول توجیہ ایسی نہیں ہوسکتی تھی جس کے رو سے یہ کہا جاسکے کہ یہ آیت اکراہ کی مانع نہیں ہے۔ اسلئے وہ اسکو منسوخ قرار دینے کے لئے مجبور ہو گئے۔

لیکن جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں قرآن شریف کوئی حکم نہیں دیتا جسکی دلیل اور حکمت بھی وہ ساتھ ہی بیان نہیں فرماتا۔ چنانچہ اس حکم کی دلیل بھی اس حکم کے ساتھ ہی بیان فرمادیگئی ہے جو یہ ہے کہ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ یعنے جبر کا تو ایک ہی مقام ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جو سمجھ نہ سکے اسپر جبر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ بچہ کی صورت میں کیونکہ اسمیں ابھی سمجھنے کی قابلیت پیدا نہیں ہوتی۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہاں وہ صورت نہیں ہے۔ یہاں یہ حال ہے کہ قد تبین الرشد من الغی "ہدایت گمراہی سے الگ ظاہر ہو چکی ہے" یعنے اب ہدایت اور گمراہی کی راہیں بالکل واضح اور بیّن ہو گئی ہیں اور ہر ایک کے لئے جو سمجھنا چاہے ہدایت کا طریق گمراہی سے بالکل الگ ہو گیا ہے اور ان دونوں کے درمیان تمیز کرنیمیں کوئی دقت باقی نہیں رہی ہے اسلئے جبر کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی ہے پس دین کے معاملہ میں جبر کرنا جائز نہیں ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ لا اکراہ فی الدین کا حکم جنگی تعلیم کے بعد دیا گیا ہے اس سے پہلے قتال کے احکام اور اسکی تعلیم بیان فرمائی گئی ہے پس نہ صرف اس آیت کریمہ کا مضمون بلکہ اسکا مقام بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ یہ آیت کریمہ جبر و اکراہ کی ممانعت کیلئے نازل ہوئی ہے۔

مذہبی اعتقاد کی بنا پر تکلیف دینا انبیاء کے دشمنوں کا شیوہ ہے

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں گزشتہ انبیاء اور انکی قوموں کے تذکرے اسلئے بیان فرمائے ہیں کہ ہم ان سے عبرت حاصل کریں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ۔ پس اللہ تعالیٰ اپنی پاک کتاب میں مومنوں کا حال بھی بیان کرتا ہے اور کفار کا بھی۔ اور اس بیان سے منشاء یہ ہے کہ ہم مومنوں کے نمونہ پر چلیں اور ان راہوں سے پرہیز کریں جنپر مومنوں کے دشمن ہمیشہ قدم مارتے چلے آئے۔ گزشتہ لوگوں کے جن کاموں کی اللہ تعالیٰ تحسین فرماتا ہے وہ نیک کام ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ ہم انہیں اختیار کریں۔ اور گزشتہ قوموں کے جن افعال کو اللہ تعالیٰ ظلم قرار دیتا ہے وہ کام ہمیشہ ظلم ہی سمجھے جائیں گے اور جو شخص انکا ارتکاب کریگا خواہ وہ کافر کہلاتا ہو یا

اپنے تئیں مومن کا خطاب دیتا ہو وہ خدا کے نزدیک ظالم ہے۔ ظلم ہمیشہ ظلم ہی خواہ اسکا مرتکب زید ہو یا بکر۔ اگر مذہبی عقائد کے لئے کسی کو دکھ دینا کفار کیلئے ایک ظلم ہی تو مسلمانوں کے لئے بھی ایسا کرنا ظلم ہی۔ خدا تعالیٰ نے کہیں یہ نہیں فرمایا کہ مذہبی تبدیلی پر کفار کیلئے تو یہ ظلم ہی کہ وہ کسیکو تکلیف دیں مگر مومنوں کیلئے ایسا کرنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہی۔ یہ بالکل انصاف سے بعید ہے کہ کفار ایک کام کریں جو ظلم کہلائے اور بعینہٖ وہی کام مومن کریں تو وہ نہ صرف جائز سمجھا جائے بلکہ ضروری قرار دیا جائے۔

فرض کرو ایک ہندو ریاست ہی اور اسکا راجہ ایک خود مختار حاکم ہے جس نے یہ قانون جاری کر رکھا ہی کہ جو شخص ہندو مذہب کو چھوڑ کر اسلام قبول کرے اسے فوراً قتل کر دیا جائے۔ اب بتائیے ہندو راجہ کا یہ فعل ظلم ہی یا نہیں؟ کیا تمہاری کانشنس اسبات کی شہادت نہیں دیتی کہ وہ راجہ بڑا ہی ظالم اور سفاک ہے جو اسلام لانے پر لوگوں کو قتل کر دیتا ہی؟ کیا تم یہ نہیں کہوگے کہ وہ انسان نہیں بلکہ ایک درندہ ہے؟ کیا تم اسکے فعل کو ایک وحشیانہ فعل نہیں کہوگے؟ کیا تمہاری فطرت اسکے خلاف جوش میں نہیں آئیگی؟ اور کیا تمہاری طبیعت نفرت اور غضب سے نہیں بھر جائیگی؟ کیا تم اسکے فعل پر اظہار نفرین نہیں کروگے؟ میں اس سے بھی اتر کر آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر وہ راجہ اپنی رعایا کے لوگوں کو اسلئے قتل کرتا ہی کہ وہ آریہ مذہب اختیار کرتے ہیں یا مسیحی تثلیث اور کفارہ پر ایمان لاکر بپتسمہ لیتے ہیں۔ تو مجھے سچ سچ بتاؤ۔ تم اس کے اس فعل کو کیسا سمجھوگے؟ تم اپنے ضمیر کو جگا کر پوچھو جو ضرور یہی فتویٰ دے گی کہ وہ راجہ ایک ظالم انسان ہی اور اسکا اس لئے لوگوں کو قتل کرنا کہ وہ کیوں ہندو مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرتے ہیں جو سخت سنگدلی اور پرلے درجہ کی بیرحمی ہے۔ اسکو کوئی حق نہیں کہ لوگوں کے مذہب کے معاملہ میں دخل دے کسی مذہب کے قبول کرنے یا نہ قبول کرنیکے بارہ میں اسے چاہیئے تھا کہ وہ لوگوں کو آزاد چھوڑ دیتا تا جس مذہب کو وہ سچا سمجھتے اسے اختیار کرتے۔

پس میں پوچھتا ہوں کہ جو بات دوسروں کیلئے ناجائز ہی وہ تمہارے لئے کسطرح جائز ہوگی؟ یہ کیونکر ہوا کہ جس بات کو تم دوسرے لوگوں کیلئے ظلم عظیم کہتے تھے اور جسکو سن کر تمہارے چہرے سرخ ہو جاتے تھے اور تمہاری آنکھوں میں خون اُتر آتا تھا وہ تمہارے لئے کیوں عین صواب ہو گیا؟ یہ کس طرح ہو سکتا ہی کہ ایک فعل کو جب دوسرے لوگ کریں تو وہ نہایت ہی وحشیانہ فعل اور خونخواری کہلائے اور جب تم اسی کام کو کرو تو وہ نہایت مہذبانہ اور شریفانہ ہو جائے؟ آج اگر کوئی ہندو ریاست ایسے لوگوں کو جو جنم کے ہندو ہوں اور بعد میں اسلام لے آئیں گرفتار کرنا اور پھر سنگسار کرنا شروع کر دے تو کیا مولوی ظفر علی خانصاحب زمیندار کی ایڈیٹری کی کرسی پر بیٹھ کر اس راجہ کے خلاف نہایت پُر زور

پُرجوش مضمون نہیں لکھیں گے۔ اور کیا اپنے قلم کا سارا زور اور اپنی ساری قوت بیان اسکے اس فعل کو خلاف انسانیت اور ظالمانہ قرار دینے میں خرچ نہیں کر دینگے ؟ اور کیا اس کے خلاف ایک ہنگامہ قیامت برپا نہ کر دینگے ؟ لیکن اگر مولویصاحب کو جواب میں یہ کہا گیا کہ اس راجہ نے بالکل اسی اصول پر کام کیا ہے جس پر امیر صاحب کابل نے کیا ہے تو مولوی ظفر علی خانصاحب دنیا کو کیا جواب دینگے ؟ کیا مولوی صاحب یہ کہیں گے کہ چونکہ امیر صاحب کابل کا مذہب سچا مذہب ہے اس لئے اسکے لئے نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے کہ جو شخص اسکے مذہب کو چھوڑے وہ اسے قتل کر دے۔ لیکن نیپال کے راجہ یا چین کی حکومت یا روس کی گورنمنٹ کا مذہب سچا مذہب نہیں ہے اسلئے اگر وہ کسی کو مذہب کی تبدیلی سے روکیں اور ایسی تبدیلی کرنے والوں کو سنگسار کریں تو وہ ظالم ہیں۔ کیا کوئی عقلمند انسان مولوی صاحب کے اس جواب سے تسلی پا سکیگا ؟ نیپال کے راجہ کو اور چین کی حکومت کو اپنے مذہب کی صداقت کا ایسا ہی یقین ہے جیسا کہ امیر صاحب افغانستان کو یقین ہے۔ پس اگر امیر صاحب افغانستان کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو سنگسار کر دیا کریں جو اسکے خیال میں اسکے مذہب سے ارتداد اختیار کریں تو نیپال کے راجہ اور گورنمنٹ چین کو بھی حق پہنچتا ہے کہ وہ بھی ایسے لوگوں کو قتل کر دیا کریں جو انکے آبائی مذہب سے ارتداد اختیار کریں۔ جس اصول پر ایک ہندو راجہ کیلئے ناجائز ہے کہ وہ کسی کو مذہب کی تبدیلی سے روکے۔ اسی اصول پر ایک مسلمان امیر کیلئے بھی ناجائز ہے کہ وہ کسی کی تبدیلی مذہب میں مزاحم ہو۔ تم ایک ہندو راجہ کو کیوں ظالم کہتے ہو جب وہ کسی ہندو کو اسلام قبول کرنے سے روکتا ہے ؟ کیا اسی لئے کہ ہندو مذہب ایک جھوٹا مذہب ہے اور اسلام ایک سچا مذہب ہے ؟ کیا یہی دلیل ہے جو تم ہندو راجہ کے سامنے یا عقلمند طبقہ کے سامنے اسکے ظلم کو ثابت کرنیکے لئے پیش کروگے ؟ کیا تم ہندو راجہ کو یہ کہوگے کہ تم اسلئے ظالم ہو کہ تمہارا مذہب جھوٹا ہے اور اسلام سچا ہے اور تم لوگوں کو اجازت نہیں دیتے کہ وہ جھوٹے مذہب کو چھوڑ کر سچا دین اختیار کریں ؟ تم کس دلیل سے اس ہندو راجہ کا ظلم لوگوں پر اور خود اس راجہ پر واضح کروگے ؟ تم کبھی اپنی دلیل کو اس پیرایہ میں پیش نہیں کروگے کہ کسی انسان کو حق نہیں کہ وہ لوگوں کو جھوٹے دین سے سچے دین کیطرف آنے سے روکے بلکہ تم یہ کہوگے کہ کسی انسان کو حق نہیں کہ وہ کسی شخص کو ایک دین سے دوسرے دین میں آنے سے روکے۔ پس اگر یہ دلیل درست ہے (اور ضرور درست ہے) تو جیسا کہ راجہ نیپال کو حق نہیں کہ وہ کسی ہندو کو عیسائی۔ بدھ یا مسلمان ہونے سے روکے اور ایسا کرنیوالوں کو سنگسار کرے۔ ایسا ہی امیر صاحب کابل اور کسی اور بادشاہ کو یہ حق نہیں کہ وہ کسی شخص کو محض ارتداد کی سزا میں قتل یا سنگسار کرے۔

ایسا کرنا نہ صرف اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے بلکہ اسلام کو سخت نقصان پہنچانا ہے کیونکہ اگر ایک مسلمان بادشاہ کسی شخص کو محض اسلئے قتل اور سنگسار کرنیکا حکم دیتا ہے کہ اسنے ایک غیر مذہب اختیار کیا ہے تو غیر مذاہب کی سلطنتیں اسکے مقابل میں ان لوگوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرینگی جو انکی رعایا میں سے اسلام قبول کرنا چاہیں گے اور کسی اسلامی مبلغ کو اجازت نہیں دینگی کہ ان کے علاقہ میں قدم بھی رکھے جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلام کی اشاعت رک جائیگی۔

پس مرتدین کیلئے محض ارتداد کی سزا میں قتل کا فتویٰ دینے والے نہ صرف قرآن شریف کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں بلکہ اسلام کو سخت نقصان پہنچاتے ہیں۔ وہ اسلام کے دوست نہیں بلکہ دشمن ہیں خدا تعالےٰ اسلام کو ایسے دوستوں کے ہاتھوں سے بچائے۔ آمین۔ ثم آمین!

قرآن شریف کو اول سے آخر تک پڑھ جاؤ۔ تم یہ تو جا بجا لکھا ہوا دیکھو گے کہ خدا کے نبیوں کے دشمن بڑے ظالم تھے وہ دین کے معاملہ میں جبر سے کام لیتے تھے اور جبراً لوگوں کو اپنا دین چھوڑنے سے روکتے تھے لیکن یہ تم کہیں بھی لکھا ہوا نہ پاؤ گے کہ مومنوں کی جماعتیں بھی جبر سے کام لیتی تھیں۔ اور جو لوگ سچے دین سے منہ پھیر کر بت پرستی یا شرک کی طرف یا کسی اور گمراہی کی راہ یا جھوٹے دین کی طرف رجوع کرتے تھے ان کو مومن قتل اور سنگسار کر دیا کرتے تھے۔ سارے قرآن شریف کو پڑھ جاؤ۔ تم کوئی ایسی مثال نہیں پاؤ گے۔ پھر تم قرآن شریف میں یہ تو لکھا ہوا پاؤ گے کہ انبیاء کے دشمن بڑے ظالم تھے کیونکہ وہ دین کے معاملہ میں جبر و اکراہ سے کام لیتے تھے لیکن یہ کہیں نہیں لکھا ہوا پاؤ گے کہ مسلمانوں کیلئے نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے کہ وہ جبر و اکراہ سے کام لیں۔ بلکہ برخلاف اسکے ہم قرآن شریف میں یہ کھلا کھلا اور صریح اعلان دیکھتے ہیں کہ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔

آؤ ہم قرآن شریف کی طرف رجوع کریں۔ اور گزشتہ امتوں کے حالات کا جو ہمارے لئے بطور سبق بیان کئے گئے ہیں مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ مذہب کی تبدیلی پر دکھ دینا کن لوگوں کا شیوہ رہا ہے؟ مومنین کا یا کفار کا؟ حضرت نوح علیہ السلام سے لیکر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک جسقدر بڑے بڑے نبی اور رسول گزرے ہیں میں ان میں سے اکثر کے حالات کو آپکے سامنے رکھتا ہوں تا آپکو معلوم ہو کہ امرائے کابل نے نعمت اللہ خان مرحوم اور دیگر شہدائے جماعت احمدیہ کو سنگسار کر کے کس گروہ میں اپنے تئیں داخل کیا ہے اور کس جماعت کے نقش قدم پر گامزن ہوئے ہیں؟

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد پہلا اولوالعزم جنکا ذکر قرآن شریف میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم سے کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مجھے قبول

مخروساور پھر فرماتے ہیں ۔اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۔ میں تو لوگوں کو صاف طور پر ڈرانیوالا ہوں اور بس
میرا یہ کام نہیں کہ کسیکو جبراً اپنے دین میں داخل کروں ۔ مگر انکی قوم کہتی ہے ۔ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ
مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ (شعراء ۶۱) اے نوح ! اگر تم اپنے اس نئے مذہب سے باز نہ آؤ گے تو ضرور سنگسار کر دئے
جاؤ گے ۔

اب دونوں کے طریق کا مقابلہ کرو ۔ حضرت نوح علیہ السلام تو اپنی قوم کو اپنے نئے پیغام کیطرف بلاتے ہیں اور فرماتے ہیں ۔ میرا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے اور بس ۔ مگر انکی قوم ان کو سنگساری کی دھمکی دیتی ہے ۔ اب آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ ان دو نو راہوں میں سے کونسی راہ خدا کی رضا کی راہ ہے اور کونسی راہ وہ ہے جو خدا تعالیٰ کے نزدیک بُری ہے اور غضب الٰہی کو بھڑکاتی ہے ۔ اور آپ ساتھ ہی یہ بھی فیصلہ فرمائیں کہ ان دونوں میں سے کونسی راہ ہے جو امراء اور علماء کابل نے اختیار کی ؟

پھر حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جو بڑا عظیم الشان نبی دنیا میں آیا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے ۔ آؤ ہم دیکھیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رویہ کیسا تھا اور انکی قوم نے کیسا رویہ اختیار کیا ؟ اور پھر اسیات کا فیصلہ کریں کہ اس زمانہ کے مسلمان ان دونو رویوں میں سے کس رویہ کو اختیار کر رہے ہیں اور امیر کابل نے کونسا رویہ اختیار کیا ۔ ابراہیمی یا نمرودی ؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک نوجوان آدمی ہیں جو اپنی قوم کے جھوٹے معبودوں کے عجز اور بے بسی کو ظاہر کرنیکے لئے ان بتوں کو توڑتے ہیں جنکا متولی انکا اپنا خاندان تھا ۔ اور انکی قوم کے لوگ ٹوٹے ہوئے بتوں کا نظارہ دیکھکر غضب میں آتے ہیں اور پوچھتے ہیں ۔ کس نے ہمارے بت توڑے ؟ وہ بڑا ہی ظالم اور بالفاظ مولوی ظفر علی خاں صاحب بڑا ہی " مفسد " اور " شریر النفس انسان ہے ۔ اسپر بعض نے پتہ دیا اور کہا ۔ سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ۔ وہ نوجوان جسکو ابراہیم کے نام سے پکارا جاتا ہے اسکو ہم نے ان بتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے سُنا ہے ۔ اور پھر وہ نوجوان اپنی قوم کے بزرگوں کے سامنے بلایا جاتا ہے اور سوال و جواب میں جب وہ لوگ لاجواب اور شرمندہ ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں :-
حَرِّقُوْهُ (الانبیاء ع ۵) یعنے اس نوجوان کو آگ میں ڈال کر جلا دو ۔ اسی طرح حضرت ابوالانبیاء کے اَبْ آزر اپنی شفقت کا اظہار ان لفظوں میں کرتے ہیں لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ (مریم ۔ ع ۳)
اگر تو اپنے اس نئے مذہب سے باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دونگا ۔

اب دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا راہ اختیار کی اور انکی قوم نے کیا طریق اختیار کیا ؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو اپنی قوم کو انکی اعتقادی اور عملی کمزوریوں پر متنبہ کرتے ہیں مگر انکی قوم انکو آگ میں جلانیکا

فیصلہ کرتی ہی اور ان کے آپ آزر سنگسار کرنیکی دہمکی دیتے ہیں۔

پھر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے زمانہ کی طرف آؤ۔ اور دیکھو وہاں ہمیں کیا نظارہ نظر آتا ہے۔ حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما الصلوۃ والسلام کو تو حکم ہوتا ہی اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۔ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (طٰہٰ ع ۲) دونو فرعون کے پاس جاؤ اسنے بہت سر اٹھا رکھا ہی پھر اس سے نرمی سے بات کرو شاید وہ سمجھ جائے یا ڈرے

اسکے مقابل میں فرعون اور اسکی قوم کا عمل دیکھو اللہ تعالیٰ فرماتا ہی۔ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ۭ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۔ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ (المؤمن ع ۳) غرض کہ جب موسیٰ ہماری طرف سے حق لیکر فرعون ۔ ہامان وغیرہما کے پاس آئے تو انہوں نے حکم دیا کہ جو لوگ موسیٰ کیساتھ ایمان لے آئے ہیں انکے بیٹوں کو تو قتل کر ڈالو اور انکی عورتوں کو زندہ رہنے دو۔ اور کافروں کی تدبیریں تو آخر کار سب غلط ہی ہو جاتی ہیں اور فرعون نے (اپنے درباریوں سے) کہا کہ مجھے موسیٰ کو قتل کرنے دو۔ اور وہ اپنے پروردگار کو اپنی امداد کیلئے بلائے مجھے اندیشہ ہی کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے دین کو الٹ پلٹ کر ڈالے یا ملک میں فساد نکال کھڑا کرے۔

پھر اُن لوگوں کو مخاطب کر کے جو حضرت موسیٰؑ کا نشان دیکھکر انپر ایمان لائے فرعون کہتا ہی:۔
اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۔ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۔ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۔ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۔ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ۭ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ (الاعراف ع ۱۴ و ۱۵)

"ہو نہ ہو یہ تمہارا ایک فریب ہے کہ شہر میں آکر یہ پاکھنڈ مچایا ہی تاکہ یہاں کے لوگوں کو اس شہر سے نکال دو۔ سو تم کو اپنے کئے کا نتیجہ بھی تھوڑی دیر میں معلوم ہو جائیگا۔ میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں الٹے کٹواؤنگا پھر تم سبکو سولی پر چڑہاؤنگا۔ وہ کہنے لگے کہ ہم کو تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہی۔ اور تو نے ہم میں قصور کیا پایا ہے۔ تاکہ جب ہمارے پروردگار کے نشان ہمارے سامنے ظاہر

ہوئی تو ہم ان پر ایمان لے آئے اور اب ہماری بس یہی دعا ہے کہ اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر انڈیل دے اور اپنی فرمانبرداری ہی کی حالت میں ہم کو اس دنیا سے اٹھا لے ۔ اور فرعون کے لوگوں میں سے سرداروں نے فرعون سے کہا کہ کیا آپ اسے اور اسکی قوم کے لوگوں کو اسی حال پر رہنے دیں گے کہ ملک میں فساد پھیلاتے پڑے پھریں ۔ اور وہ آپ سے اور آپ کے معبودوں سے سرتابی کرتا ہے ۔ فرعون بولا نہیں ہم ابھی ان کے بیٹوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ماریں گے اور انکی عورت ذات کو زندہ رکھینگے اور ہم ان پر ہر طرح سے غالب ہیں ۔"

متذکرہ بالا واقعات کو ان واقعات پر جو آجکل سرزمین کابل میں ظہور پذیر ہوئے ہیں چسپاں کرو اور بتلاؤ کہ مومنین کے حالات کس جماعت پر چسپاں ہوتے ہیں اور کسنے فرعون کا پارٹ ادا کیا ہے کن نوجوانوں نے وہ ثبات اور جان نثاری دکھائی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں مومنین نے دکھائی تھی اور کس گروہ نے ان سے وہ سلوک کیا جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فرعون اور اسکے سرداروں نے مومنین سے کیا تھا ؟

یہ واقعات قرآن شریف میں اسلئے بیان کئے گئے تھے کہ مسلمان ان سے عبرت حاصل کریں اور وہ راہ اختیار نہ کریں جو پہلے زمانوں میں تکبر اور سرکش اور اپنی طاقت پر گھمنڈ رکھنے والے لوگ کیا کرتے تھے ۔ مگر ہائے افسوس ! بجائے اسکے کہ وہ ان واقعات سے عبرت حاصل کرکے دشمنان حق کی راہوں سے اجتناب کرتے انہوں نے وہی راہ اختیار کی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں نمرود نے اور حضرت موسےٰ علیہ السلام کے زمانہ میں فرعون اور اسکے سرداروں نے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت میں یہود کے فریسیوں اور فقیہوں نے اختیار کی تھی ۔

پھر میں کہتا ہوں کہ کابل کے سرداروں اور اراکین نے احمدی جماعت کے ساتھ وہی رویہ اختیار کیا ہے جو مکہ کے عمائد نے صحابہ رضؓ کی غریب جماعت کے ساتھ اختیار کیا تھا ۔ اللہ تعالیٰ مہاجرین کی نسبت فرماتا ہے ۔ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ (آل عمران ع۲۰) پس جن لوگوں نے ہمارے لئے اپنے دیس چھوڑے اور ہماری وجہ سے اپنے گھروں سے نکالے گئے اور دکھ دیئے گئے ۔" یہ آیت اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ جیساکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ غریب مسلمانوں کو عمائد مکہ نے اسقدر دکھ دئے اور انپر اسقدر ظلم کئے کہ وہ اپنے گھروں سے نکلنے پر مجبور ہوگئے اور وہ اپنا مال و اسباب اور اپنے گھر بار چھوڑ چھاڑ کر اپنی جان بچانے کے لئے مکہ سے بھاگ گئے ۔

جو غریب ۔ بوڑھے ۔ عورتیں اور بچے پیچھے رہ گئے جو بھاگنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے ان کے

بڑھاپے اور انکی بیکسی اور انکی عورت ذات ہونے پر بھی انکو رحم نہ آیا اور انپر ظلم و تعدی کا ہاتھ دراز کیا چنانچہ وہ خدا کے آگے نہایت عجز و انکسار سے زاری کرتے تھے اور چیختے تھے اور گڑگڑاتے ہوئے کہتے تھے :-

رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا (النساء ع ۱۰) اے ہمارے پروردگار! ہم کو اس بستی یعنے مکہ سے کہیں نجات دے جہاں کے رہنے والے ہم پر ظلم کر رہے ہیں اور خود ہی اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور خود ہی اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار بنا۔

جو لوگ عمائد مکہ کے ظلم و ستم سے رستگاری حاصل کرنے کیلئے گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے تھے ان کا پیچھا بھی سرداران مکہ نے نہ چھوڑا اور چاہا کہ تلوار سے انکو صفحہ ہستی سے مٹا دیں یا وہ مجبور ہو کر اپنی جان بچانیکے لئے اپنے نئے مذہب سے تائب ہو کر واپس اپنے آبائی مذہب میں داخل ہو جاویں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا (البقرہ ع ۲۷) اور یہ کفار ہمیشہ تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہانتک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تم کو تمہارے دین سے واپس اپنے مذہب میں پھیر لیں"

غرض تمام مذہبی تاریخ کو دیکھو تمہیں ایک ہی نظارہ نظر آئیگا کہ حق کی تیغ کبھی کسیکو مذہبی عقائد کیوجہ سے دکھ دیتے ہوئی نہیں دیکھی جائیگی لیکن ہر زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ حق کے دشمن ہمیشہ خدا کے راستبازوں کو دکھ دیتے ہیں اور ہمیشہ انکی یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنی قوت و بازو کے زور سے راستبازوں کو یا تو فنا کر دیں یا انکو مجبور کریں کہ وہ حق سے توبہ کریں۔ کوئی ایک مثال بھی تم ایسی پیش نہیں کر سکتے جبکہ راستبازوں کی جماعت نے دین کے معاملہ میں کسی پر جبر کیا ہو۔

پس مذہبی خیالات کیوجہ سے کسی کو دکھ دینا اور اسکو مجبور کرنا کہ وہ فلاں قسم کے خیالات قبول کرے خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک ظلم ہے۔ اور جو بھی اس فعل کا مرتکب ہو وہ خدا تعالیٰ کے نزدیک ظالم اور جابر ہے اور خدا تعالیٰ کے آگے اپنے فعل کا جواب دہ ہے خواہ وہ ریاست کابل کا امیر ہو یا ملک مصر کا فرعون خواہ وہ لاہور کا ظفر علی خاں ہو یا واہی مکہ کا ابو الحکم۔"

مرتدین کے سوال کا فیصلہ منافقین کی مثال سے

یہ ظاہر ہے کہ جو شخص قتل کے خوف سے اسلام نہیں چھوڑیگا یا قتل کے ڈر سے ارتداد کے بعد پھر اسلام قبول کریگا ایسا شخص دل سے مسلمان نہیں ہوگا بلکہ اسکا دل کافر ہوگا اور صرف زبان سے اسلام کا اقرار کریگا۔ ایسا شخص اسلام کی اصطلاح میں منافق کہلائیگا۔ اسلئے منافق کے متعلق قرآن شریف کی تعلیم پر غور کرنے سے ارتداد کا سوال بھی حل ہو سکتا ہے۔ اگر قرآن شریف نفاق

کی اجازت دیتا ہی اور مسلمانوں کی جماعت میں منافقوں کے وجود کو استحسان کی نظر سے دیکھتا ہی اور ان سے ویسا ہی سلوک روا رکھتا ہی جیسا کہ دوسری مسلمانوں کے ساتھ۔ تو اس صورت میں بیشک ماننا پڑیگا کہ قتل مرتد جائز ہی کیونکہ قتل مرتد کی صورت میں جو قباحتیں نظر آتی ہیں اور جو لازمی نتیجہ اس سے پیدا ہوتا ہی یعنے نفاق اور مسلمانوں کی جماعت میں منافقین کے گروہ کا شامل ہو جانا انکے متعلق خیال کیا جا سکتا ہی کہ یہ ایسی باتیں نہیں جو خدا تعالیٰ کو ناپسند ہوں بلکہ قرآن شریف اجازت دیتا ہے اور ان امور کو استحسان اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے پس اس صورت میں قتل کی سزا مقرر کر کے لوگوں کو ارتداد سے روکنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ یہ بہت ہی اچھی بات ہی لیکن اگر معاملہ اسکے بالکل برعکس ہے اور خدا تعالیٰ نفاق کی اجازت نہیں دیتا بلکہ نفاق کو کفر سے بھی بدتر قرار دیتا ہی اور ان سے وہ برتاؤ نہیں کرتا جو دوسرے مسلمانوں سے کیا جاتا ہی اور اس بات کو پسند کرتا ہی کہ مسلمانوں کی جماعت ایسے لوگوں کے وجود سے پاک ہی اور اللہ تعالیٰ ضرور خود ایسے ذریعہ پیدا کرتا ہی کہ اسلام کا وجود نفاق کی خباثت سے پاک رہی۔ تو اس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ مرتد کو محض ارتداد کی سزا میں قتل کرنا اسلام کی رو سے ناجائز ہی کیونکہ اس سی نفاق پیدا ہوتا ہے اور اسلام کا خدا چاہتا ہی کہ مسلمانوں کی جماعت منافقین کے خبث سی بکلی پاک رہی۔

پس آؤ۔ اب ہم قرآن شریف کیطرف رجوع کریں اور دیکھیں کہ اسلام میں منافقین کی کیا حیثیت ہے۔ قرآن شریف میں ہمیں منافقین کے بارہ میں مندرجہ ذیل قرآنی آیات اور اسی رنگ کی دوسری آیات نظر آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہی:۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَہُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا (نساء۔ ع ۲۰) اس آیۃ کا ترجمہ مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے حسب ذیل الفاظ میں کیا ہی:۔

"(اے پیغمبر) منافقوں کو خوشخبری سُنادو کہ انکو آخرت میں دردناک عذاب ہونا ہی۔"

پھر اسی رکوع میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْکٰفِرِیْنَ فِیْ جَہَنَّمَ جَمِیْعًا (نساء ع ۲۰) "اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں سب کو دوزخ میں جمع کر کے رہیگا۔"

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے صرف یہی نہیں کہ منافقین کے ساتھ وہی سلوک کیا جائیگا جو کفار کے ساتھ کیا جائیگا اور انکو بھی کفار کیطرح دوزخ میں ڈالا جائیگا بلکہ منافق دوزخ کے سب سے نیچے کے درجے میں ہونگے۔ یعنی وہ اشد ترین عذاب میں مبتلا ہونگے اور اکثر کفار سے بھی زیادہ انکو عذاب دیا جائیگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہی:۔
اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (نساء ع ۲۱) "اسمیں شک نہیں کہ منافق

دوزخ کے سب سے نیچے کے درجہ میں ہونگے۔"

اللہ تعالیٰ اسکو کبھی پسند نہیں فرماتا کہ منافق مسلمانوں کیساتھ جہاد میں شریک ہوں چنانچہ سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ منافقوں کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرماتا ہے:-

فَإِن رَّجَعَكَ اللَّهُ إِلَىٰ طَائِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوكَ لِلْخُرُوجِ فَقُل لَّن تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَن تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا (توبہ ع ۱۱) "اے پیغمبر! اگر خدا تم کو (جہاد پر سے) ان منافقوں کے کسی گروہ کی طرف لوٹا کر لیجائے اور پھر کبھی یہ لوگ جہاد کے لئے نکلنے کی تم سے اجازت چاہیں تو تم ان سے کہدینا کہ تم تو کبھی میرے ساتھ جہاد کے لئے نکلوگے اور نہ میرے ساتھ ہوکر کسی دشمن سے لڑوگے۔"

پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ منافقین کے گروہ کو اطلاع دیتا ہے:-

قُلْ أَنفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَّن يُتَقَبَّلَ مِنكُمْ إِنَّكُمْ كُنتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ - وَمَا مَنَعَهُمْ أَن تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَارِهُونَ (توبہ ع ۷) "اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہو کہ تم خوش دلی خرچ کرو یا بے دلی سے تمہاری خیرات تو کسی طرح قبول ہونی نہیں کیونکہ تم نافرمان لوگ ہو۔ اور ان کی خیرات کے قبول ہونیکی اور کوئی وجہ مانع نہیں ہوئی مگر یہی کہ انہوں نے اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کی اور نماز کو آتے ہیں تو سُست کسمائے ہوئے اور راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں تو بددلی سے۔"

پھر اللہ تعالیٰ منافقین کے متعلق اپنے غضب کا اظہار اسطرح کرتا ہے:-

سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (المنافقون ع ۱) "ان لوگوں کے لئے تم دعائے مغفرت کرو یا نہ کرو انکے حق میں دونوں باتیں یکساں ہیں۔ خدا تو انکے گناہ معاف کرنے والا ہی نہیں۔ بیشک خدا نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔"

پھر اللہ تعالیٰ اسی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ حکم دیتا ہے:-

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ (توبہ ع ۱۱) "(اے پیغمبر!) اگر انمیں سے کوئی مرجائے تو تم ہرگز ان کے جنازہ پر نماز نہ پڑھنا اور نہ انکی قبر پر جاکر کھڑے ہونا کیونکہ انہوں نے اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ کفر کیا اور سرکشی کی حالت میں مرگئے۔"

پھر اللہ تعالیٰ ہر سال ایک یا دو مرتبہ منافقوں کے لئے ایسے سامان پیدا کرتا ہے جن سے انکا نفاق

ظاہر ہوجاتا اور اللہ تعالیٰ کی اس سے یہ غرض تھی کہ ان کا نفاق ظاہر ہو کر یہ لوگ مسلمانوں سے ممتاز ہوجاویں اور جب انکا نفاق کھلجائیگا اور مومنوں پر ظاہر ہوجائیگا کہ فلاں فلاں شخص منافق ہے تو وہ ہوشیار ہوجائینگے اور انکو مومنین کی جماعت میں شامل سمجھ کر دہوکہ نہیں کھائیں گے اور اسطرح عملی طور پر انکو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی جماعت سے خارج کرتا رہتا اور مومنین کے گروہ کو ان کے خبث سے پاک کرتا رہتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ (توبہ ع ۱۶) "کیا یہ لوگ اتنی بات بھی نہیں دیکھتے کہ وہ ہر سال ایک بار یا دو بار آزمائش کی آگ میں ڈالے جاتے ہیں تا کھرے اور کھوٹے میں تمیز ہوجائے۔ اسپر بھی نہ تو توبہ ہی کرتے ہیں اور نہ نصیحت ہی پکڑتے ہیں"

اس آیت کریمہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا تھا کہ منافق اور مومن ملے جلے رہتے۔ اسلئے وہ ایسے سامان پیدا کردیتا کہ منافقین کا نفاق ظاہر ہوجاتا اور اسطرح وہ عملی طور پر مسلمانوں کی خالص جماعت سے الگ ہوجاتے اور مسلمان انکے میل جول کے بداثر سے محفوظ ہوجاتے۔

پس قرآن شریف میں منافقین کا ذکر کثرت کے ساتھ موجود ہے اور انکو اللہ تعالیٰ کے غضب کا مورد ظاہر کیا گیا ہے اور غالباً کفار کی برائی بھی ایسے زور سے بیان نہیں کی گئی جیسی کہ منافقین کی برائی بیان کیگئی ہے۔ ان آیات کریمہ کی موجودگی میں کوئی عقلمند اس بات کو تسلیم نہیں کرسکتا کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا حکم دے جس کے نتیجہ میں منافق لوگ اسلام میں داخل رہیں۔ اللہ تعالیٰ تو منافقوں کو مسلمانوں میں سے خارج کرتا ہے تا مسلمانوں کی جماعت انکے بداثر سے آلودہ نہو اور وہ ایسے خبیث لوگوں سے پاک اور صاف رہے۔ اور وہ ایسے حکم دیتا ہے جن کے ذریعہ منافق مسلمانوں سے الگ ہوجاویں اور وہ انمیں مل جل کر نہ رہ سکیں۔ لیکن ہمیں بتایا یہ جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایک ایسا حکم دے رکھا ہے جسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ لوگ اپنی جان کے خوف سے باوجود بے ایمان ہونیکے مسلمانوں میں ملے جلے رہیں انکے دل میں کفر ہو مگر وہ یہ ظاہر کرتے رہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور اسطرح مسلمانوں میں منافقوں کا گروہ ہمیشہ قائم رہے۔ قرآن شریف تو ایسے لوگوں کو دھکے دے دیکر مسلمانوں کی جماعت میں سے باہر نکالتا ہے اور مسلمانوں کو ایسے خبیث لوگوں سے پاک اور صاف رکھنا چاہتا ہے مگر قتل مرتد کے حامی چاہتے ہیں کہ اسلام ایسے گند سے کبھی پاک نہو اور منافقوں کا ناپاک اور خبیث گروہ ضرور مسلمانوں میں ہر وقت موجود رہنا چاہیئے۔ اور اگر کبھی کوئی فرد اس گروہ کا مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہونا چاہے تو اسکو قتل کا خوف دیکر جبر سے دوبارہ مسلمانوں کی جماعت میں داخل کرنا چاہیئے تا یہ گند ضرور مسلمانوں میں موجود رہے۔

پس دیکھو قرآن شریف کی تعلیم میں اور ان لوگوں کے خیالات میں کسقدر بُعد اور دُوری ہے۔ قرآن شریف کہتا ہے ان لوگوں کو نکالو۔ مگر یہ لوگ چاہتے ہیں انکو بجائے باہر نکالنے کے پھر لوٹا کر مسلمانوں میں داخل کریں۔

۵ ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بہ کجا۔

منافقین کی مثال قتل مرتد کے سوال کو ایک اور پہلو سے بھی حل کر دیتی ہے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ منافقین کو بھی مرتد ہی قرار دیتا ہے چنانچہ فرماتا ہے:۔

۶ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ (توبہ ع)

"یہ (منافق) اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے تو یہ (یعنی) بات نہیں کہی۔ حالانکہ ضرور انہوں نے کفر کا کلمہ کہا۔ اور اسلام لائے پیچھے کافر ہوئے"

۷ پھر منافقین کی نسبت فرماتا ہے۔ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ (التوبہ ع۸)

"باتیں نہ بناؤ حق تو یہ ہے کہ تم ایمان لائے پیچھے کافر ہو گئے۔"

۸ پھر سورۂ منافقون میں اللہ تعالیٰ منافقوں کا ذکر مندرجہ ذیل الفاظ میں کرتا ہے:۔ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ (منافقون ع۱) "ان لوگوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔ لوگوں کو راہ خدا سے روکتے ہیں۔ نہایت ہی برے کام ہیں جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ یہ لوگ پہلے ایمان لائے پھر اسلام سے پھر گئے یہاں تک کہ انکے دلوں پر مہر کر دی گئی۔ تو اب یہ حق بات کو سمجھتے ہی نہیں۔"

پھر منافقین کی نسبت اللہ تعالیٰ یہی نہیں فرماتا کہ یہ لوگ ایمان اور اسلام لانے کے بعد پھر کافر ہو گئے بلکہ انکی نسبت خود ارتداد کا لفظ بھی استعمال فرماتا ہے چنانچہ آتا ہے:۔

۹ إِنَّ الَّذِينَ ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلَىٰ لَهُمْ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأَمْرِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ (محمد ع۳) "بیشک جن لوگوں کو دین کا رستہ صاف طور پر معلوم ہوا اور پھر بھی وہ اپنے الٹے پاؤں پھر گئے، شیطان نے انکو بتے دیئے اور انکی آرزوؤں کی رسیاں دراز کر دی ہیں۔ اور یہ ان لوگوں کا ارتداد اس سبب سے ہے کہ جو لوگ (قرآن کو) جو خدا نے اتارا ناپسند کرتے ہیں (مثلاً یہود) یہ منافق ان سے کہا کرتے ہیں کہ بعض باتوں میں ہم تمہاری صلاح پر چلیں گے۔ اور اللہ انکی سرگوشیوں کو خوب جانتا ہے"

غرض منافقین کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسلام لانے کے بعد کفر اختیار کرتے ہیں اور ارتداد کے مرتکب ہوتے ہیں اور جنکو اللہ تعالیٰ مرتد قرار دے ان کے ارتداد میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ اب اگر یہ بات درست ہے کہ

اسلام لانیکے بعد کفر اختیار کرنیوالوں اور ارتداد کرنیوالوں کی سزا اسلام میں قتل مقرر کیگئی ہی تو ضروری ہے کہ منافقین کی سزا بھی قتل ہی ہو پس اگر یہ ثابت ہو جائے کہ منافقین کی سزا اسلام میں قتل مقرر کیگئی ہی تو ہم اس بات کو بڑی خوشی سے قبول کرلیں گے کہ واقعی مرتد کی سزا قتل ہی لیکن اگر برعکس اسکے یہ ثابت ہو کہ منافقین کی نسبت قرآن شریف قتل کا حکم نہیں دیتا۔ اور جن لوگوں کا نفاق سب پر واضح ہو چکا تھا اور جنکے نفاق کے متعلق خدا نے گواہی دیدی تھی انکو قتل کی سزا نہیں دیگئی تو ہم کو ماننا پڑیگا کہ اسلام میں ارتداد کی سزا قتل نہیں ہی۔

اس امر کے فیصلہ کیلئے جب ہم قرآن شریف کیطرف رجوع کرتے ہیں تو صاف نظر آتا ہی کہ اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی یہ حکم نہیں دیا کہ منافقین کو قتل کی سزا دیجائے۔ برخلاف اسکے قرآن شریف کی آیات سے ظاہر ہوتا ہی کہ کسیکو اجازت نہ تھی کہ ان پر قتل کیلئے ہاتھ اٹھائے۔ بلکہ وہ اپنی طبعی موت تک زندہ رہنے دئے جاتے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہی کہ وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ۖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ ۔ وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَن يُعَذِّبَهُم بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ (توبہ ع ۱۱)

ان آیات سے ظاہر ہے کہ منافقین کیلئے جنکو اللہ تعالیٰ مرتد قرار دیتا ہی قتل کی سزا نہ تھی کیونکہ اگر ان کی نسبت یہ حکم ہوتا کہ چونکہ انہوں نے اسلام کے بعد کفر اختیار کیا ہی اسلئے انکو قتل کردو تو پھر یہ کہنے کی ضرورت نہ تھی کہ اگر انمیں سے کوئی مرجائے تو اسکا جنازہ نہ پڑھنا۔ نیز ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہی کہ ارتداد کے بعد بظاہر لوگوں کی نظر میں وہ خوشحالی کی زندگی بسر کرتے انکے پاس بہت سا مال و دولت اور بہت سی اولاد ہوتی تھی۔

اس سے ظاہر ہی کہ باوجود ارتداد کے وہ اپنے حال پر چھوڑ دئے جاتے اور لوگوں کی نظر میں مزے کی زندگی بسر کرتے یہانتک کہ مسلمان بھی تعجب کرتے کہ یہ دنیاوی برکت انکے پاس کیوں ہی۔ نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ فقل لن تخرجوا معی ابدا ولن تقاتلوا معی عدوا (توبہ ع ۱۱) ظاہر کرتا ہی کہ ان مرتدین کیلئے قتل کا حکم نہیں تھا کیونکہ اگر انکے لئے قتل کی سزا مقرر ہوتی تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ آیندہ تو تم کبھی میرے ساتھ جہاد کے لئے نکلو گے اور نہ میرے ساتھ ہوکر کسی دشمن سے لڑوگے۔ اسیطرح اگر ان مرتدین کیلئے قتل کی سزا مقرر تھی تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی قل انفقوا طوعا او کرھا لن یتقبل منکم ۔ انکم کنتم قوما فسقین (توبہ ع ۷) ؟

اسی طرح تاریخ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہی کہ منافقین کیلئے قتل کی سزا مقرر نہیں تھی اگر منافقین کی نسبت

قتل کی سزا مقرر ہوتی تو اس سزا کا سب سے زیادہ مستحق عبد اللہ بن اُبَی بن سلول تھا جو مدینے کی منافق پارٹی کا سرغنہ تھا اور جس کا نفاق کسی پر مخفی نہیں تھا۔ لیکن باوجود اسکے کہ آپؐ کی خدمت مبارک میں اسکے قتل کے متعلق کئی مرتبہ تحریک بھی کی گئی پھر بھی آپؐ نے اسکے قتل کا حکم نہ دیا۔ خود عبد اللہ بن ابی کا بیٹا بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا۔ اِنّ والدی یؤذی اللہ ورسولہ فذرنی حتی اقتلہ میرا باپ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایذا دیتا ہے آپؐ مجھے اجازت دیں کہ میں اسے قتل کر دوں۔ مگر آپؐ نے ہر دفعہ اسے روکدیا پھر اس سے بڑھ کر آپؐ نے اس رئیس المنافقین کے ساتھ اسکے مرنے پر یہ سلوک کیا کہ آپؐ نے اسکے بیٹے کو اپنی قمیص عطا فرمائی تاکہ وہ اسے یہ قمیص بطور کفن پہنا دے اور پھر خود جا کر مع دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے اسکا جنازہ پڑھا (ممانعت جنازہ کا حکم بعد میں نازل ہوا)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اشد ترین منافق کیساتھ جو برتاؤ کیا وہ اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ اسلام میں منافقین کیلئے قتل کی سزا مقرر نہیں ہے

غرض جیسا کہ قرآن شریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ منافقین کیلئے اسلام قتل کی سزا مقرر نہیں کرتا اور تاریخ سے ثابت ہے کہ منافقین کو قتل کی سزا نہیں دیجاتی تھی حالانکہ قرآن شریف منافقین کو بھی مرتد قرار دیتا ہے اسلئے ثابت ہوتا ہے کہ مرتدین کیلئے اسلام میں قتل کی سزا نہیں ہے۔

ممکن ہے کہ کوئی صاحب یہ سوال کریں کہ اگر منافقین کیلئے قتل کا حکم نہیں تو اس آیت شریفہ کے کیا معنے ہیں۔ یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ وَمَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ (توبہ ع ۱۰) اس آیت کریمہ کی تفسیر کیلئے میرے خیال میں فتح البیان کی مندرجہ ذیل عبارت کافی ہے:-

وقال الطبری اولی الاقوال الیّ قول ابن مسعود لانّ الجہاد عبارۃ عن بذل الجہد و قد دلّت الاٰیۃ علی وجوب جہاد المنافقین ولیس فی الاٰیۃ ذکر کیفیّتہ ذٰلک الجہاد فلا بدّ من دلیل اٰخر وقد دلّت الدلائل المنفصلۃ انّ الجہاد مع الکفّار انّما یکون بالسیف ومع المنافقین باظہار الحجۃ علیہم تارۃً و بترک الرفق بہم تارۃً و بالانتہاد تارۃً و ھٰذا ھو قول ابن مسعود (فتح البیان جلد ۴ صفحہ ۱۴۳)

طبری نے کہا ہے کہ سب اقوال سے میرے نزدیک بہترین قول ابن مسعود کا ہے کیونکہ جہاد کے معنے ہیں کوشش کرنا۔ اس آیت کریمہ سے یہ تو ظاہر ہوتا ہے کہ منافقین کیساتھ جہاد کرنا واجب ہے۔ لیکن اس آیت میں اس جہاد کی کیفیت بیان نہیں کیگئی۔ پس ضروری ہے کہ اسکے لئے کوئی اور دلیل ہو اور کھلے کھلے دلائل سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے

کہ کفار کے ساتھ جہاد تو تلوار کیساتھ ہوتا ہے اور منافقین کے ساتھ یہ ہو کہ کبھی تو انپر اتمام حجت کیجائے اور کبھی نرمی کا سلوک انکے ساتھ ترک کیا جائے اور کبھی انکو زجر کیجائے اور یہی ابن مسعود کا قول ہے۔

یہاں مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی کا ترجمہ اور نوٹ نقل کرنا بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ مولوی نذیر احمد صاحب اس آیۃ کریمہ کا ترجمہ حسب ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:۔

"اے پیغمبر! کافروں کیساتھ (ہتھیار سے) اور منافقوں کے ساتھ (زبان سے) جہاد کرو اور ان پر سختی کرو کہ (یہ اس سختی کے مستحق ہیں) اور (آخرکار) انکا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔"

اس ترجمہ پر حسب ذیل نوٹ لکھتے ہیں:۔

"ہتھیار اور زبان کی قید ہم نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے برتاؤ سے کی ہے کہ منافقوں پر کبھی کافروں کا سا جہاد نہیں ہوا۔"

کیا قرآن کریم قتلِ مرتد کے سوال پر ساکت ہے؟

قتل مرتد کے حامی قرآن کریم میں اپنے دعویٰ کی کوئی تائید نہ پاکر بلکہ قرآن شریف کی تعلیم کو اپنے خیال کے بالکل الٹ دیکھکر اپنے آپ کو بچانے کی اسطرح بے سود کوشش کرتے ہیں کہ قرآن شریف اس مسئلہ کے متعلق ساکت ہی۔ مگر یہ حیلہ انکے لئے کوئی بچاؤ کا ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ انکے اس قول کے دوسرے لفظوں میں یہ معنے ہیں کہ جبتک ہم قرآن شریف میں انکو یہ لکھا ہوا نہ دکھا دیں کہ مرتد کو قتل مت کرو۔ انکی تسلی نہیں ہو سکتی۔ قرآن شریف ایک حکیم کتاب ہے۔ وہ ہر ایک لغو کلام سے پاک ہی۔ جب قرآن شریف کی تعلیم ہی اس امر کے مخالف پڑی ہوئی ہو کہ کسی کو صرف مذہب کی تبدیلی پر قتل کیا جائے۔ وہ باآواز بلند کہہ رہی ہی فمن شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر وہ اس امر کا بار بار اعلان کر رہی ہی من اھتدیٰ فانما یھتدی لنفسہٖ ومن ضل فانما یضل علیھا۔ اور جب وہ پکار پکار کر کہہ رہی ہی ما علی الرسول الا البلاغ اور جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہی وما انت علیھم بوکیل اور جب قرآن شریف نے یہ امر بطور قاعدہ کلیہ کے بیان فرما دیا ہے لا اکراہ فی الدین۔ تو ایسی کھلی کھلی تعلیم کے بعد اس امر کی کوئی ضرورت باقی نہیں تھی کہ مسلمانوں کو یہ بھی کہا جاتا کہ جو شخص تم میں سے مرتد ہو جائے اسے قتل نہیں کرنا چاہیئے۔ قرآن شریف کی تعلیم کے ہوتے ہوئے جب مرتد کے قتل کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا پھر اسکی تردید ہی کیوں کیجاتی۔ ایسے حالات کے ماتحت یہ کہنا کہ

خبردار! مرتد کو ہرگز قتل نہ کرنا ایک لغو کام تھا۔ اور قرآن جیسی حکیم کتاب کی شان کے بالکل منافی تھا۔ قرآن شریف ایسی لغو کلام کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا۔

علاوہ ازیں قرآن شریف کی وہ آیات جنمیں ارتداد کا ذکر ہی خود صاف طور پر بتا رہی ہیں کہ مرتد کے لئے قتل کا حکم نہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ یہود کی ایک سازش کا ذکر کرتا ہوا فرماتا ہے۔ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِىْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (آل عمران ع ۸) " اہل کتاب میں سے ایک گروہ (اپنے لوگوں کو) سمجھاتا ہے کہ مسلمانوں پر جو کتاب نازل ہوئی ہے اول روز اس پر ایمان لاؤ اور آخر روز اس سے انکار کر دیا کرو (شاید اس تدبیر سے) مسلمان (اس نئے دین سے) پھر جائیں۔"

اسکے جواب میں حامیان قتل مرتد فرماتے ہیں۔ یہ صرف یہود کی ایک تجویز تھی جسے عمل میں نہیں لایا گیا۔ اسلئے اس آیت سے استدلال نہیں ہو سکتا کہ مرتدین کو قتل نہیں کیا جاتا تھا۔ مگر انکی یہ جرح بالکل غلط ہے۔ ہم ایک لمحہ کیلئے فرض کر لیتے ہیں کہ یہود کی یہ صرف ایک تجویز ہی تھی اور اس پر کبھی عمل نہیں کیا گیا پھر بھی یہ آیت اس امر کا ایک قطعی ثبوت ہے کہ مرتدین کو قتل نہیں کیا جاتا تھا۔ کیونکہ اگر مرتد کی سزا قتل ہوتی اور مرتدین کو قتل کیا جاتا تو وہ کبھی ایسی تجویز ہی نہ کر سکتے۔ کیونکہ اس میں سوائے اپنے آدمیوں کو ہلاکت میں ڈالنے کے اور کوئی نفع نہیں تھا۔ پس انکا ایسی تجویز کرنا خود اس امر کا ایک یقینی ثبوت ہے کہ مرتدین کو قتل کی سزا نہیں دیجاتی تھی۔ یہود کی نسبت یہ امید کرنا کہ وہ کسی ایسی غرض کیلئے اپنی جان کو یقینی ہلاکت میں ڈالنے کے لئے تیار تھے بالکل ناممکن ہے۔ ان کے متعلق تو قرآن شریف شہادت دیتا ہے وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ (بقرہ ع ۱۱) " البتہ تم پاؤ گے کہ یہ لوگ زندگی پر سب لوگوں سے کہیں زیادہ حریص ہیں یہانتک کہ مشرکین سے بھی (جو قیامت ہی کے قائل نہیں) انمیں سے ایک ایک چاہتا ہے کہ اے کاش اسکی عمر ہزار برس کی ہو۔"

پھر اس آیہ کریمہ میں ایک اور جملہ بھی ہے جو اس بات کا یقینی ثبوت ہے کہ مرتدین کی سزا قتل نہیں تھی اور وہ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ہے۔ اسمیں انکی سازش کی غرض بتائی گئی ہے۔ یعنے ایسی تجویز انہوں نے کیوں کی؟ انکی غرض کیا تھی؟ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ یہ تجویز انہوں نے اسلئے کی تھی کہ انکے ارتداد کو دیکھ کر دوسرے مسلمان اسلام کے متعلق شک میں پڑ جاویں اور اسلام سے ارتداد اختیار کر لیں لیکن اگر یہ دعویٰ درست ہے کہ اسلام میں مرتد کے لئے قتل کی سزا مقرر تھی تو انکی یہ غرض پوری نہیں ہو سکتی تھی۔ جب وہ جانتے تھے کہ ہر ایک مرتد کو قتل کیا جاتا ہے تو انہیں کبھی امید نہیں ہو سکتی تھی کہ انکی دیکھا دیکھی مسلمان بھی ارتداد

اختیار کرلیں گے کیونکہ ان کے مرتد ہوتے ہی جب انکو قتل کیا جاتا تو اس نظارہ کو دیکھکر تو جو لوگ ارتداد کیلئے تیار ہوتے وہ بھی رک جاتے نہ کہ اور بھی ارتداد پر آمادہ ہو جاتے۔ پس اس غرض کا تعین کرنا بھی صاف ظاہر کر رہا ہی کہ مرتدین کے قتل کا کوئی حکم اسلام میں نہیں تھا۔

علاوہ ازیں روایات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کوئی معمولی آنی تجویز نہیں تھی جو سرسری طور پر بعض یہود کے خیال میں آئی اور دل لگی کے طور پر انہوں نے اسکا ذکر کر دیا بلکہ مختلف تفاسیر میں ایسے لوگوں کے اسماء اور انکی تعداد بھی مندرج ہے جنہوں نے یہ مشورہ کیا۔ اور یہ بھی مذکور ہی کہ انہوں نے اس تجویز پر عمل کرنیکا تہیہ بھی کر لیا میں یہاں صرف ایک حوالہ نقل کرتا ہوں۔ بحر المحیط جلد ۲ صـ۴۹۳ پر لکھا ہی:۔

قال الحسن و السدی تواطأ اثنا عشر حبرا من یهود خیبر و قری عرینة وقال بعضهم لبعض ادخلوا فی دین محمد اول النهار باللسان دون الاعتقاد واکفروا به فی آخر النهار و قولوا انا نظرنا فی کتبنا و شاورنا علماءنا فوجدنا محمدا لیس کذلک وظهر لنا کذبه و بطلان دینه فاذا فعلتم ذلک شک اصحابه فی دینهم وقالوا هم اهل الکتاب فهم اعلم منا فیرجعون عن دینهم الی دینکم فنزلت "یعنی حسن اور سدی بیان کرتے ہیں کہ یہود خیبر اور عرینہ کی بستیوں کے بارہ عالموں نے اتفاق کیا اور ایک دوسرے کو کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین میں اول روز میں داخل ہو جاؤ۔ صرف زبان سے اقرار کرو اور دل سے نہ مانو۔ اور آخر روز میں انکار کر دو۔ اور کہو کہ ہم نے اپنی کتابوں کو غور سے پڑھا ہے اور اپنی علماء سے بھی مشورہ کیا ہی اور ہمیں معلوم ہوا ہی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے نبی نہیں ہیں اور انکا کذب اور ان کے دین کا باطل ہونا ہم پر ظاہر ہو گیا ہی۔ اور جب تم ایسا کرو گے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھیوں کو اپنے دین میں شک پڑ جائیگا۔ اور وہ کہیں گے یہ لوگ اہل کتاب ہیں یہ ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ اسطرح وہ اپنے دین سے برگشتہ ہو کر تمہارے دین کی طرف آ جائیں گے۔"

اسی مضمون کی دیگر روایات جن میں ان مشورہ کرنیوالوں کے نام بھی دئے گئے ہیں تفسیر کی دوسری کتابوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً ملاحظہ ہو فتح البیان جلد ۲ صـ۶۰۔ در منثور جلد ۲ صـ۴۲ و صـ۴۳۔ نیز خود قرآن شریف میں اس واقعہ کا ذکر کرنا اور اسکو اہمیت دینا ظاہر کرتا ہی کہ ایسے واقعات ہوتے رہے ورنہ کیا ضرورت تھی کہ محض ایک خام خیال کو جس کا کوئی اثر نہیں تھا خواہ مخواہ قرآن مجید میں بیان کیا جاتا۔ چنانچہ صاحب بحر المحیط لکھتے ہیں:۔

اما امتثال المامور من امر به فمسکوت عن وقوعه واسباب النزول تدل علی وقوعه (بحر المحیط جلد ۲ صـ۴۹۳) یعنی اگرچہ قرآن شریف میں اس امر کی تصریح نہیں ہی کہ اس تجویز پر عملدرآمد کیا گیا یا نہیں لیکن اسباب نزول اسبات پر دلالت کرتے ہیں کہ ایسا کیا گیا۔

علاوہ ازیں قرآن شریف کے دوسرے مقامات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس تجویز پر عمل کیا گیا اور قرآن کریم اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ آنحضور پُرنور کے وقت میں ایسے یہودی موجود تھے جو ایسی شرارتیں کرتے تھے۔ چنانچہ سورۃ مائدہ رکوع ۹ میں اللہ تعالیٰ یہود کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَد دَّخَلُوا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ۔ "(مسلمانو!) جب یہ لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔ حالانکہ کفر ہی کو ساتھ لیکر آئے تھے اور کفر ہی کو ساتھ لیکر چلے بھی گئے۔ اور جو بات وہ دل میں چھپائے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ اسکو خوب جانتا ہے"

زیر آیت۔ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا الآیہ روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۱۹۶ میں لکھا ہے:

عن الحسن انهم طائفة من اهل الكتاب ارادوا تشكيك اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فكانوا يظهرون الايمان بحضرتهم ثم يقولون قد عرضت لنا شبهة اخرى فيكفرون ثم يظهرون ثم يقولون قد عرضت لنا شبهة اخرى فيكفرون ويستمرون على الكفر الى الموت - وذلك معنى قوله تعالى - وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ -

حسن بصری کا قول ہے کہ آیت إِنَّ الَّذِينَ آمنوا ثم كفروا ثم آمنوا میں جن لوگوں کا ذکر ہے وہ اہل کتاب کا ایک گروہ تھا جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضؓ کے دل میں اسلام کے متعلق شک ڈالنا چاہا۔ اسلئے وہ انکے پاس آکر پہلے اپنے ایمان کا اظہار کرتے۔ پھر کہتے ہمارے دل میں اور شبہ پیدا ہو گیا ہے۔ پھر انکار کرتے۔ پھر موت تک اسی انکار پر قائم رہتے۔ اور یہی معنے ہیں اس آیت کے وقالت طائفة من اهل الكتاب آمنوا بالذى انزل على الذين آمنوا وجه النهار واكفروا آخره لعلهم يرجعون -

حسن بصری رضؓ کے متعلق جنکا قول میں اوپر نقل کر چکا ہوں تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۶۵ میں لکھا ہے

"قال ايوب ما رأت عيناي افقه من الحسن وقال عطاء بن ابى رباح كان اماما ضخما يقتدى به" یعنے ایوب کہتے ہیں کہ میری آنکھوں نے حسن بصری رضؓ سے کوئی زیادہ فقیہ انسان نہیں دیکھا۔ اور عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں۔ وہ ایک عظیم الشان امام تھا جسکے قول کی پیروی کیجاتی ہے اور امام باقرؒ فرماتے ہیں:-

"ذاك يشبه كلامه كلام الانبياء وقال محمد بن سعد فان الحسن كان جامعا عالما رفيعا فقيها ثقة مامونا عابدا ناسكا كثير العلم فصيحا جميلا وسيما" یہ وہ انسان ہے جسکا کلام انبیاء کے کلام کے مشابہ ہوتا ہے۔ اور محمد بن سعدؒ کا قول ہے کہ حسن بصریؒ کامل ماہر عالم۔

بلند شان فقیہہ معتبر اپنی رائے میں محفوظ، عابد، پرہیزگار، بہت علم والے، فصیح اللسان اور خوبصورت شکل و سیرت والے تھے۔

پس ایسے عظیم الشان انسان کا یہ قول ہے کہ آیت کریمہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا میں جن لوگوں کا ذکر ہے کہ وہ پہلے ایمان لاتے پھر ارتداد اختیار کرتے۔ پھر ایمان لاتے پھر کفر کرتے وہ یہودی تھے جنہوں نے یہ مشورہ کیا تھا کہ مسلمانوں کو بہکانے کیلئے اور ان کے دل میں اسلام میں شکوک پیدا کرنیکے لئے یہ طریق اختیار کیا جائے تا جب مسلمان دیکھیں گے کہ اہل کتاب جوان سے زیادہ عالم ہیں اسلام لاکر پھر اسلام سے پھر جاتے ہیں تو انکے دل میں شبہ پیدا ہوگا کہ واقعی اسلام سچا مذہب نہیں ہے تو وہ بھی اسلام سے پھر جائیں گے۔ پس حضرت حسن بصری رض جیسے نیک انسان جو تابعی تھے جن کا سب علم صحابہ رض کی بالمشافہ گفتگو پر مبنی تھا اس تاریخی واقعہ کے متعلق شہادت دیتے ہیں کہ یہود نہ صرف مشورہ کیا کرتے تھے کہ مسلمان ہوکر مرتد ہو جاؤ بلکہ ایسا کیا بھی کرتے تھے۔ اور ایسے شخص کی شہادت جن کا علم صحابہ رض کے علم سے بلا واسطہ ماخوذ ہے اور جو جھوٹ کے شبہ سے پاک ہے نظر انداز نہیں کیجا سکتی۔

غرض قرآن شریف کی آیت کریمہ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ اسبات کا قطعی اور یقینی ثبوت ہے کہ اسلام میں مرتدین کو ارتداد کی سزا نہیں دیجاتی تھی اور انکو ارتداد کیوجہ سے قتل نہیں کیا جاتا تھا ورنہ یہود کبھی ایسی تجویز نہ سوچتے اور نہ اسپر عمل کرتے اور نہ انکو یہ امید ہوتی کہ انکی اس تدبیر سے مسلمان اپنے دین سے پھر جاوینگے۔ پس اس آیہ کریمہ کی موجودگی میں یہ کہنا کہ قرآن شریف قتل مرتد کے سوال پر ساکت ہے ایک غلط دعوی ہے کیونکہ قرآن شریف بآواز بلند کہہ رہا ہے کہ مرتد کی سزا قتل نہیں۔

قرآن شریف پر ایک سرسری نظر کرنیسے مجھے پندرہ آیات ایسی ملی ہیں جنہیں ارتداد یعنے کفر بعد اسلام کا ذکر ہے لیکن انمیں ایک آیت بھی ایسی نہیں جسمیں مرتد کیلئے قتل کی سزا کا ذکر ہو۔ اور قتل مرتد کے حامی اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ ارتداد کی آیات میں اُخروی سزا کا تو ذکر ہے مگر اس دنیا میں قتل کی سزا دیے جانیکا ذکر کہیں نہیں۔ لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس دنیا میں انکو قتل کی سزا نہیں دیجائیگی اور اس امر کی تائید میں وہ قرآن شریف کی مندرجہ ذیل آیت پیش کرتے ہیں:-

وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِیْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا اَلِیْمًا (نساء ۱۲۶)

وہ کہتے ہیں اس آیت کریمہ میں ایسے شخص کیلئے جو کسی مومن کو عمدًا قتل کرے صرف اُخروی سزا کا ذکر ہے۔

پس کیا اس سے نتیجہ نکل سکتا ہے کہ ایسے شخص کو اسکے جرم کی سزا اس دنیا میں نہیں دی جائیگی اور کیا ایسا آدمی قتل نہیں کیا جائیگا؟ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ انکی پیش کردہ آیت کے نزول سے پہلے صراحتہً قرآن شریف میں ایسے شخص کی قتل کئے جانیکا حکم نازل ہو چکا تھا۔ اور اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد بھی قصاص کا حکم نازل ہوا لیکن قتل مرتد کے متعلق قرآن شریف میں ایک بھی آیت نہیں چنانچہ قتل مرتد کے حامیوں کو یہ کہنا پڑا ہے کہ قرآن شریف اس سوال کے متعلق ساکت ہے۔

ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جہنم کی آیت سورہ نساء میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے سورہ بقرہ میں قصاص کا حکم نازل ہو چکا تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی اور فرماتا ہے۔ وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (بقرہ ع۲۲) نیز سورہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّہٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ اِنَّہٗ کَانَ مَنْصُوْرًا (بنی اسرائیل ع۴) نیز سورہ بقرہ ع۲۴ میں فرماتا ہے وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْہِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ اور آیت پیش کردہ کے بعد بھی قصاص کی آیت قرآن شریف میں نازل ہوئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورہ مائدہ میں فرماتا ہے وَکَتَبْنَا عَلَیْہِمْ فِیْہَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَیْنَ بِالْعَیْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ (مائدہ ع۷)

پس قاتل متعمد کے متعلق تو قتل مرتد کے حامی صرف ایک آیت ایسی پیش کرتے ہیں جس میں اُخروی سزا کا ذکر ہے اور قصاص کا ذکر نہیں لیکن اُس ایک آیت کے مقابل میں کم از کم چار آیتیں موجود ہیں جنمیں ایسے قاتل سے قصاص کا صریح حکم موجود ہے۔

مگر قرآن شریف میں کم از کم پندرہ آیات موجود ہیں جن میں ارتداد کا ذکر تو ہے لیکن قتل کی سزا کہیں بھی مذکور نہیں پس حامیان قتل مرتد کا ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جہنم کی آیت کو بطور نظیر کے پیش کرنا انکے لئے کچھ بھی مفید نہیں بلکہ اس سے انکے خلاف استدلال ہو سکتا ہے کہ اگر مرتد کیلئے بھی قتل کی سزا ہوتی تو جیسے قاتل کی صورت میں اگر ایک جگہ صرف اُخروی سزا کا ذکر ہے تو کم از کم چار جگہ قصاص کا صریح حکم موجود ہے۔ اسی طرح اگر مرتد کیلئے بھی قتل کی سزا مقرر ہوتی تو جب بار بار قرآن شریف مرتد کیلئے اُخروی سزا کا ذکر کرتا ہے (جیسے عام کافر کیلئے) تو کم از کم ایک مرتبہ ہی اسکے قتل کئے جانیکا ذکر فرما دیتا۔ پس قرآن شریف کا بار بار اُخروی سزا کا ذکر کرنا اور قتل کی سزا کا کہیں بھی ذکر نہ کرنا صاف طور پر ظاہر کرتا ہے کہ مرتد کیلئے خدا تعالیٰ نے قتل کی سزا مقرر نہیں فرمائی۔ خصوصاً جب ہم تمام قرآن شریف کو ضمیر کی آزادی

کی آیات سے ظاہر ہوا دیکھتے ہیں۔ اور جب کہ علی الاعلان اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر
اور لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی۔ نیز یہ بات بھی نوٹ کرنیکے قابل ہے کہ ارتداد کی آیات
قریباً سب کی سب مدینہ میں ایسے وقت میں نازل ہوئیں جب کہ اسلامی سلطنت قائم ہو چکی تھی اور قتل
کی سزا کا نفاذ بھی ہو سکتا تھا۔ پھر کیوں اُخروی سزا پر انحصار رکھا گیا۔ حالانکہ اُخروی سزا کا تو انسان
مشاہدہ نہیں کر سکتا۔ اسلئے سب سے پہلے وہ سزا بیان کرنی چاہیئے تھی جو نزول کے وقت دیجا سکتی تھی۔
لیکن میں کہتا ہوں یہ کہنا بھی درست نہیں کہ قرآن شریف کی آیات متعلقہ ارتداد قتل مرتد کے سوال
پر ساکت ہیں۔ میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ قرآن شریف میں کم از کم پندرہ آیات ایسی ہیں جنمیں کفر بعد اسلام
کا ذکر ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک اس امر کی شہادت دیتی ہے کہ مرتد کیلئے اسلام میں قتل کی سزا نہیں ہے
ان پندرہ آیات میں سے ایک آیت تو وہ ہے جسکے متعلق میں پہلے بحث کر چکا ہوں۔ یعنی وقالت طائفۃ
من اھل الکتاب آمنوا بالذی انزل علی الذین آمنوا وجہ النہار واکفروا آخرہ لعلہم
یرجعون۔ اور جیسا کہ میں ابھی ثابت کر چکا ہوں۔ اس آیت کریمہ سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں
قتل کی سزا نہیں دیجاتی تھی۔ اور کفر بعد اسلام کے متعلق چار آیتیں ہیں منافقین کی بحث میں لکھ چکا ہوں۔
جنمیں اللہ تعالیٰ منافقین کے متعلق شہادت دیتا ہے کہ انہوں نے اسلام لانیکے بعد کفر اختیار کیا ہے۔ اور ارتداد
کا لفظ بھی استعمال فرماتا ہے لیکن کہیں بھی اللہ تعالیٰ نے منافقین کے قتل کا حکم نہیں دیا۔ باقی دس آیات ہیں
جنکو میں یکے بعد دیگرے پیش کرونگا۔

پہلی اور دوسری آیت مع آیات متعلقہ:۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ
الْبَيِّنَاتُ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ۔ أُولٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ
وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ
إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ
إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ
مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ۔ أُولٰئِكَ
لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۔

مندرجہ بالا اقتباس میں دو آیات ایسی ہیں جنمیں کفر بعد ایمان کا ذکر ہے۔ اور ان دونو آیات سے یہ امر
صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں ارتداد کی سزا قتل نہیں ہے۔

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ پہلے سچے دل سے اس نبی پر ایمان لے آئے اور زبان سے اسکی صداقت کا اقرار کیا اور اسطرح اقرار باللسان و تصدیق بالقلب کے مصداق ٹھہرے مگر پھر کسی نفسانی وجہ سے انکار کر دیا تو ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں مل سکتی لیکن اگر وہ خدا تعالیٰ کی طرف آنا چاہیں تو پھر خدا تعالیٰ ان کیلئے دروازے کھول دیتا ہے۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ ارتداد کے بعد کفر میں بڑھتے جاتے ہیں تو ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں کیونکہ یہ لوگ ایک طرف کفر میں بڑھتے جاتے ہیں اور دوسری طرف منہ سے توبہ کرتے ہیں۔ انکی ایسی توبہ فائدہ نہیں دیتی۔

ان دونو آیات سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ ارتداد کے بعد مرتد اپنی حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مرتد دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو بعد میں سچی توبہ کر لیتے ہیں ایسے لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ ہدایت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ دوسرے وہ جو اپنے کفر میں بڑھے چلے جاتے ہیں اور اگر توبہ بھی کرتے ہیں تو جھوٹی ایسے لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ ہدایت روک لیتا ہے اور وہ اپنی گمراہی میں بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ ان آیات کے پڑھنے سے پہلا اثر جو ہر ایک انصاف پسند انسان کے دل پر پڑتا ہے وہ یہی ہے کہ ارتداد کے بعد مرتدین پر کوئی جبر نہیں ہوتا وہ اپنی حال پر چھوڑے جاتے ہیں۔ جو بعد میں سچی توبہ کریں تو انکی توبہ اللہ تعالیٰ قبول کر لیتا ہے۔ اور جو لوگ سچی توبہ نہیں کرتے اور اپنے کفر میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں ایسے لوگ ہمیشہ کیلئے ہدایت سے محروم رہتے ہیں اور گمراہی ہی میں اس دنیا سے گزر جاتے ہیں۔ پس ان آیات میں یہ مفہوم ضرور مرکوز ہے کہ مرتد کو قتل کی سزا نہیں دیجاتی تھی بلکہ انکو خدا تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل دیجاتی تھی۔ سچی توبہ جبر اور قتل کے سوال کو رد کرتی ہے کیونکہ جب مرتد ہوتے ہی مسلمان تلوار کھینچ کر اسکے گرد ہو جاوینگے کہ توبہ کرو ورنہ تمہیں قتل کر دیا جائیگا۔ تو ایسے حال میں اسکی توبہ جبر و اکراہ کی توبہ ہوگی نہ کہ توبۃ نصوح۔ اسیطرح مرتد کا اپنے کفر میں ترقی کرتے جانا بھی ظاہر کرتا ہے کہ اسکو خدا تعالیٰ ڈھیل دیتا ہے اور اسے لمبی مہلت دیجاتی ہے کسی تلوار سے اسکی زندگی کا خاتمہ نہیں کیا جاتا۔

پس یہ دو آیتیں قتل مرتد کے عقیدہ کی تردید کر رہی ہیں ان آیات پر حامیانِ قتل مرتد نے یہ جرح کی ہے کہ ان کا سیاق و سباق بتلاتا ہے کہ یہاں پر اسلام لاکر مرتد ہونیکا ذکر نہیں۔ بلکہ یہ کہ اہل کتاب حضور سرور کائنات پر ایمان لانیکا عہد و پیمان کرنیکے بعد آپکی تشریف آوری پر تمام تعلیمات سے منکر ہو گئے تھے اسی کفر بعد ایمان کا ان آیات میں ذکر ہے اور لکھتے ہیں کہ: "حقیقت یہ ہے کہ ان آیات کا سلسلہ ارتداد پیش کرنا ہی قرآن شریف) سے انتہا درجہ کے جہل کا ثبوت ہے۔" مگر یہ مولوی صاحبان کی خوش فہمی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سلسلہ ارتداد میں ان آیات کا پیش کرنا قرآن شریف سے انتہا درجہ کے جہل کا ثبوت نہیں بلکہ انکے یہ الفاظ خود

ان پر صادق آتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اوتیت جوامع الکلم (بخاری) یعنی جو کلام مجھے دیا گیا ہے اسمیں یہ خصوصیت ہے کہ تھوڑے لفظوں میں بہت سے معانی ادا کئے گئے ہیں۔ یہ نہیں کہ قرآن شریف کی ہر ایک آیت ایک ہی مفہوم تک محدود ہے اور کوئی دوسرا مفہوم اس سے نکالنا غلطی ہے۔ ایک آیت کو صریح الفاظ کے ہوتے ہوئے ایک ہی معنی میں مخصوص کرنا صحیح نہیں بلکہ کئی مفہوم نکل سکتے ہیں بشرطیکہ ایک معنے دوسرے معنے کے متضاد نہ ہوں۔

پس آیات زیر بحث میں اگر حامیان قتل مرتد کے معنے بھی درست مان لئے جائیں تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ کفر بعد اسلام کے ظاہری اور اقرب معنے لینا غلطی ہے بلکہ انکے پیش کردہ معنوں کے باوجود آیت اپنے ظاہری معنوں میں بھی درست ماننی پڑیگی اور حامیان قتل مرتد یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ یہاں ایمان کے کوئی خاص معنے ہیں اسلئے عام اور معروف معنے لینا جہالت ہے۔ عام اور معروف معنے لینا جہالت نہیں بلکہ جو شخص اس پر اعتراض کرتا ہے۔ وہ خود اپنی جہالت کا ثبوت دیتا ہے۔

افسوس! کہ معترضین کو تمام مفسرین کے مشہور و معروف اور مسلم اصول کا بھی علم نہیں۔ اگر کسی آیت کریمہ کے نزول کا کوئی خاص سبب یا موقع ہو تو وہ آیت اس خاص موقعہ اور محل کے لئے مخصوص نہیں سمجھی جاتی بلکہ وہ اپنے الفاظ کے مفہوم کے جائز دائرہ کے اندر پوری پوری وسعت اور عمومیت رکھتی ہے۔ چنانچہ مفسرین نے اسکے متعلق جو اصل باندھا ہے وہ یہ ہے الاعتبار بعموم اللفظ لا بخصوص السبب یعنی ہر ایک آیت اپنے الفاظ کے عام معنوں میں لیجائیگی جس محل پر وہ پہلی دفعہ نازل ہوئی اس محل و موقعہ میں اسکو محصور نہیں سمجھا جائیگا (ملاحظہ ہو قنوی علی البیضاوی جلد اول ص۱۳۱) اسی طرح روح المعانی جلد ۲ ص۲۹۲ پر لکھا ہے کہ سبب النزول لا یصلح مخصصا فان العبرۃ کما تقرر بعموم اللفظ لا بخصوص السبب یعنے کسی آیت کا سبب نزول اس آیت کی تخصیص نہیں کرتا بلکہ وہ آیت اپنے عام معنوں میں سمجھی جائیگی اور اسکو اس واقعہ کے ساتھ مختص نہیں سمجھا جاویگا۔ جیسا کہ مسلم ہے۔

پس اگر حامیان قتل مرتد کا یہ کہنا درست بھی مان لیا جائے کہ یہ آیات ان یہود کے متعلق ہیں جنہوں نے یہ عہد کیا تھا کہ جب نبی موعود کا ظہور ہوگا تو ہم اس پر ایمان لائیں گے لیکن آنحضور پُر نور کے ظہور قدسی کے وقت وہ منکر ہو گئے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ آیات عام مرتدین پر چسپاں نہیں ہو سکتیں جو اسلام لانے کی بعد کفر اختیار کریں۔

علاوہ ازیں خود ان آیات کا مضمون اسبات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ یہود کیلئے مخصوص نہیں بلکہ عام ہیں ان آیات میں تین گروہوں کا ذکر ہے۔ اوّل وہ جو ارتداد اختیار کرنے کے بعد پھر بھی توبہ کرتے ہیں۔ دوم وہ جو

توبہ نہیں کرتے بلکہ اپنے کفر میں ترقی کرتے جاتے ہیں تیسرے وہ جو ابتدا ہی سے کافر رہتے ہیں۔ یہ ایک عام تقسیم ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ اسکو یہود تک محدود کیا جائے۔ اسی طرح ان آیات سے قبل کی آیت دیکھو وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ کیا یہ آیت صرف یہود کیلئے مخصوص ہے یا سب پر حاوی ہے۔ پھر ان آیات کے مابعد کی آیت پڑھو۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ۔ کیا حامیان قتل مرتد کے نزدیک اس آیت میں صرف یہود ہی مخاطب ہیں؟ جب پہلی آیت اور بعد کی آیت اپنے مفہوم میں عام ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ان دونو آیات کی درمیانی آیات کو باوجود الفاظ کی عمومیت کے صرف یہود کیلئے خاص سمجھا گیا

حامیان قتل مرتد فرماتے ہیں کہ ان آیات کو بسلسلہ ارتداد پیش کرنا ہی قرآن سے انتہا درجہ کے جہل کا ثبوت ہے۔ (زمیندار۔ ۲۰ مارچ ۱۹۲۵ء کالم ۲ صفحہ ۱) ان صاحبان کی دلچسپی کے لئے میں چند خاص خاص تفاسیر سے کچھ اقتباس ذیل میں درج کرتا ہوں تا ان بزرگوں کو دیکھکر حیرت ہو کہ صرف ہم ہی نہیں جنھوں نے بسلسلہ ارتداد پیش کر کے قرآن شریف سے انتہا درجہ کا جہل کا ثبوت دیا ہے بلکہ وہ جو مسلمانوں میں چوٹی کے مفسر شمار کئے جاتے ہیں وہ بھی ہماری طرح اسی انتہا درجہ کے جہل میں مبتلا ہیں:۔

پہلا مفسر جس نے ان آیات کو مرتدین پر چسپاں کر کے بقول[1] مولوی ظفر علیخانصاحب قرآن شریف سے انتہا درجہ کے جہل کا ثبوت دیا ہے روح البیان کا مصنف ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

[1] بقول مولوی ظفر علیخان صاحب

فان قيل ظاهر الاية يقتضي ان من كفر بعد اسلامه لا يهديه الله ومن كان ظالما لا يهديه الله وقد راينا كثيرا من المرتدين اسلموا وهداهم وكثير من الظالمين تابوا عن الظلم قلنا الجواب ان معناه لا يهديهم ما داموا مقيمين على الرغبة في الكفر والثبات عليه ولا يقبلون على الاسلام واما اذا تحروا اصابة الحق۔ والاهتداء بالادلة المنصوبة فحينئذ يهديهم الله بخلق الاهتداء فيهم (روح البیان جلد ۱ صفحہ ۳۴۲)

دوسرا مفسر جس نے بقول مولوی ظفر علی خانصاحب ایسے انتہا درجہ کے جہل کا ثبوت دیا ہے ابن جریر ہے۔ وہ اس آیت کے متعلق لکھتے ہیں:۔

نزلت في اثنا عشر رجلا رجعوا عن الاسلام ولحقوا بقريش ثم كتبوا الى اهلهم هل لنا من توبة فنزلت إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ (ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۲۴۲)

تیسرا مفسر جس نے بقول مولوی ظفر علی خانصاحب قرآن شریف سے ایسے انتہا درجہ کے جہل کا ثبوت دیا ہے ابن کثیر ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

عن عكرمة عن ابن عباس ان قوما اسلموا ثم ارتدوا فارسلوا الى قومهم يسألون لهم

فذکروا ذلک لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنزلت ھذہ الآیۃ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِھِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُھُمْ۔ ھکذا رواہ اسنادہ جید (ابن کثیر بر حاشیہ فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۲۴۹)

چوتھا مفسر جسکو اسی زمرہ میں شامل کرنا چاہیئے بحر المحیط کا مصنف ہے وہ لکھتا ہے :-

او معنی ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا تموا علی کفرھم وبلغوا الموت بہ فیدخل فیہ الیھود والمرتدون قالہ مجاھد وقال نحوہ السدی وقیل نزلت فیمن مات علی الکفر من اصحاب الحارث بن سوید

(بحر المحیط جلد ۲ صفحہ ۵۱۹)

تیسری آیت مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ مِنْ بَعْدِ اِیْمَانِہٖٓ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ وَلٰکِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْکُفْرِ صَدْرًا فَعَلَیْھِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰہِ وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَۃِ وَاَنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ (نحل ع ۱۴) "جو شخص ایمان لائے پیچھے خدا تعالٰی کے ساتھ کفر کرے سو لئے اسکے جو کفر پر مجبور کیا جائے اور اسکا دل ایمان پر مطمئن ہو۔ لیکن ہاں وہ جو جی کھولکر کفر کرے تو ایسے لوگوں پر خدا کا غضب اور انکے لئے سخت عذاب ہے۔ یہ اسوجہ سے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرۃ کے مقابلہ میں پسند کیا اور یہ کہ اللہ ان لوگوں کو جو کفر کرتے ہیں ہدایت نہیں دیا کرتا"

اس آیت کریمہ میں بھی دوسری آیات کیطرح صرف اخروی سزا کا ذکر ہے قتل کی سزا کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ ظفر علی خانصاحب اس آیت کریمہ پر یہ جرح کرتے ہیں کہ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اخروی وعید کے علاوہ اس دنیا میں کوئی اور سزا نہ ملنی چاہیئے۔

اول تو کسی آیت میں بھی قتل کی سزا کا ذکر نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ارتداد کی سزا قتل نہیں ہے لیکن اگر اس آیت پر غور کیا جائے تو صرف یہی ظاہر نہیں ہوتا کہ اسمیں صرف اخروی سزا پر انحصار کیا گیا ہے بلکہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ارتداد کی سزا قتل نہیں ہے کیونکہ

(۱) قتل کی سزا میں اکراہ لازم آتا ہے۔ اور اس آیت کریمہ میں کنایۃً (اور دیگر آیات میں صراحۃً) اکراہ فی الدین کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ اور ایسے لوگوں کو جو تبدیلی عقائد کیوجہ سے لوگوں کو دکھ دیتے ہیں برا کہا گیا ہے۔

(۲) اس آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ عقائد کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ پس اگر ایک انسان قتل کے خوف سے ظاہر میں ایمان کا اقرار بھی کرے مگر دل سے کافر ہو تو ایسے اقرار سے مسلمانوں کو یا خود اس شخص کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟

(۳) ان آیات میں مرتدین پر غضب کیوجہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالٰی فرماتا ہے ذٰلِکَ بِاَنَّھُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَیٰوۃَ

الدنیا علی الاخرۃ یعنی یہ غضب اور یہ عذاب اسلئے ہے کہ انہوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت کے مقابل میں پسند کیا۔ ان الفاظ سے بھی پایا جاتا ہے کہ ارتداد کی سزا قتل نہیں تھی۔ کیونکہ مرتدوں کو اگر فوراً ارتداد کے بعد قتل کر دیا جاتا۔ تو ذٰلک بانھم استحبوا الحیٰوۃ الدنیا علی الاخرۃ والی غرض پوری نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ غرض تو اسی صورت میں پوری ہو سکتی تھی کہ ارتداد کے بعد وہ زندہ رہتے اور انکے قتل کا حکم نہ ہوتا۔

چوتھی آیت - اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ سَبِیْلًا (نساء ع ۲۰) "جو لوگ اسلام لائے اور پھر اسلام سے انکار کر دیا۔ پھر اسلام لائے اور پھر انکار کیا۔ اور پھر اسکے بعد کفر میں بڑھتے گئے تو خدا نہ تو ان کی مغفرت ہی کریگا اور نہ انکو راہِ راست ہی دکھائیگا۔"

اس آیت پر بھی یہی اعتراض کیا گیا ہے کہ اسمیں اگر دنیوی سزا کی صراحت نہیں تو نفی بھی نہیں۔ میں کہتا ہوں یہی تو معرضِ بحث ہے کہ باوجود قرآن کریم میں کئی جگہ مرتدین کا ذکر ہونیکے پھر تمہاری مزعومہ سزا کا کہیں ذکر نہیں۔ اگر یہ سزا ہوتی تو ضرور کسی نہ کسی جگہ اسکا اشارہ ہوتا پس ہماری دلیل یہ ہے کہ ہر جگہ ارتداد کی سزا اُخروی عذاب ہی فرمانا قتل کی نفی ہے۔

دوسرے اس آیت میں دو دفعہ ایمان اور دو دفعہ کفر کا ذکر ہے اور پھر اصرار علی الکفر کا ذکر ہے اگر ارتداد کی سزا قتل ہوتی تو ایسے نظارہ کا مشاہدہ ناممکن تھا۔ قتل کی سزا کی موجودگی میں کسی جماعت یا فرد سے ایسی جرأت کا اظہار نہیں ہو سکتا تھا۔

تیسرے ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا میں ایک لمبی عرصہ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ دو تین دنکی مہلت میں توبہ نہ کرنے پر یہ الفاظ چسپاں نہیں ہو سکتے بلکہ یہ ایک لمبا عرصہ چاہتے ہیں پس اس آیت کے الفاظ یقینی طور پر ظاہر کرتے ہیں کہ کسی کو محض ارتداد کیوجہ سے قتل نہیں کیا جاتا تھا۔

چوتھے اس آیت کے متعلق حسن بصری کا یہ قول ہے کہ انھم طائفۃ من اھل الکتاب ارادوا تشکیک اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وکانوا یظھرون الایمان بحضرتھم ثم یقولون قد عرضت لنا شبھۃ فیکفرون ثم یظھرون ثم یقولون قد عرضت لنا شبھۃ اخرٰی فیکفرون ویستمرون علی الکفر الی الموت وذٰلک معنٰی قولہ تعالٰی :- وقالت طائفۃ من اھل الکتاب الی لعلھم یرجعون (روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۱۹۶) یعنی اس آیت میں جن لوگوں کا ذکر ہے وہ اہل کتاب کی ایک جماعت تھی جنہوں نے صحابہؓ کے دل میں اسلام کے متعلق شک ڈالنا چاہا۔ اسلئے انکے پاس آکر وہ یہ ظاہر کرتے کہ ہم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں۔ پھر بعد میں کہتے کہ ہمارے دل

میں شبہ پیدا ہوگیا ہی اور ارتداد اختیار کرتے۔ پھر آکر ایمان کا اظہار کرتے پھر کہتے کہ ہمارے دل میں اور شبہ پیدا ہوگیا ہی اور پھر اسلام سے انکار کرتے اور پھر اسی انکار پر قائم رہتے یہانتک کہ مرجاتے۔ اور یہی معنی ہیں اس آیت کریمہ کے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہی کہ اہل الکتاب کی ایک جماعت نے کہا کہ اول روز میں قرآن پر ایمان لاؤ اور آخر روز میں انکار کردو تا اس حیلہ سے مسلمان اسلام سے روگردانی کرلیں۔ پس حضرت حسن بصری رض کے اس قول سے بھی ظاہر ہوتا ہی کہ مرتدین کو قتل کی سزا نہیں دیجاتی تھی۔

پانچویں آیت - وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولٰٓئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (بقرہ - ۲۷) "اور یہ کفار تم سے برابر لڑتے ہی رہینگے یہانتک کہ اگر انکا بس چلے تو تم کو تمہارے دین سے برگشتہ کردیں اور جو تم میں سے اپنے دین سے برگشتہ ہوگا اور کفر ہی کی حالت میں مرجائیگا تو ایسے لوگوں کا کیا کرایا دنیا اور آخرت دونوں میں اکارت گیا۔ اور یہی ہیں دوزخی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہینگے۔"

اس آیت کریمہ میں بھی کسی دنیوی سزا کا ذکر نہیں اور یہ نہیں کہا گیا کہ مرتد کو قتل کیا جائیگا۔

اس آیت کریمہ پر ایک مولوی صاحب جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"اس آیت میں بھی فَیَمُت کا لفظ سزائے قتل کا منافی نہیں۔ اسلئے کہ اول تو یہ لفظ موت بالقتل اور موت طبعی دونوں پر یکساں حاوی ہی اور اسکے استعمال سے مقصود یہ معلوم ہوتا ہی کہ عام مرتدین کے ساتھ ساتھ ان مرتدین کے متعلق بھی صراحت کردیجائے جو ارتداد اختیار کرتے ہی ہیئت حاکمہ اسلام کے دائرۂ اثر و اقتدار سے باہر نکل جائیں اور اسلامی حکومت کا محکمہ قضا ان پر حد جاری نہ کرسکے۔ اسکے علاوہ یہ آیت ان مرتدین کی حالت پر بھی منطبق ہوتی ہی جو کسی غیر مسلم حکومت کے ماتحت ہونیکے باعث شرعی سزائے قتل سے محفوظ رہتے ہیں"

اس اقتباس میں اس آیت کریمہ کے سزائے قتل کے منافی نہونیکے دو وجوہات لکھتے ہیں۔ اول یہ اس میں **موت** کا لفظ استعمال کیا گیا ہی جو قتل اور طبعی موت دونوں پر حاوی ہے اور یہ مشترک لفظ اس لئے استعمال کیا گیا ہی کہ عام **مرتدین** کے ساتھ ساتھ ان مرتدین کے متعلق بھی صراحت کردیجائے جو اسلامی سلطنت سے بھاگ جانے کے باعث سزائے قتل سے محفوظ ہوجاتے ہیں۔ "عام مرتدین" سے مولوی صاحب کی مراد وہ مرتدین ہیں جنکو قتل کی سزا دیجائیگی۔ مگر میں مولوی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ بقول آپ کے **موت** کا لفظ رکھکر استثنائی مرتدین کی تو تشریح کردیگئی۔ مگر عام حکم کی بھی صراحت ہونی چاہئے تھی جس کے ساتھ ساتھ اس استثنائی ممو

کی وضاحت کیگئی ہے وہ کہاں ہے؟ عام مرتدین کے متعلق تو قتل کی سزا تھی اور ایسے احکام کسی قانون کی کتاب میں ذو معنی الفاظ میں کبھی نہیں دیئے جاتے۔ اول ضرورت تو عام قاعدہ کی تھی کہ مرتد کو قتل کر دو۔ اس حکم کی صراحت نہیں کیگئی اور بقول آپ کے استثنار کی صراحت کردیگئی ہے۔ مولویصاحب! یہ تو استثناء ایسا نہیں تھا۔ جسکے ذکر کی بھی ضرورت ہوتی۔ کیونکہ جسکو ذرا بھی عقل ہو وہ سمجھ سکتا ہے کہ جو شخص ارتداد اختیار کرتے ہی حیثیت حاکم اسلام کے دائرہ اثر و اقتدار سے باہر نکل جائے اور اسلامی حکومت کا محکمہ قضا اس پر حد جاری نہ کر سکے ایسا شخص قتل سے محفوظ ہو جائیگا۔ پس اس امر کے سمجھانیکے لئے یہ ضرورت نہ تھی کہ قتل کا لفظ چھوڑ کر موت کا لفظ استعمال کیا جاتا۔ اور قتل کے حکم کو ایسا مخفی کر دیا جاتا کہ سوائے مولوی ظفر علیخانصاحب کے دماغ کے اسکو کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا۔

اگر اس آیت میں یہی منشار تھا کہ قتل اور طبعی موت دونوں صورتوں کی صراحت کر دیجائے تو اسجگہ بھی وہی طریق اختیار کیا جاتا جو ایسی موقعوں پر قرآن شریف میں دوسرے مقامات میں اختیار کیا گیا ہے نہ یہ کہ ایک غیر ضروری استثنار کی وضاحت کیلئے عام اور ضروری حکم کو اخفار کے ایسے پردے میں چھپا دیا جاتا کہ کبھی بھی کسی انسان کی عقل وہاں تک نہ پہنچ سکتی۔ اگر قتل اور طبعی موت دونوں صورتوں کے بیان کی ضرورت پیش آئے تو قرآن دونوں صورتوں کے اظہار کے لئے ایسا نہیں کرتا کہ قتل اور موت کیلئے صرف موت کا ہی لفظ استعمال کرے بلکہ دونو لفظوں کو الگ الگ استعمال فرماکر صحیح مفہوم کو واضح فرماتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورہ آل عمران میں فرماتا ہے۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ، قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ۔ اگر محض موت کے لفظ میں دونو مفہوم موجود تھے اور دونو کی صراحت کیلئے یہی ایک لفظ کافی تھا تو پھر قُتِلَ کا لفظ بلا وجہ کیوں بڑھایا گیا؟

پھر قتل کے لفظ کی جگہ موت کا (لفظ) اختیار کرنے کی دوسری حکمت مولوی صاحب یہ بیان فرماتے ہیں کہ "تا یہ آیت ان مرتدین کی حالت پر بھی منطبق ہو جائے" جو کسی غیر مسلم حکومت کے ماتحت ہونیکے باعث شرعی سزائے قتل سے محفوظ رہتے ہیں۔ مثلاً جس طرح آجکل ہندوستان کے حلقۂ ارتداد کے مرتدین محفوظ و مصئون ہیں۔

مولوی صاحب! اس آیت کریمہ کو پھر نظر اٹھا کر دوبارہ پڑھیں اور بتائیں کہ اسمیں اول مخاطب کون لوگ ہیں؟ کیا وہ جو اسلامی حکومت میں بود و باش رکھتے تھے یا وہ جو ہندوستان یا چین میں سکونت رکھتے تھے؟ جب اول مخاطب وہ لوگ تھے جنمیں سے ارتداد اختیار کرنیوالے پر بقول مولویصاحب قتل کی سزا جاری کرنی چاہیئے تھی تو پھر کیا وجہ ہے کہ قتل کے حکم کی تو صراحت نہ کیگئی ہے جس کی وضاحت کی سب سے

پہلے ضرورت تھی۔ اور ہندوستان کے حلقۂ ارتداد کے ملکانوںکے متعلق وضاحت کردیگئی کہ انکو قتل نہیں کیا جائیگا۔ یہ تو ایسا مسئلہ تھا کہ اس کی نسبت دیوبند کا ایک ادنیٰ درجہ کا مولوی بھی نہایت آسانی سے اجتہاد اور قیاس کرسکتا تھا۔ اصل ضرورت تو عام مرتدین کے متعلق فیصلہ سنانے کی تھی اسکی تو وضاحت نہ کیگئی اور استثنائی صورتوں پر زور دیا گیا۔

مولوی صاحب! آپ اِدہر اُدہر کیوں ہاتھ پاؤں مارتے ہیں؟ کیوں ایک آیت قرآنی کے صاف مفہوم سے بچاؤ ڈھونڈھنے کیلئے اسکو بلا ضرورت استثنائی صورتوں پر چسپاں کرنیکی کوشش کرتے ہیں؟ کیوں دیانتداری سے صاف طور پر اقرار نہیں کرلیتے کہ یہ آیت سب مرتدین کے متعلق ہے اور فَیَمُتْ کا لفظ اور صرف اخروی سزا کا ذکر صاف طور پر بتلا رہے ہیں کہ مرتد کی سزا قتل نہیں ہے۔ یہ آیت بطور ایک تحذیر کے نازل ہوئی ہے۔ اور اگر مرتد کیلئے قتل کی سزا مقرر ہوتی تو یہاں اسکے ذکر کا عین محل تھا۔ مگر اس موقع پر اس سزا کا ذکر نہ ہونا صاف بتاتا ہے کہ اسلام میں ارتداد کی سزا قتل نہیں ہے۔ دیکھو صاحب روح البیان اس آیت کریمہ کے متعلق کیا لکھتے ہیں:-

هو تحذير من الارتداد وفيه ترغيب في الرجوع الى الاسلام بعد الارتداد الى حين الموت (روح البیان جلد ۱ صفحہ ۲۲۲)" اس آیت میں ارتداد سے ڈرایا گیا ہے۔ نیز اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ وہ ارتداد سے رجوع کرکے پھر اسلام کی طرف لوٹ آویں اور یہ موقعہ انکو آخری دم تک حاصل ہے"

نہایت تعجب کی بات ہے کہ رحیم کریم خدا تو مرتدین کو زندگی بھر کی مہلت دے تا وہ ارتداد سے رجوع کرکے اسلام قبول کرلیں اور اسطرح اخروی عذاب سے کسی طرح بچ جاویں۔ لیکن ہمارے علماء میں سے بعض تو یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ انہیں فوراً قتل کردیا جائے ایک دم مہلت کی بھی ضرورت نہیں۔ اور بعض زیادہ سے زیادہ تین دن کی مہلت دینے پر بڑی مشکل سے راضی ہوتے ہیں۔

مولویصاحب کا عقیدہ خواہ کچھ ہی ہو مگر قرآن شریف کی آیات پر جب انہوں نے جرح کی ہے تو اپنے ضمیر اور کانشنس کو عمداً بالائے طاق رکھکر صرف اپنی قلم کے زور سے سفید کو سیاہ ثابت کرنیکی کوشش کی ہے خود ان کا قلب جانتا تھا کہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں صرف میری سینہ زوری ہے۔ اور ایسے موقعہ پر ضروری ہے کہ انسان سے کسی وقت سچ بھی نکل جائے کیونکہ عمداً غلط بیانی کیجائے تو اسکو پوری طور پر نباہنا مشکل ہوتا ہے اور ایسے لوگوں کا حافظہ بہت کمزور ہوتا ہے۔ انکو یاد نہیں رہتا کہ ابھی ہم کیا کہہ آئے ہیں۔ چنانچہ اسی آیت پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے اپنی عدم حافظہ کا عجیب ثبوت دیا ہے۔ اس موقعہ پر انہوں نے ارتداد کے متعلق تین آیات پر جرح کی ہے اور آیت زیر بحث اس سلسلہ میں آخری آیت ہے جسکے متعلق انہوں نے اپنی

ضمیر کے خلاف اس امر پر زور دیا ہے کہ یہاں فیمت کے معنے عام مرتدین کیلئے قتل کے ہی ہیں۔ لیکن جونہی وہ اس آیت پر اپنی بحث کو ختم کر چکتے ہیں انکے سارے دلائل فوراً انکے حافظہ سے نکل جاتے ہیں اور جو کچھ تکلف سے انہوں نے ثابت کرنا چاہا تھا وہ سب انکے فراموش ہو جاتا ہے اور ان تینوں آیات پر بحث ختم کرنیکے بعد پہلی بات جو انکی قلم سے نکل جاتی ہے وہ یہ ہے :-

"بلا شبہ ان تینوں آیات قرآنی میں سزائے قتل کا کوئی ذکر نہیں۔"

مولویصاحب! آپ بھول گئے۔ تیسری آیت میں تو ضرور سزائے قتل کا ذکر ہے کیونکہ آپ نے بڑی کوشش سے یہ ثابت کرنا چاہا تھا کہ یہاں عام مرتدین کیلئے موت کے معنے طبعی موت نہیں بلکہ قتل کے ہیں اور آپ نے بڑی حکمتیں بیان فرمائی تھیں کہ یہاں خداتعالیٰ نے بجائے قتل کے موت کا لفظ کیوں اختیار کیا؟

مولویصاحب! حافظہ نباشد والی بات سچ ہے میں نے یونہی آپکے اس دعویٰ کی تردید کی کوشش کی۔ آپنے تو خود ہی اپنے سارے لکھے لکھائے پر خط نسخ کھینچدیا تھا کہ "بلا شبہ ان تینوں آیات قرآنی میں سزائے قتل کا کوئی ذکر نہیں۔"

قرآن شریف کی جن تین آیات کی نسبت مولوی ظفر علی خانصاحب اعتراف کرتے ہیں کہ "بلا شبہ ان تینوں آیات قرآنی میں سزائے قتل کا کوئی ذکر نہیں" انہی میں سے تیسری آیت میں سے جس پر میں ابھی بحث کر چکا ہوں۔ ایک دیوبندی مولویصاحب اخبار زمیندار مورخہ ۵۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء میں اپنی منطق کے زور سے اس امر کا ثبوت پیش کرتے ہیں کہ مرتد کی سزا قتل ہے۔ پہلے مولوی صاحب نے تو نعت سے قتل مرتد کا ثبوت نکالا تھا مگر ان دوسرے مولویصاحب نے اس سے بھی زیادہ کمال دکھایا ہے۔ انہوں نے اس آیت کے ایک ایسے ٹکڑے سے قتل کا حکم نکالا ہے جہاں کسی دوسرے شخص کے وہم میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ یہاں سے بھی قتل کا حکم نکالا جاسکتا ہے۔ "فاولٰئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والاٰخرۃ" ناظرین تعجب کریں گے کہ ان الفاظ سے قتل کا حکم کس طرح مستنبط ہو سکتا ہے۔ مگر جن مولویصاحب کا میں ذکر کر رہا ہوں وہ تو فرماتے ہیں کہ حبط اعمال کے بجز قتل کے کوئی اور معنے ہو ہی نہیں سکتے۔ مولویصاحب موصوف لکھتے ہیں کہ :-

"فی الدنیا سے ضرور یہ مفہوم نکلا کہ مرتد کے اعمال جنکو وہ دنیا میں کرتا ہے سب کے سب ارتداد کیوجہ سے باطل ہونگے اور اعمال دنیویہ کے بطلان کا امکان اسوقت تک نہیں ہو سکتا جسوقت تک کہ اسکا بدن جو کہ مبدء اعمال دنیویہ ہے موجود ہے۔ لہذا حبط فی الدنیا کی سزا کے معنے بجز اعدام کے کچھ نہیں ہو سکتے۔"

مجھے اس عجیب غریب تفسیر پر جرح کرنیکی کوئی ضرورت نہیں صرف مولویصاحب سے اتنا پوچھتا ہوں کہ اگر

آپکے معنے درست ہیں تو کیا ان سب لوگوں کو جن کے حبط اعمال کا ذکر قرآن شریف کی آیات میں پایا جاتا ہے بموجب نص قرآن سنگسار کرنا چاہیئے؟ مولوی صاحب کیا فتویٰ دیتے ہیں ایسے لوگوں کے بارہ میں جنکا ذکر قرآن شریف کی مندرجہ ذیل آیات میں ہے:-

(۱) وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔ (مائدہ ع ۱)
اور جو ایمان کی باتوں کو نہ مانے تو اسکا کیا کرایا اکارت ہے اور آخرت میں بھی وہ نقصان اٹھانیوالوں میں سے ہوگا۔

(۲) وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (مائدہ ع ۱۰) اور اگر یہ لوگ شرک کرتے تو انکا سارا کیا کرایا ان سے ضائع ہو جاتا۔

(۳) مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔
(ہود ع ۲) جنکا مطلب دنیا کی زندگی اور دنیاوی رونق ہوتی ہے ہم انکا بدلہ یہیں دنیا میں انکو پورا پورا دیدیتے ہیں اور وہ دنیا میں کسی طرح گھاٹے میں نہیں رہتے لیکن یہ وہ لوگ ہیں جن کیلئے آخرت میں دوزخ کے سوا اور کچھ نہیں اور انکے دنیا کے عمل سب اکارت گئے۔ اور انکا کیا کرایا سب لغو۔

(۴) وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ (مائدہ ع ۸) اور جب (مسلمانوں پر منافقوں کا نفاق کھل جائیگا تو) مسلمان (انکے حال پر افسوس کر کے آپس میں) کہینگے کہ کیا یہ وہی لوگ ہیں جو بڑے زور سے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے اور ہم سے کہا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ انکا سارا کیا کرایا اکارت ہوا اور وہ نقصان میں آگئے

(۵) وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ
(اعراف ع ۱۷) اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو اور لقاء آخرت کو نہ مانا انکا کیا کرایا سب اکارت۔ یہ سزا انکو انہی کے اعمال کی

(۶) مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ
اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ (توبہ ع ۳) مشرکوں کو کوئی حق نہیں کہ اللہ کی مسجدیں آباد رکھیں اور اپنے اوپر کفر کی گواہی بھی دیتے جاویں۔ یہی لوگ ہیں جنکا کیا کرایا سب اکارت ہوا اور یہی لوگ ہمیشہ دوزخ

(۷) اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (توبہ ع ۹)
منافقوں کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہی وہ لوگ ہیں جنکا کیا کرایا سب اکارت ہوگیا دنیا اور آخرت میں اور یہی لوگ ہیں نقصان پانے والے ہیں

(۸) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا (کہف ع ۱۲) یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں اور اسکی ملاقات کو نہ مانا

تو انکا سب کیا کرایا اکارت ہوگیا۔ تو ہم انکے لئے قیامت کے دن کوئی تول قائم نہ کرینگے۔

(۹) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (الحجرات ۱۶) "مسلمانو! اپنی آوازوں کو پیغمبرؐ کی آواز سے اونچا نہ ہونے دو۔ اور نہ اسکے ساتھ بہت زور سے بات کرو جیسا کہ تم ایک سے ایک آپس میں زور سے بولا کرتے ہو۔ تا ایسا نہو کہ تمہارا کیا کرایا سب اکارت ہو جائے اور تم کو خبر بھی نہو۔"

(۱۰) اُولٰٓئِکَ لَمْ یُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰہُ اَعْمَالَھُمْ (احزاب ۲۶) "یہ لوگ ایمان لائے ہی نہیں تو اللہ تعالیٰ نے انکے عمل اکارت کر دیئے۔"

(۱۱) ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَرِھُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَھُمْ (محمد ع ۱) "یہ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے اس کلام کو جو خدا تعالیٰ نے اتارا ناپسند کیا۔ سو خدا تعالیٰ نے انکے عمل اکارت کر دیئے۔

چھٹی آیت۔ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَۃَ الَّتِیْ کُنْتَ عَلَیْھَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ

الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْہِ (بقرہ ۱۷۶) اور اے پیغمبرؐ! جس قبلہ پر تم (پہلے) تھے (یعنی بیت المقدس) یا جس قبلہ پر تم ہو (یعنی کعبہ) ہم نے اسکو اس غرض سے مقرر کیا تھا تا ہم ظاہر کریں کہ کون رسولؐ کی پیروی کرتا ہے اور کون ہے جو اپنے پاؤں پھر جاتا ہے۔

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ جبتک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہے اور مدینہ میں ہجرت کے بعد قریباً ڈیڑھ سال تک مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس رہا۔ یعنی نمازیں بیت المقدس کی طرف منہ کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد بیت المقدس کی بجائے مکہ معظمہ قبلہ مقرر کیا گیا۔ یہ دونو قبلے بطور ابتلا کے تھے۔ مکہ میں کوئی یہودی نہیں تھا اور مکہ کے لوگ کعبہ کی عزت کرتے تھے اور نسلاً بعد نسل اسکو اپنا دینی مرکز سمجھتے تھے۔ اور ان کے لئے یہ بہت مشکل تھا کہ کعبہ کو چھوڑ کر وہ بیت المقدس کو جو یہود کا قبلہ تھا اپنا قبلہ قرار دیں اور صرف ایسے ہی لوگ کعبہ کو چھوڑ کر بیت المقدس کی طرف منہ پھیر سکتے تھے جو سچے دل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کرنیکے لئے تیار تھے۔ خواہ وہ انکے طبعی میلان اور انکی روایات اور مذہبی جذبات کے کیسے ہی خلاف کیوں نہ ہو۔ اسلئے مکہ میں اہل مکہ کے لئے بیت المقدس کا قبلہ ایک امتحان تھا۔ اور اس امتحان میں وہی پاس ہو سکتے تھے جو مخلص مومن ہوتے تھے۔ لیکن جب مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حالات بالکل اسکے خلاف تھے۔ یہاں یہود کی قومیں آباد تھیں جو بیت المقدس کو اپنا قبلہ سمجھتی تھیں اور انکے لئے بیت المقدس سے منہ موڑ کر کعبہ کی طرف منہ کرنا ایک موت تھی۔ مگر بیت المقدس کیطرف منہ کرنا میں انکی مرضی اور خواہش کے مطابق تھا۔ اور اسکی طرف مسلمانوں کیساتھ مل کر منہ کرنا انکے لئے چنداں دشوار نہ تھا اور بہت سے یہودی

منافقانہ طور پر مسلمانوں میں ملنی شروع ہو گئے اور اپنے آپکو مسلمان ظاہر کرنا شروع کیا ایسے لوگوں کے امتحان کے لئے اور منافقوں اور کمزوروں کو مخلصین کی جماعت سے الگ کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام کیا کہ بیت المقدس جو چودہ پندرہ سال تک مسلمانوں کا قبلہ مقرر تھا اسکو ترک کرنے کا حکم دیا۔ پس یہ دونو قبلے بطور ابتلاء کے مقرر کئے گئے۔ اور اس ابتلاء کی غرض اللہ تعالیٰ یہ بیان فرماتا ہے لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیہ تا ہم یہ ظاہر کر دیں کہ رسول کا سچا متبع کون ہے اور کون اپنی ایڑیوں پر واپس لوٹ جاتا ہے۔

پس اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں سچا ایمان نہیں ہے اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں وہ اسلام میں سے نکل جائیں اور مسلمانوں کی جماعت میں صرف مخلصین کا گروہ باقی رہے۔ اور اللہ تعالیٰ خود ایسے سامان پیدا کرتا ہے جس کی رو سے کچے لوگ مسلمانوں میں سے نکل جائیں اور اسلام کو چھوڑ دیں۔ غرض خدا تعالیٰ تو یہ چاہتا ہے کہ جو لوگ ارتداد اختیار کرنا چاہیں وہ بڑی خوشی سے مرتد ہو کر اسلام سے الگ ہو جاویں یہی خدا تعالیٰ کا منشاء ہے تا اسلام خس کم جہاں پاک کا مصداق ہو مگر قتل مرتد کے حامی اسلام کیطرف ایسی تعلیم پیش کرتے ہیں جس کا نتیجہ اسکے بالکل برعکس ہے یعنی یہ کہ جھوٹے اور بے ایمان لوگ اسلام کے اندر ہی شامل رہیں اور وہ کبھی اسلام کو نہ چھوڑیں۔ پس ایسی تعلیم اس خدائے قدوس کی نہیں ہو سکتی ہے جو چاہتا ہے کہ ایسے لوگ اسلام میں سے نکل جائیں اور خود انکے نکالنے اور اسلام سے خارج کرنیکے سامان پیدا کرتا ہے۔

تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ تحویل قبلہ کے موقعہ پر جو اللہ تعالیٰ کا اس حکم سے منشاء تھا وہ پورا ہوا اور بہت سے لوگ اسلام سے مرتد ہو گئے۔ تفسیر ابن جریر جلد ۲ صفحہ ۳ میں لکھا ہے:۔

"حتی ارتد فیما ذکر رجال ممن کان قد اسلم"

پھر اسی تفسیر کے صفحہ ۹ پر لکھا ہے:۔

"قال ابن جریج بلغنی ان ناسا ممن اسلم رجعوا فقالوا مرۃ ھھنا و مرۃ ھھنا" (ابن جریر جلد ۲ صفحہ ۹)

مگر اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ ان مرتدین کو قتل کی سزا دیگئی؟ پس یہ آیت بھی اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ مرتدین کی سزا اسلام میں قتل نہیں ہے۔

ساتویں آیت ۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ

عَلِیْمٌ (مائدہ ع ۸) مسلمانو! تم میں سے اگر کوئی اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ (اسکے بدلے میں تم میں ایسی قوم لے آئیگا جن کو وہ دوست رکھتا ہوگا اور اسکو وہ دوست رکھتے ہوں گے مسلمانوں کے ساتھ نرم کافروں کے ساتھ کڑے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوشش کرنیوالے ہونگے اور کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت کا کچھ پاک نہیں رکھیں گے۔ یہ خدا کا فضل ہے جسکو چاہے دے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور بڑا جاننے والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ مومنوں کو بشارت دیتا ہے کہ اگر کوئی بدقسمت تم میں سے مرتد ہو جائے تو تمہیں فکرمند نہیں ہونا چاہیئے بلکہ تمہیں خوش ہونا چاہیئے کیونکہ اگر ایک تم میں سے ارتداد اختیار کرکے جماعت اسلامی سے نکلیگا تو اسکے عوض میں اللہ تعالیٰ مخلص اور مجاہد مومنین کی ایک جماعت لائیگا۔

یہ آیت کریمہ مدینہ میں اتری جہاں کہ اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو یہ نہیں کہتا کہ اگر تم میں سے کوئی ارتداد اختیار کرے تو تمہیں ایسے شخص کو مجبور کرنا چاہیئے کہ وہ اسلام میں ہی رہے۔ اور اگر وہ اسلام میں داخل ہونے سے انکار کرے تو اسے قتل کر دینا چاہیئے۔ بلکہ فرماتا ہے کہ ایسے موقعہ پر تمہیں کچھ غم نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ یہ شخص اسلام کو چھوڑتا ہے۔ اگر وہ اسلام کو چھوڑنا چاہتا ہے تو اسے چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ ایک ارتداد کرنیوالے کے بدلے میں ایک جماعت تمہیں دیگا۔

جب یہ صورت تھی تو مسلمانوں کو کیا ضرورت تھی کہ مرتدین کو مجبور کریں کہ وہ اسلام میں دوبارہ داخل ہوں اور مسلمانوں کی جماعت میں ایک منافق کا اضافہ کرکے خدا کے اس فضل کو روکیں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اسلامی جماعت میں ایک مخلص قوم کا اضافہ کرنا تھا۔ پس اس آیت کریمہ کا مفہوم بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانوں کو یہ حکم نہیں ہے کہ وہ قتل کی دھمکی دیکر لوگوں کو ارتداد سے روکیں اور ارتداد اختیار کرنے والوں کو قتل کر دیں۔

آٹھویں آیت۔ وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ (بقرہ ع ۱۳) مسلمانو! اکثر اہل کتاب باوجودیکہ ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے پھر بھی اپنی دلی حسد کیوجہ سے چاہتے ہیں کہ تمہارے ایمان لانے کے پیچھے پھر تم کو کافر بنا دیں۔

اس آیت کریمہ میں بھی یہ موقعہ تھا کہ مسلمانوں کو ڈرایا جاتا کہ اگر تم یہود کے بہکانے سے اسلام سے پھر گئے تو تمہیں قتل کی سزا دیجائیگی مگر یہاں کسی ایسی سزا کا ذکر نہیں۔ علاوہ ازیں یہود کا حسد کیوجہ سے یہ خواہش کرنا کہ کسی طرح مسلمان اپنے دین کو چھوڑ کر اپنا پہلا کفر اختیار کرلیں یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس طرح دین کے چھوڑنے والوں کو کوئی سزا نہیں دیجاتی ہے۔

علاوہ ازیں اگر ارتداد کی سزا قتل ہوتی تو اللہ تعالیٰ یہ فرماتا کہ یہود تمہارے دشمن ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں

مرتد بنا کر قتل کرادیں پس اس آیت کریمہ کا مفہوم بھی اسی امر پر دال ہے کہ مرتدین کو قتل نہیں کیا جاتا تھا۔

نویں آیت - وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا (آل عمران ع ۹) اور جو

اپنے ایڑیوں کے بل کفر کی طرف لوٹ جائیگا تو وہ خدا کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکیگا۔

یہ آیت کریمہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ مرتد کو قتل نہیں کیا جائیگا۔ کیونکہ اول تو یہاں باوجود موقعہ ہونیکے کسی ایسی سزا کا ذکر نہیں کیا گیا۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ایسا شخص خدا کا یعنے اسلام اور مسلمانوں کا کچھ بگاڑ نہیں سکیگا ظاہر کرتا ہے کہ ارتداد کی سزا قتل نہیں تھی کیونکہ اگر ایک شخص نے مرتد ہوتے ہی قتل کیا جاتا تھا تو پھر بگاڑ نیکا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا تھا جس نے فوراً قتل ہو جانا ہو وہ کسی کا کیا بگاڑ سکتا ہے ؟

دسویں آیت - وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ (بقرہ ع ۱۳) اور جو ایمان کے بدلے کفر اختیار کرے تو وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا۔

یہاں بھی اس بات کا موقعہ تھا کہ اگر ارتداد کی کوئی دنیوی سزا تھی تو اسکا ذکر کیا جاتا۔ یہاں صرف اتنا ہی بتایا گیا ہے کہ ایسا شخص سیدھے راستے سے بھٹک جاتا ہے اور یہ ایسی چیز ہے جس کیلئے صرف اخروی سزا ہوسکتی ہے۔ جو شخص سیدھے راستے سے بھٹک جائے اسکو قتل نہیں کر دیتے بلکہ وہ اپنی غلطی کا خمیازہ آخرت میں بھگتتا ہے۔ صرف راستہ سے بھٹک جانا ایسا فعل نہیں جسکے لئے انسانی فطرت قتل کی سزا تجویز کرے۔ ایک معمولی فطرت کا انسان بھی اس سے کراہت کریگا کہ کسی شخص کو محض صحیح راستہ سے بہک جانیکی وجہ سے قتل کر دیا جائے۔ چہ جائیکہ اسلام جیسے پاکیزہ اور مطہر مذہب کے متعلق یہ خیال کیا جائے کہ وہ ایسے فعل کیلئے قتل کا حکم دیتا ہے۔ پس یہ آیت کریمہ بھی دوسری آیات قرآنی کیطرح اس اتہام کو بے بنیاد ثابت کرتی ہے کہ ارتداد کی سزا اسلام میں قتل ہے۔

حامیانِ قتلِ مرتد کے دلائل پر نظر

اب ہم قرآن شریف کی تعلیم کے مختلف پہلوؤں پر نظر کر چکے ہیں اور دیکھ چکے ہیں کہ قرآن شریف اول سے لیکر آخر تک ضمیر کی آزادی کے اصول کو قائم رکھتا ہے اور کسی قسم کے جبر و اکراہ کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلامی تعلیم کے محل میں ہم مختلف دروازوں سے داخل ہو چکے ہیں اور اسکے ایک ایک کونہ کو دیکھا ہے کہیں بھی قتل مرتد کی تعلیم کی ذرہ بھر بھی تائید نہیں پائی جاتی۔ برخلاف اسکے ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تعلیم قرآن شریف کی تعلیم کے بالکل خلاف ہے اور ایسی تعلیم کو قرآن جیسی کتاب کی طرف منسوب کرنا ایک ظلم عظیم ہے۔

مولوی شبیر احمد صاحب کی پیش کردہ آیت

اب مناسب ہے کہ حامیانِ قتل مرتد کے دلائل کو بھی دیکھا جائے کہ انہیں کہاں تک صحت اور درستی پائی جاتی ہے۔ سب سے پہلے میں مولوی شبیر احمد صاحب دیوبندی کے دعویٰ کو لیتا ہوں۔ وہ اپنے ایک رسالہ "الشہاب" میں لکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں بہت سی آیات ہیں جو مرتد کے قتل پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن ایک آیت کریمہ میں قتل مرتد کا حکم نہایت تصریح اور ایضاح کے ساتھ پایا جاتا ہے اور وہ آیت یہ ہے۔ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ جس کا ترجمہ مولوی صاحب اسطرح پر کرتے ہیں:

"اے قوم بنی اسرائیل! تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ تو اب خدا کی طرف رجوع کرو پھر اپنے آدمیوں کو قتل کرو۔"

اور مولوی صاحب اس آیت کی تفسیر اسطرح پر کرتے ہیں کہ قوم میں سے جن لوگوں نے بچھڑے کو نہیں پوجا تھا انمیں سے ہر ایک نے اپنے اس عزیز و قریب کو جس نے گوسالہ پرستی کی تھی اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ اور اس آیت کریمہ سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ چونکہ گوسالہ پرست مرتد ہو گئے تھے اسلئے انپر گوسالہ پرستی کے جرم میں یہ حد جاری کی گئی کہ ان کو قتل کر دیا گیا اور قرون خالیہ کے جن احکام و شرائع کو قرآن نے نقل کیا انکی پیروی و اتباع ہمارے لئے ضروری ہے جبتک کہ خاص طور پر ہمارے پیغمبر یا ہماری کتاب اس حکم سے ہم کو علیحدہ نہ کردیں اس لئے ضروری ہے کہ ہم بھی اس واقعہ سے سبق حاصل کر کے مرتدین کو قتل کر دیا کریں۔

پھر ساتھ ہی مولوی شبیر احمد صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان مقتولین نے قتل سے پہلے توبہ بھی کی تھی۔ اور اسکی تائید میں یہ آیت پیش کرتے ہیں۔ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ مگر ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ اگرچہ وہ تائب بھی

ہوگئے مگر باوجود توبہ کے انکو قتل کر دیا گیا۔ فرماتے ہیں کہ ان مقتولین کی تعداد ہزاروں سے کم نہیں تھی اور انکو محض ارتداد کے جرم میں نہایت اہانت اور ذلت کیساتھ قتل کیا گیا اور توبہ بھی انکو خدائی سزا سے محفوظ نہ کرسکی۔ مولویصاحب کے نزدیک تو وہ لوگ تھے جو بنی اسرائیل میں سے اس گوسالہ پرستی میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ لیکن جو لوگ شریک ہوئے تھے انمیں سے ایک متنفس کو بھی زندہ نہ چھوڑا گیا اور باوجود توبہ کے سب کو ایک ہی دن میں قتل کر دیا گیا۔ نہیں نہیں۔ میں بھول گیا ایک کو چھوڑ دیا گیا یعنے سامری کو۔ باوجودیکہ وہ اس گوسالہ پرستی کا بانی مبانی تھا قتل نہ کیا گیا۔ بلکہ اسکو بجائے قتل کے بلائے کاٹ کی سزا دیگئی۔ غالباً اسلئے کہ دوسرے تائب ہوگئے تھے اور یہ تائب نہیں ہوا تھا۔

مولویصاحب کی اس تفسیر پر پہلے تمہید سوال کرتا ہوں کہ مولوی صاحب کو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ گوسالہ پرستوں کو قتل کرنیکا حکم ان لوگوں کو دیا گیا جو گوسالہ پرستی میں شریک نہیں تھے؟ یہ انکو کس طرح معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کے کیمپ میں دو گروہ تھے ایک وہ جو گوسالہ پرستی میں شریک ہوئے اور ایک وہ جو اس سے مجتنب رہے؟ ایسے گروہ کا نہ تو قرآن شریف سے پتہ چلتا ہے نہ بائبل سے۔ پس اگر مولوی صاحب اپنی تفسیر اور اپنی استدلال کو صحیح ثابت کرنا چاہتے ہیں تو انکا یہ فرض ہے کہ پہلے یہ ثابت کریں کہ جس گروہ کو قتل کی سزا سے مستثنیٰ کیا گیا تھا اور جن کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ گوسالہ پرستوں کو قتل کردیں وہ اس شرک میں شریک نہیں ہوئے تھے؟ جبتک مولوی صاحب اس گروہ کے وجود کا یقینی اور قطعی ثبوت پیش نہیں کرینگے انکی تفسیر اس قابل نہیں کہ اسکی طرف توجہ کیجاوے۔ اور انکا استدلال سراسر باطل ہے۔

دور جانیکی ضرورت نہیں خود وہ آیت جس سے انہوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ ہر ایک گوسالہ پرست کو قتل کیا گیا تھا اور صرف انہی لوگونکو مستثنے کیا گیا تھا جو گوسالہ پرستی میں شامل نہیں ہوئے تھے انکے معنونکو رد کررہی ہے۔ کیونکہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حکم انہی لوگوں کو دیا گیا تھا جو گوسالہ پرستی کے مرتکب ہوئے تھے اور وہی لوگ اس حکم کے مخاطب تھے۔ مولویصاحب نے استدلال کرتے وقت آیت کے الفاظ کو نظرانداز کر دیا ہے۔ اللہ تو ان لوگوں پر جنکو فاقتلوا انفسکم کا حکم دیتا ہے یہ جرم لگاتا ہے انکم ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل۔ مگر مولویصاحب فرماتے ہیں کہ فاقتلوا انفسکم کا حکم ان لوگونکو دیا گیا تھا جنہوں نے اتخاذ عجل کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔ اب مولویصاحب فرمائیں کہ ہم کسکو سچا سمجھیں۔ اللہ تعالیٰ کو یا مولوی صاحب کو؟

غرض اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ گوسالہ پرستی کے وقت بنی اسرائیل کے دو گروہ ہوگئے تھے۔ ایک وہ جو اس فعل میں شریک ہوگئے تھے اور دوسرے وہ جنہوں نے اس سے اجتناب کیا۔ تب بھی مولوی صاحب کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ کیونکہ جس آیت میں قتل کرنیکا حکم دیا گیا ہے اسمیں وہی لوگ مخاطب ہیں جو اس کارروائی میں شریک ہوئے تھے۔

پس مولوی صاحب کی یہ تفسیر کہ قاتلین وہ لوگ تھے جو اس فعل میں شریک نہیں ہوئے تھے خود آیت قرآنی کی رو سے غلط ٹھہرتی ہے اسلئے ان کا استدلال بھی باطل ٹھہرتا ہے۔ جب قاتل بھی گوسالہ پرستی میں شریک تھے تو انکو کیوں قتل نہ کیا گیا؟

اگر تھوڑی دیر کے لئے مولوی صاحب کی پیش کردہ تفسیر کو صحیح بھی مان لیا جاوے تب بھی مسئلہ ارتداد کے متعلق اس سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ خود مولوی شبیر احمد صاحب قتل مرتد کے مسئلہ کو مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:۔

"مرتد کو اولاً سمجھاؤ۔ اسکے شبہات کا ازالہ کرو۔ اگر وہ خدا کی کھلی کھلی آیات دیکھنے اور واضح دلائل سننے کے بعد بھی اپنی معاندانہ ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہے۔ اور اپنی ہوا و ہوس اور اوہام باطلہ کی پیروی سے باز نہ آئے تو مسلمانوں کی جماعت کو اس کے زہریلے وجود سے پاک کر دو۔"

پھر اس مسئلہ کی مندرجہ ذیل مثال کے ذریعہ توضیح فرماتے ہیں:۔

"ایک شخص اتفاقاً گھوڑے سے گر پڑا۔ ٹانگ ٹوٹ گئی۔ ہڈی کے ریزے ادھر ادھر گھس گئے سول سرجن کا کام یہی ہے کہ ہڈی کو جوڑے۔ زخم صاف کرے۔ پٹی باندھے اور مرہم لگائے لیکن اگر کسی تدبیر سے زخم مندمل نہ ہو سکے۔۔۔۔۔ تو کیا اسوقت سول سرجن کا یہ ایک مشفقانہ فرض نہیں ہو جاتا کہ وہ ٹانگ کے مسموم حصہ کو کاٹ کر پھینک دے۔"

پھر لکھتے ہیں:۔

"دیا در کھو۔ کہ ارتداد ایک سخت زہریلا مادہ ہے جو جسم مسلم میں پیدا ہو جاتا ہے۔ خدائی سول سرجن جب اسکی تحلیل یا اخراج کی تدبیر سے تھک جاتے ہیں۔ تو آخر الحیل السیف کے قاعدہ سے اس عضو فاسد کو کاٹ کر پھینک دیتے ہیں۔"

اسی اصول کو دوسرے حامیان قتل مرتد نے بھی تسلیم کیا ہے۔

اب مولوی شبیر احمد صاحب کے مندرجہ بالا بیانات سے ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص ارتداد اختیار کرے تو اولاً یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ اپنی غلطی سے تائب ہو کر پھر اسلام میں داخل ہو جاوے لیکن اگر وہ تائب نہ ہو تو پھر بامر مجبوری اسکو قتل کر دینا چاہیئے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ آیا آیت پیش کردہ سے مرتد کے متعلق مذکورہ بالا فیصلہ مستنبط ہو سکتا ہے؟ جب ہم اس آیت کو اس تفسیر کے ساتھ پڑھتے ہیں جو مولوی صاحب موصوف نے کی ہے تو ہمیں تعجب آتا ہے کہ مولوی صاحب نے اس آیت کو اپنے عقیدہ کی تائید میں کیوں پیش کیا کیونکہ انکی تفسیر تو بالکل اس اصل کے مخالف پڑتی ہے جو مولوی صاحب نے پیش کیا۔ کیونکہ مرتد کے متعلق

مولویصاحب کا پیش کردہ اصل تو یہ ہی کہ پہلے اسے سمجھاؤ کہ وہ تائب ہو جائے۔ اگر توبہ کرے تو اسے قتل نہ کرو۔ اگر توبہ کرنے سے انکار کرے تو پھر اسے بامر مجبوری قتل کردو۔

لیکن مولویصاحب کی تفسیر کی رو سے آیت پیش کردہ کا مطلب یہ ہی کہ مرتد کو کہو کہ وہ توبہ کرے اور جب وہ توبہ کر چکے اور اس کی توبہ بھی سچی توبہ ہو تو پھر اسکے بعد اسکو قتل کردو۔

اب ناظرین خود انصاف سے بتائیں کہ آیا اس آیت سے مولوی صاحب کے اپنے پیش کردہ اصل کی تائید ہوتی ہی یا تردید۔ مولویصاحب نے تو ہمیں مثالیں دے دیکر یہ سمجھایا تہا کہ مرتد کے متعلق پہلے کوشش کرو کہ وہ تائب ہو جائے اور اسکو سمجھانیکے لئے پورا زور لگاؤ۔ اور جب کوئی تدبیر کارگر نہو اور کامل مایوسی تک نوبت پہنچ جائے تب لاچار ہو کر قتل کرو۔ مگر مولویصاحب کی تفسیر یہ کہتی ہے کہ پہلے اس بیمار عضو کے اچھا کرنیکی کوشش کرو اور جب وہ اچھا ہو جائے تو پھر اسکو کاٹ دو۔ مولویصاحب! آپکے ڈاکٹر والی مثال کدہر گئی؟ کیا اس مثال کا یہی مطلب ہی کہ ڈاکٹر کو چاہیئے کہ ٹوٹے ہوئے عضو کی پہلے اصلاح کرے اور جب اس کی اصلاح ہو جاوے اور عضو درست ہو جاوے اور ڈاکٹر اپنے علاج میں کامیاب ہو جاوے اسکے بعد اسے چاہیئے کہ وہ اس عضو کو کاٹ کر پھینک دے۔ کیا ایسا ڈاکٹر عقلمند کہلائیگا یا پاگل؟

معلوم ہوتا ہی کہ مولوی صاحب کو خود یہ بات کھٹکی ہی اور انکو یہ بات سوجھ گئی ہی کہ انکی تفسیر خود انکے اپنے اصل کے خلاف ہی اسلئے انہوں نے ناظرین کی آنکھوں پر یہ کہکر پٹی باندہنے کی کوشش کی ہی کہ "اب بھی بعض اقسام مرتد کی متعلق علماء کا یہی فتویٰ ہی کہ وہ توبہ کے بعد بھی حداً قتل کیا جائیگا" مولویصاحب نے ایک گول مول بات کہکر پردہ ڈالنا چاہا ہے۔ مگر ایسی چالبازیوں سے حق نہیں چھپ سکتا۔

مولویصاحب کو چاہیئے تہا کہ اس بات کو کھول کر بیان فرماتے کہ وہ کونسے مرتد ہیں جن کے متعلق علماء کا یہ عام فتویٰ ہی کہ باوجود سچی اور خالص توبہ کے بھی انکو محض ارتداد کے جرم میں قتل کردیا جاوے۔ تا ہم دیکھ سکتے کہ آیا یہ آیت ایسے مرتدین پر چسپاں ہوتی ہی یا نہیں؟ مولویصاحب کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ بحث اس امر کے متعلق ہی کہ آیا مرتد کو محض ارتداد کی وجہ سے قتل کرنا واجب یا جائز ہی۔ مولوی صاحب کا یہ دعویٰ ہی کہ مرتد کو محض ارتداد کیوجہ سے قتل کرنا واجب ہی۔ اور اسی امر کے ثابت کرنیکے لئے انہوں نے قلم اٹھایا ہی اور بڑی تحدی سے ادعا کیا ہی کہ میں اس دعویٰ کو قرآن شریف سے ثابت کرسکتا ہوں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

"یوں تو قرآن کریم کی بہت سی آیات ہیں جو مرتد کے قتل پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن ایک واقعہ جماعت مرتدین کے بحکم خدا قتل کئے جانیکا ایسی تصریح اور ایضاح کے ساتھ فرمائیں

مذکور ہی کہ خدا سے ڈرنیوالوں کیلئے اس میں تاویل کی ذرہ گنجائش نہیں ۔ نہ وہاں محاربہ ہی نہ قطع طریق ۔ نہ کوئی دوسرا جرم ۔ صرف ارتداد ۔ اور تنہا ارتداد ہی وہ جرم ہی جس پر حق تعالیٰ نے انکے بیدریغ قتل کا حکم دیا ہے ۔"

اس دعویٰ کی تائید میں وہ ایک ایسی آیت پیش کر بیٹھے ہیں جس سے انکی تفسیر کیمطابق یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ اگر ایک شخص ارتداد کری تو اسکو پہلے سمجھاؤ کہ وہ توبہ کری اور جب وہ توبہ کر چکے تو پھر اسکے بعد اسکو قتل کر دو ۔ اب مولویصاحب نے دیکھا کہ یہ نتیجہ خود انکے اپنے قائم کردہ اصل کے خلاف ہی اور تمام حامیان قتل مرتد کے مسلمہ اصول کے مخالف ۔ تو انہوں نے اپنے اس مضحکہ خیز استدلال کی بیہودگی کو لوگوں کی نظر سے پوشیدہ کرنے کے لئے یہ حیلہ تراشا ۔ کہ بعض اقسام مرتدین کے ایسے بھی ہیں جن کے متعلق علماء کا یہی فتویٰ ہی کہ سچی اور خالص توبہ کے باوجود بھی انکو قتل کر دیا جائے ۔

اول تو مولویصاحب کا فرض یہ تھا کہ قتل مرتد کے متعلق جو اصل انہوں نے پیش کیا تھا کہ مرتد کو توبہ کا موقعہ دیا جائے اگر توبہ کرے تو فبہا ۔ ورنہ قتل کیا جائے ۔ اس اصولی مسئلہ کی تائید میں قرآن شریف سے کوئی آیت پیش کرتے ۔ مگر وہ ایسا نہیں کر سکتے ۔ بلکہ ایک ایسی تفسیر پیش کی جو انکے قائم کردہ اصل کے بالکل الٹ ہی ۔ دوم اگر مولویصاحب اصل کو چھوڑ کر کسی شاذ اور استثنائی صورت کی پناہ ڈھونڈنا چاہتے ہیں تو وہ کوئی ایسی مثال پیش کریں ۔ جو (۱) خالص ارتداد کی صورت ہو کسی اور چیز کی آمیزش اس میں نہ پائی جائے کیونکہ یہی امر ہمارے زیر بحث ہی ۔

(۲) اس مثال میں یہ بھی ضروری ہو کہ مرتد کو توبہ کا موقعہ دیا جائے اور توبہ کی تلقین کیجائے تا کہ فَتُوبُوا اِلٰی بَارِئِکُم کے الفاظ بھی اس مثال پر چسپاں ہو سکیں ۔

(۳) اس مثال میں یہ بھی ضروری ہو کہ وہ مرتد سچے دل سے توبہ کری اور اس امر کا کوئی شک اور شبہ نہ ہو کہ منافقانہ طور پر توبہ کر رہا ہی کیونکہ جن لوگوں کا آیت زیر بحث میں ذکر ہے انہوں نے حسب اقرار مولویصاحب سچی توبہ کی اور سچے دل سے وہ اپنی غلطی پر نادم ہوئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انکی توبہ قبول کی ۔

(۴) اس مثال میں یہ بھی ضروری ہو کہ باوجود سچی توبہ اور مخلصانہ ندامت اور پوری پشیمانی کے پھر بھی ایسے لوگوں کا جو اسلام کے ائمہ کہلاتے ہیں اسکے متعلق عام طور پر یہ فتویٰ ہو کہ اس کو قتل کیا جائے اور ساتھ ہی یہ بھی فتوےٰ ہو کہ ایسا مقتول اخروی عذاب سے بچایا جائیگا ۔ کیونکہ جن مرتدین کا آیت زیر بحث میں ذکر ہے انمیں حسب بیان مولوی صاحب یہ سب باتیں پائی جاتی ہیں

(۵) یہ بھی ضروری ہی کہ ایسی ایک آدھ مثال نہ ہو بلکہ کئی اقسام کے مرتدین ہوں جن میں

سب شرطیں پائی جاتی ہوں اور پھر بھی وہ ائمہ اسلام کے نزدیک واجب القتل ہوں اور پھر جنتی بھی۔ کیونکہ انہی شرائط کے ساتھ یہ آیت اس تفسیر کے ماتحت جو مولویصاحب نے اس آیت کی کی ہے ایسی مثالوں پر چسپاں ہو سکتی ہے۔

اسجگہ یہ بھی غیر مناسب نہوگا کہ ہم بعض بڑی بڑی تفاسیر کی طرف بھی رجوع کریں اور دیکھیں کہ ان تفاسیر کی رو سے مولویصاحب کے اس خیال کی کہاں تک تائید ہوتی ہے اور آیا مفسرین بھی اس قتل کو ویسا ہی قتل قرار دیتے ہیں جو مرتد کیلئے تجویز کیا گیا ہے اور آیا انکے نزدیک بھی مسلمان اس امر میں موسوی شریعت کے پابند ہیں۔ تفسیر کبیر بحوالہ روح البیان جلد ۱ صـ۱۴۳ :۔

"وقال فی التفسیر الکبیر ولیس المراد تفسیر التوبة بقتل النفس بل بیان ان توبتهم لا تتم ولا تحصل الا بقتل النفس وانما کان کذلک لان الله تعالیٰ اوحی الیٰ موسیٰ ان توبة المرتد لا تتم الا بالقتل"۔ یعنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ اس آیت میں یہ مراد نہیں کہ قتل نفس کے ذریعہ توبہ کی تفسیر کیگئی ہے بلکہ یہاں یہ بیان ہے کہ انکی توبہ اسی وقت پوری ہوسکتی ہے اور حاصل ہوسکتی ہے جبکہ نفس کو قتل کیا جائے۔ اور یہ بات اس طرح اسلئے تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ مرتد کی توبہ تب ہی مکمل ہوتی ہے جبکہ اسے قتل کیا جائے۔

اس تفسیر کی رو سے یہ آیت حامیان قتل مرتد بھی تائید میں پیش نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قتل توبہ کا ایک جزو سمجھا جاتا تھا اور ایک قسم کا کفارہ تھا۔ مگر مرتد کیلئے جو قتل ہمارے مولویصاحبان تجویز کرتے ہیں وہ ارتداد کا کفارہ نہیں ہے اور نہ وہ توبہ کا قائم مقام سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے اس قتل کو اس قتل سے حسب بیان تفسیر مذکور کوئی مناسبت نہیں۔

پھر روح البیان جلد ۱ صـ۱۴۲ میں لکھا ہے :۔

" فقتل منهم سبعون الفا فکان من قتل شهیدا ومن بقی مغفورة ذنوبه واوحی الیٰ موسیٰ انی ادخل القاتل والمقتول الجنة۔ هذا علی روایة ان القاتل من المجرمین علی ان معنی۔ فاقتلوا انفسکم۔ لیقتل بعض المجرمین بعضا فالقاتل هو الذی بقی من المجرمین بعد نزول امر الکف عن القتل۔

وروی ان الامر بالقتل من الاغلال التی کانت علیهم وهی المواثیق اللازمة لزوم الغل ومن الاصر وهو الاعمال الشاقة کقطع الاعضاء الخاطئة وغیرها فهذه الامور رفعت عن هذه الامة تکریما للنبی صلی الله علیه وسلم"

" تب بنی اسرائیل میں سے ستر ہزار آدمی مارے گئے اور جو لوگ مارے گئے وہ سب شہید تھے۔ اور جو باقی رہ گئے ان کے گناہ بخش دیئے گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ ہم قاتل و مقتول دونوں کو جنت میں داخل کریں گے۔ یہ معنی اس روایت پر مبنی ہیں کہ قاتل مجرمین میں سے تھے۔ اس صورت میں فاقتلوا انفسکم کے یہ معنی ہونگے کہ مجرمین میں سے بعض دوسرے مجرموں کو قتل کر دیں۔ اور جب قتل سے رکنے کا حکم آگیا تو اسوقت جو باقی رہ گئے وہ قاتل ہوئے۔

اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ قتل کا حکم ان طوقوں میں سے ایک طوق تھا جو بنی اسرائیل کے گلے میں پڑے ہوئے تھے یعنے وہ پختہ اقرار جو ان سے اسطرح چمٹے ہوئے تھے جسطرح طوق گلے میں چمٹا ہوا ہوتا ہے اور یہ حکم ان بوجھوں میں سے ایک بوجھ تھا جو ان پر ڈالے گئے تھے یعنے اعمال شاقہ مثلاً ایسے اعضاء کا کاٹ ڈالنا جن کے ساتھ گناہ کیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ امور نبی کریم صلعم کے اعزاز کے لحاظ سے اس امت پر سے اٹھا لئے گئے ہیں۔"

اس تفسیر کی رو سے بھی یہ آیت قتل مرتد کے حامیوں کے لئے کچھ مفید نہیں ہے کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن کو قتل کیا گیا وہ شہید ہوئے اور یہ کہ قتل ان اعمال شاقہ اور ان بھاری بوجھوں میں سے ہے جو پہلی امتوں پر ڈالے گئے اور جو امت محمدیہ پر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز کے لحاظ اٹھا دیئے گئے ہیں۔ پس یہ آیت اس تفسیر کی رو سے بھی قتل مرتد کے سوال سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ کیونکہ بیان مذکورہ کے مطابق یہ قتل اور ہی رنگ کا قتل تھا جو اب منسوخ ہو چکا ہے اور امت محمدیہ میں اب یہ حکم جاری نہیں ہے۔

اسی طرح روح البیان جلد ۱ صفحہ ۹ میں فاقتلوا انفسکم کے ایک اور معنے بھی لکھے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ فاقتلوا انفسكم بقمع الهوى لان الهوى هو حياة النفس و بالهوى ادعى فرعون الربوبية وعبد بنو اسرائيل العجل۔ یعنے اپنی نفسوں کو اپنی نفسانی خواہشوں کے قلع قمع کے ذریعہ قتل کرو۔ کیونکہ نفسانی خواہشیں نفس کی جان ہیں۔ اور اپنی نفسانی خواہشوں کی وجہ سے فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ اور انہی خواہشوں کی وجہ سے بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پرستش کی۔

انہی معنوں کی تائید مفردات راغب کی مندرجہ ذیل عبارت سے ہوتی ہے:

" قيل عنى بقتل النفس اماطة الشهوات " یعنے ایک قول یہ بھی ہے کہ قتل نفس سے مراد شہوات کا مٹانا ہے۔ ان معنوں کی رو سے تو قتل کا سوال ہی اٹھ جاتا ہے اور مولویصاحب کا " ایضاح اور تصریح " سب بالائے طاق دھرے رہ جاتے ہیں۔

مولوی شبیر احمد صاحب فرماتے ہیں کہ یہاں کسی اور معنے کی گنجائش ہی نہیں مگر پہلے لوگ اس آیت کے اور معنے بھی کر چکے ہیں جنکی رو سے قتل کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ اور مولویصاحب کی ساری تحدی خاک

نہیں مل جاتی ہے۔ پھر فتح البیان جلد ۱ صفحہ ۱۱۱ میں لکھا ہے :-

" فاقتلوا انفسکم ای اجعلوا القتل متحققا للتوبۃ تماماً لہا یعنے فاقتلوا انفسکم کے یہ معنے ہیں کہ قتل کے ساتھ توبہ کی تکمیل کرو۔ یہ وہی معنے ہیں جو اوپر لکھے جا چکے ہیں اور مولویصاحب کے استدلال کو باطل کرتے ہیں۔

پھر بحر المحیط جلد ۱ صفحہ ۲۰۸ میں لکھا ہے :-

" وانظر الی لطف اللہ بہذہ الملۃ المحمدیہ اذ جعل توبتہا فی الاقلاع عن الذنب والندم علیہ والعزم علی عدم المعاودۃ الیہ " یعنے دیکھو اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ پر کیسا لطف فرمایا ہے کہ ان کیلئے توبہ صرف یہی ہے کہ وہ گناہ سے باز آجائیں اور اس پر پشیمان ہوں اور آیندہ کیلئے پختہ ارادہ کرلیں۔ کہ پھر اسکا ارتکاب نہیں کرینگے۔

پھر لکھا ہے " فیہ ثلاثۃ اقوال - الاول الامر بقتل انفسہم الثانی الاستسلام بالقتل والثالث التذلیل للاھواء " اس بارہ میں تین قول ہیں۔ اول یہ کہ انکو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنی نفسوں کو قتل کریں۔ دوم یہ کہ قتل کیلئے اپنی تئیں حوالہ کردیا۔ سوم خواہشات کو دبا دیا۔

پھر لکھا ہے :- " وقیل توبوا الیہ من افعالکم واقوالکم وطاعاتکم واقتلوا انفسکم فی طاعاتہ وقتل النفس عما دون اللہ وعن اللہ بانفراغ من طلب الجزاء حتی ترجع الی اصل العدم ویبقی الحق کما لم یزل (بحر المحیط جلد ۱ صفحہ ۲۰۹) یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسکے یہ معنے ہیں کہ اپنی افعال اقوال اور طاعات سے خدا تعالیٰ کیطرف رجوع کرو۔ اور اپنی نفسوں کو خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری میں فنا کردو۔ اور اپنے نفس کا قتل کردینا ماسوی اللہ سے اور اللہ تعالیٰ سے اس طور پر کہ طلب جزا سے فارغ ہو جاوے یہانتک کہ اصل عدم کیطرف لوٹ آئے اور حق ہی حق باقی رہجائے جیسا کہ وہ ہمیشہ سے ہے۔

یہ تمام تفاسیر مولوی شبیر احمد صاحب کے استدلال کا ابطال کررہی ہیں۔ اور انمیں سے ایک بھی نہیں جو مولویصاحب کے لئے کچھ سہارے کا موجب ہو کیونکہ اول تو قتل نفس کے معنے ہی نفسانی خواہشوں کا مٹانا لکھا ہے اور جب ان الفاظ کو ظاہری قتل کے معنے میں لیا گیا ہے تو اسکو توبہ کا قائم مقام قرار دیا گیا ہے اور اس قتل کا نام شہادت کہا ہے۔ اور لکھا ہے کہ پہلی امتوں پر اس قسم کے بوجھ ڈالے گئے تھے اور امت محمدیہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ رحم کیا ہے کہ ان پر ایسے بوجھ نہیں ڈالے اور ان کیلئے بھی توبہ پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اب مولویصاحب خود فرماویں کہ یہ تفاسیر انکے استدلال کی تائید کرتی ہیں یا تردید؟

یہاں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ سامری کو قتل کی سزا نہیں دیگئی بلکہ اسے زندہ رہنے دیا گیا ہے صرف

اسکے ساتھ سبیل جول بند کردیا گیا ہے۔ اگر سامری کو قتل کی سزا دیجاتی تب بیشک مولویصاحب کا کہیں ہاتھ پڑ سکتا تھا۔ کیونکہ اس کی نسبت یہ ثابت نہیں کہ وہ تائب ہوا ہو۔ بلکہ اسکے جواب سے جو حضرت موسیٰ کو اسنے دیا پایا جاتا ہے کہ اسنے کسی پشیمانی کا اظہار نہیں کیا۔ پس اگر اسکو قتل کیا جاتا تو مولویصاحب کہہ سکتے تھے کہ دیکھو سامری تائب نہ ہوا اور اسکو ارتداد کی سزا میں قتل کیا گیا۔ لیکن یہاں تو معاملہ بالکل برعکس ہے۔ جو تائب ہوتے ہیں انکو حسب تفسیر مولویصاحب قتل کیا جاتا ہے اور جو تائب نہیں ہوتا اور جو سب سے زیادہ مجرم ہے اسکو چھوڑ دیا جاتا ہے اس سے مولویصاحب مرتدین کیمتعلق اگر کوئی استدلال کرسکتے ہیں تو یہ کرسکتے ہیں کہ مرتد اگر توبہ کرے تو اسے قتل کر ڈالو اگر توبہ نہ کرے تو اسے چھوڑ دو۔ یہ استدلال اگر مولویصاحب کے مفید مطلب ہے تو بیشک انکو اجازت ہے کہ وہ ایسا استدلال کرلیں مگر وہ کسی صورت میں اس آیت سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ مرتد اگر توبہ کرے تو اسے چھوڑ دو اور اگر توبہ نہ کرے تو اسکو قتل کردو۔

مولویصاحب نے اپنی طرف سے اس بارے میں پیشبندی کرنیکی پوری کوشش کی ہے۔ وہ سامری کے قتل نہ کیے جانیکی ایک وجہ تجویز فرماتے ہیں مگر افسوس کہ قرآن شریف انکو کہیں ٹھہرنے نہیں دیتا۔ جو سہارا وہ پکڑتے ہیں قرآن شریف اسے گرا دیتا ہے۔ مولویصاحب اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہ کیوں سامری کو جو اس ساری شرارت کا بانی تھا قتل نہیں کیا گیا فرماتے ہیں :-

"سامری اس شرارت کا ایسا ہی بانی تھا جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین قصۂ افک کا بانی اور الذی تولی کبرہ کا مصداق عظم تھا مگر حسب روایات صحیحہ اس پر حد قذف جاری نہ کی گئی۔ حالانکہ حضرت حسان بن ثابت وغیرہ مومنین پر حد قذف جاری ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ منافقین سب سے بڑھ کر شرارتیں کرتے ہیں لیکن اپنے نفاق کیوجہ سے دنیا میں قانونی گرفت سے اپنے کو بچاتے رہتے ہیں۔ جھوٹ بولنے اور بات بنا دینے میں انکو کوئی باک نہیں ہوتا۔ ساری کارروائی کرکے بھی قانونی زد سے اپنے کو بچا لیتے ہیں۔"

مولوی صاحب نے بات تو اچھی بنائی ہے مگر افسوس! یہ عذر یہاں نہیں چل سکتا۔ اور مولوی صاحب حق کی زد سے اپنے کو بچا نہیں سکے۔ اگر عبداللہ بن ابی اپنے تئیں قانونی زد سے بچانے میں کامیاب ہوا تو سامری اپنے تئیں نہیں بچا سکا۔ کیونکہ اسکے خلاف تمام قوم نے شہادت دی کہ گوسالہ پرستی کا بانی مبانی سامری ہی ہے۔ چنانچہ آتا ہے :-

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ۔ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ (طٰہٰ ۵۶)

اس آیہ کریمہ کا ترجمہ مولوی نذیر احمد خانصاحب دہلوی نے حسب ذیل کیا ہے :-

"انہوں نے کہا ہم نے اپنی اختیار سے آپکے ساتھ عہد شکنی نہیں کی بلکہ ہم کو یہ معاملہ پیش آیا کہ قوم کے زیوروں کا بوجھ جو ہم پر لادا گیا تھا اب (سامری کے کہنے سے) ہم نے اسکو (آگ میں لا) ڈالا اور اسی طرح سامری نے بھی (اپنے پاس کا زیور لا) ڈالا۔ پھر سامری ہی نے لوگوں کیلئے اسکا ایک بچھڑا بنا کر نکال کھڑا کیا جس کی آواز بھی بچھڑے کی سی تھی۔"

اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے جواب طلب کیا تو اسنے اپنی قصور کا صاف اقرار کیا۔ اور قانون کی زد سے بچنے کے لئے وہ کوئی بات نہ بنا سکا۔

پھر مولویصاحب کے عذر کا بطلان اس سے بھی ظاہر ہی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جرم کے ثابت ہونے پر اسکو سزا بھی دی۔ اور اسکا جواب سننے کے بعد اسکے خلاف فیصلہ بھی کیا۔ اور وہ فیصلہ یہ ہی:۔ قَالَ فَاذْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ- وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهُ۔" چل۔ اس زندگی میں تو تیری یہ سزا ہی کہ کہتا پڑا پھر کہ دیکھو۔ مجھی کوئی چھو نہ جانا۔ اور اسکے علاوہ تیرے لئے ایک وعدہ اور ہی جو کسی طرح تجھ پر سے ٹلے گا نہیں۔"

پس مولوی صاحب کا یہ عذر غلط ہی کہ اسنے عبد اللہ بن ابی کی طرح قانون کی زد سے اپنے تئیں بچا لیا۔ اسپر عدالت نے فرد جرم لگایا اور اسکو سزا بھی دی۔ مگر وہ سزا قتل کی نہیں تھی بلکہ لامساس کہنے کی سزا تھی۔

مولویصاحب کی پیش کردہ مثال سی ایک مفید نتیجہ

مولویصاحب کی اس پیش کردہ آیت سی ایک نہایت ہی مفید نتیجہ نکلتا ہی اور وہ یہ ہی کہ مرتد کو قتل نہ کیا جائے۔ کیونکہ بنی اسرائیل کے جس واقعہ کو مولوی صاحب نے بطور مثال کے پیش کیا ہی۔ اسمیں ایک مرتد یعنے سامری کا ذکر ہی جو اپنی ارتداد پر قائم رہا۔ مگر پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسکو قتل نہیں کیا۔ پس اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہی کہ مرتد کی سزا قتل نہیں ہے۔ کیونکہ اگر مرتد کی سزا قتل ہوتی تو حضرت موسےٰ علیہ السلام اسکو ضرور قتل کرتے۔ پس خود مولویصاحب کی اپنی دلیل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرتد کی سزا قتل نہیں۔ مولوی صاحب کا تہ دل سے ممنون ہوں کہ انہوں نے یہ دلیل مجھے سمجھائی ورنہ میرا ذہن اسطرف نہ جاتا۔ اب مولویصاحب فرمائیں کہ اس دلیل کا انکے پاس کیا جواب ہے؟

ان تمام بزرگوں نے جنہوں نے اسوقت قتل مرتد کی حمایت میں قلم اٹھایا ہی آزادی ضمیر کے سوال پر بہت لے دے کی ہی اسلئے ضروری ہے کہ انکی جرح پر بھی ایک نظر کیجائے آزادی ضمیر کے اصول پر سب سے

زیادہ جرح کرنیوالا اخبار الجمعیتہ ہے جو جمعیۃ العلماء کا آفیشل آرگن ہے یہیں اسکی جرح کو ذیل میں نقل کرتا ہوں۔ اس جرح سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو یہ لوگ جانتے ہی نہیں کہ عرف عام میں آزادی ضمیر کس چیز کا نام ہے اور قرآن شریف کی رو سے اسکا مفہوم کیا ہے یا عمداً جہالت کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ الجمعیتہ نے آزادی ضمیر کے متعلق کئی شقیں قائم کی ہیں اور ہر ایک شق پر الگ الگ جرح کی ہے اور اس کی ساری جرح کا لب لباب یہی نکلتا ہے کہ وہ یا تو آزادی ضمیر کا مفہوم ہی نہیں جانتا یا جان بوجھ کر دھوکہ دیتا ہے مگر تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ ہمیں الزام دیتا ہے کہ ہم جانتے ہی نہیں آزادی ضمیر کی کیا حقیقت ہے۔ اب میں اسکی ایک ایک شق کو ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

شق اول۔ اگر ضمیر کی آزادی کا یہ مطلب لیا جاوے کہ ہر فرد جو رائے قائم کرے اور واقعات پر جو حکم لگائے اور مقدمات سے جو نتائج وہ نکالے وہ اسکے حق میں صحیح اور درست ہیں اور ہر شخص اپنی رائے پر عمل کرنیکا مکلف ہے کسی دوسرے کی رائے کو سننا ماننا عمل کرنا ضروری نہیں تو اسکا بطلان بدیہی اور واضح ہے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ ضمیر کی آزادی کا یہ مطلب نہیں کہ جو اس شق میں بیان کیا گیا ہے۔ جو لوگ آزادی ضمیر کے حامی ہیں انمیں سے کسی کا بھی یہ خیال نہیں کہ ہر ایک شخص کی رائے ضرور درست اور صحیح ہوتی ہے اور نہ کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ کسی دوسرے کی رائے کو نہ سننا چاہیئے اور نہ اس پر غور کرنا چاہیئے۔ بلکہ آزادی ضمیر کا صرف یہی مطلب ہے کہ اگر ایک شخص کسی امر کے متعلق کوئی خاص عقیدہ رکھتا ہے تو ہمیں اسے مجبور نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ اس عقیدہ کو ترک کر دے کیونکہ ایسا کرنا ایک احمقانہ حرکت ہے۔ ہم جبر سے کسی کے عقیدہ کو تبدیل نہیں کر سکتے۔ ہاں اگر ہماری رائے میں اسکا عقیدہ غلط ہے تو ہمیں عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعہ سے اسکی فطرت انسانی کے آگے اپیل کرکے کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ اپنی غلطی کو سمجھ جائے لیکن اگر وہ ہمارے سمجھانیکے بعد بھی اپنے غلط عقیدہ کو ترک نہیں کرتا تو ہمیں اسکے غلط عقیدے کیوجہ سے اسکو دکھ اور عذاب نہیں دینا چاہیئے۔ یہ ہے مفہوم آزادی ضمیر کا۔ اگر اسپر کوئی اعتراض پڑتا ہے تو الجمعیتہ کو اختیار ہے کہ اپنی اعتراض کو پیش کرے لیکن اسپر اعتراض کرنا خود قرآن شریف پر اعتراض کرنا ہے کیونکہ قرآن شریف اسی امر کی تعلیم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

(۱) فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ۔ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (غاشیہ ع۱)

(۲) فَأَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّىٰ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا (نجم ع۲)

(۳) فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ أَنْتُمْ بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَ

أَنَا بَرِيْءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (یونس ع۱۵)

(۴) إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۔ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا (مزمل ع۱)

(۵) قُلِ اللّٰهَ أَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ (زمر ع۲)

شق دوم ۔ اگر یہ معنے تسلیم کرلئے جاویں کہ ہر شخص مذہبی امور میں کامل آزاد و خود مختار ہی ۔ جو مذہب چاہے اختیار کرے اور جو عقیدہ چاہے رکھے تو ماننا پڑتا ہی کہ دنیا میں جسقدر مذہبی اعتقادات اور مذہبی خیالات ہیں وہ سب حق و درست ہیں ۔

اقول ۔ آپکا یہ نتیجہ صحیح نہیں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہی ۔ قل اللہ اعبد مخلصا لہ دینی فاعبدوا ما شئتم من دونہ ۔ (زمر ع۲) یعنے اے نبی (صلعم) لوگوں سے کہدو کہ میں خالص اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں تم اسکے سوا جس کی چاہو عبادت کرو ۔ کیا اس سے یہ لازم آتا ہی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنا حق اور درست ہی ؟

الجمعیۃ کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم تو صرف اتنا ہی کہتے ہیں جتنا قرآن شریف فرماتا ہے یعنی ہمارا صرف اتنا فرض ہی کہ ہم لوگوں کو حق پہنچا دیں اسکے بعد انکا اختیار ہی چاہیں قبول کریں چاہیں قبول نہ کریں ہمیں کسی پر جبر نہیں کرنا چاہیئے ۔ اس سے اگر الجمعیۃ یہ نتیجہ نکالے کہ اس طرح تمام مذاہب کو سچا ماننا پڑتا ہے تو یہ اسکی خوش فہمی ہے

شق سوم ۔ اگر تیسرے معنے لئے جاویں کہ مذہبی عقائد کے متعلق (خواہ غلط ہوں) دنیا میں اس سے تعرض نہ کیا جائیگا اور اسکو سزا نہ دیجائیگی ۔ تو اسکا پہلا جواب یہ ہے کہ جب کہ کسی کے غلط عقیدہ پر غلطی کا حکم لگایا گیا اور فتویٰ دیا گیا کہ یہ عقیدہ اور عمل کفر ہے اور اسکی سزا جہنم ہے تو پھر ضمیر کی آزادی کہاں رہی ۔ اگر آزادی دیتے ہیں تو اسکے عقیدہ اور عمل کو جائز قرار دیں ۔

دوسرا جواب یہ ہی کہ ایسی صورت میں مذہبی سیاست کا وجود نہیں ہونا چاہیئے نہ کسی کو زنا کی سزا دیجائے نہ چوری کی ۔ نہ شراب خوری پر مواخذہ ہو نہ بہتان و تہمت پر ۔ عمل عقیدہ کی فرع ہے ۔ اگر عقیدہ میں سزا دہی ناجائز ہے تو فرع میں سزا دینے کے کیا معنے ہونگے ؟"

اقول ۔ یہ تیسرے معنے بالکل درست ہیں یہی ہمارا مطلب ہے ۔ مگر ان معنوں پر الجمعیۃ کی جرح بے بنیاد ہی ۔

الجمعیۃ کی یہ منطق ہماری سمجھ سے بالاتر ہی ۔ اگر کسی کو اسکے مذہبی عقائد کیوجہ سے دنیا میں سزا نہ دیجاوے تو اس سے کس طرح لازم آتا ہی کہ وہ عقیدہ جائز ہو گیا ۔ سورہ معارج میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہی ۔ فذرہم

يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتّٰى يُلٰقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ (معارج - ۴۲)
اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہی کہ ان کفار کو جو دین کے متعلق خوض و لعب میں مصروف ہیں ان کے
حال پر چھوڑ دو یہانتک کہ وعدہ کا دن آجائے۔ اب کیا اس سے یہ لازم آتا ہی کہ ان کفار کا خوض و لعب جائز تھا؟
الجمعیۃ لکھتا ہی کہ جب کسی کے غلط عقیدہ پر غلطی کا حکم لگایا گیا تو پھر "آزادی ضمیر کہاں ہی"۔ معلوم
نہیں الجمعیۃ نے آزادی ضمیر کے کیا معنے سمجھ رکھے ہیں آزادی ضمیر کے اس سے زیادہ اور کوئی معنے نہیں کہ
عقیدہ کے معاملہ میں کسی پر جبر نہ کیا جاوے۔ یا الجمعیۃ کے اپنے الفاظ میں آزادی ضمیر کے یہ معنے ہیں
کہ "مذہبی عقائد کے متعلق (خواہ غلط ہوں) دنیا میں اس سے تعرض نہ کیا جاویگا اور اسکو سزا نہ دی
جائیگی"۔ اب خدارا الجمعیۃ ہمیں بتائے کہ جب آزادی ضمیر کے وہ معنے لئے جائیں جو اس نے خود شق
نمبر ۳ میں بیان کئے ہیں تو ان لفظوں کو ان معنوں میں لیتے ہوئے کس طرح لازم آتا ہی کہ جن لوگوں کو
آزادی ضمیر کے اصول کیوجہ سے سزا نہ دیجائے انکا عقیدہ بھی درست ہو۔ اگر ایک شخص کو اس دنیا میں سزا نہ
دیجائے تو اس سے کسطرح یہ لازم آتا ہی کہ اسکا عقیدہ درست ہی؟
پھر الجمعیۃ لکھتا ہی کہ اگر عقیدہ کیوجہ سے سزا نہ دیجائے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ عمل کیوجہ سے کسی کو
سزا دیجاوے اسلئے اگر آزادی ضمیر کا اصول درست ہی تو ایسی صورت میں مذہبی سیاست کا وجود
نہیں ہونا چاہیئے۔ نہ کسی کو زنا کی سزا دیجائے اور نہ چوری کی۔ عقیدہ اور عمل دونوں میں آزادی ہونی چاہیئے۔
اقول۔ اگر عقیدہ اور عمل دونو کا ایک ہی حال ہوتا تو اس صورت میں بیشک ضروری تھا
کہ دونوں میں اسکو آزادی حاصل ہوتی لیکن دونو کا ایک حال نہیں۔ جب عقائد سے گزر کر انسان اعمال
کیطرف جاتا ہی تو اسکے بعض اعمال ایسے ہوتے ہیں جنکا ضرر یا فائدہ دوسرے انسانوں کو پہنچتا ہے
اسلئے وہ ان افعال میں اب آزاد نہیں ہو سکتا۔ اسکی آزادی اس دائرہ تک محدود ہی جہانتک صرف
اسکی ذات کا تعلق ہی۔ لیکن جب اسکے افعال اس دائرہ میں داخل ہو جاتے ہیں جہاں اسکی غلطی سے
دوسرے لوگوں کو ضرر پہنچ سکتا ہے۔ تب اسکی آزادی روکی جاتی ہے کیونکہ اب صرف اسی کی ذات کا سوال
نہیں بلکہ دوسرے لوگوں کے حقوق کا بھی سوال ہی اور اسکو کوئی حق نہیں کہ وہ دوسرے لوگونکو
نقصان پہنچائے اور انکے حقوق کو تلف کرے۔ اس لئے اگر وہ کوئی ایسا فعل کرنا چاہیگا جس سے دوسروں
کو ضرر پہنچتا ہو تو وہاں اسکے ہاتھ کو روکا جائیگا اور اسکی آزادی اس سے چھینی جائیگی۔ یہی اصل ہی جس پر تمام
شرعی احکام کی بنیاد ہے اور تمام دنیا کی حکومتوں کے قوانین اسی اصول پر جاری ہیں۔ جہاں محض اسکی ذات
کا تعلق ہی وہاں وہ آزاد ہی لیکن جہاں اسکے افعال کا اثر تمدن پر پڑتا ہی وہاں شریعت کا قانون اور ایسا ہی

انسانی حکومتوں کا قانون دخل دیگا۔ معترض کہتا ہے کہ اگر اسے ضمیر کی آزادی حاصل ہے تو پھر اسے اجازت ہونی چاہیئے کہ جو چاہے کہے اور جو چاہے کرے۔ نہ چوری کیوجہ سے اسکے ہاتھ کاٹنے چاہیئے اور نہ زنا کیوجہ سے اسے کوڑے لگانے چاہیئے اور نہ شرابخوری کی حد اس پر جاری کرنی چاہیئے۔ میں کہتا ہوں کہ ان افعال میں وہ آزاد نہیں ہوسکتا کیونکہ ان افعال کا تعلق تمدن سے ہے وہ ایسے افعال میں آزاد نہیں۔ ہاں عقائد میں اور ایسے اعمال میں جنکا اثر صرف اسکی ذات تک محدود ہے اسکو پوری آزادی حاصل ہے۔ اگر ایک شخص خدا تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتا اور خدا کے آگے گریہ وزاری نہیں کرتا تو ہم اسپر کوئی سزا جاری نہیں کرسکتے لیکن اگر وہ دوسرے کا مال چھینتا ہے یا زنا کا ارتکاب کرتا ہے تو وہاں شریعت اور انسانی حکومت ضرور دخل دیگی کیونکہ یہاں وہ تمدن کو نقصان پہنچاتا ہے ایسی صورت میں وہ بغیر سزا کے نہیں چھوڑا جائیگا

قرآن شریف کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ کوئی حکم نہیں دیتا جسکے ساتھ اسکی دلیل بیان نہ کرے۔ چنانچہ اسی اصول کیمطابق جب ہدایت اور گمراہی کے متعلق یہ حکم دیا ہے کہ کسی پر جبر نہ کیا جاوے وہاں یہی دلیل بیان فرمائی ہے کہ چونکہ کسی کی ہدایت یا گمراہی سے دوسروں کے حقوق پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بلکہ اسمیں صرف اسی شخص کی اپنی ذات کا تعلق ہے اسلئے اسمیں جبر سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۃ الزمر میں فرماتا ہے:-

إِنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ " ہم نے تجھ پر لوگوں کے فائدے کیلئے حق کے ساتھ یہ کتاب اتاری ہے پس جس نے راہ پائی تو اسنے اپنا بھلا کیا۔ اور جو گمراہ ہوگیا تو اسکی گمراہی کا نقصان اسی کو پہنچیگا۔ اور تو انکا ذمہ وار نہیں ہے "

اس آیت کریمہ میں بہت سی دیگر آیات کیطرح یہ تعلیم دیگئی ہے کہ ایمان اور کفر کے معاملہ میں جبر سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ اور ساتھ ہی اسکی وجہ بھی بیان کردی ہے یعنے یہ کہ اگر ایک شخص راہ راست کو اختیار کرتا ہے تو اسمیں اسکا اپنا فائدہ ہے اور اگر راہ راست کو چھوڑتا ہے تو اسمیں اسکا اپنا نقصان ہے۔ دوسرے لوگوں کے حقوق کا کوئی نقصان نہیں اسلئے کوئی جبر نہیں ہونا چاہیئے۔

اس آیت میں الجمعیۃ کے اس اعتراض کا بھی جواب آگیا ہے کہ اگر عقیدہ میں آزادی دیجاوے تو ماننا پڑتا ہے کہ ہر ایک کا عقیدہ درست ہو۔ یہ استدلال قرآن شریف کی متذکرہ بالا آیت سے رد ہوتا ہے کیونکہ اسمیں صاف بتلایا گیا ہے کہ اس آزادی سے یہ نہیں سمجھا جاتا کہ سب کے عقائد درست ہیں اور کسی کو آخرت میں سزا نہیں دیجائیگی۔ بلکہ وہی لوگ راست پر سمجھے جائینگے جو خدا تعالیٰ کی بتائی ہوئی راہ کو

قبول کرینگے اور جو اس راہ کو اختیار نہیں کرینگے وہ گمراہ سمجھے جائینگے اور اسکا بدلہ انکو آخرت میں مل جائیگا۔ اور آزادی کے صرف یہی معنے ہیں کہ انپر جبر نہ کیا جائے اور اس دنیا میں عقائد کیوجہ سے انکو سزا نہ دیجائے۔

کیا اسلام میں داخل ہونیکے بعد اکراہ فی الدین جائز ہی؟

الجمعیۃ کی تمام شقوں کا تصفیہ کرنیکے بعد اب میں ان مولویصاحبان کی ایک اور دلیل کو لیتا ہوں جس کے ذریعہ انہوں نے قتل مرتد کو لا اکراہ فی الدین کے حکم سے خارج کرنیکی کوشش کی ہے۔ مولوی شاکر حسین صاحب سہسوانی اپنے مضمون مندرجہ زمیندار میں تحریر فرماتے ہیں:-

"داخل فی الاسلام کے لئے اور احکام ہیں اور خارج عن الاسلام کیلئے اور۔ اس بنا پر آیہ شریفہ لا اکراہ فی الدین کا مفہوم کسی طرح مفید مطلب نہیں ہی یہ امر کہ کسی کو زبردستی مسلمان نہ کیا جائے کسی طرح بھی اسکو مستلزم نہیں کہ قبول اسلام کے بعد انسان جب چاہے اسکا جوا گردن سے اتار کر پھینک دے معمولی اور موٹی سی بات ہی کہ بادشاہ وقت کسی کو زبردستی اپنی ملازمت میں منسلک نہیں کرتا لیکن جو شخص اسکی ملازمت میں داخل ہو چکا ہی اسکو کبھی یہ حق حاصل نہیں ہی کہ اپنی خوشی سے جو چاہے کرے یا جب چاہے اس ذیل سے نکل جائے۔ اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ حسب اعمال سزایاب ہوتے ہیں۔"

میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ جب ایک شخص ایک دین کو قبول کرتا ہی تو اس پر اس دین کے متعلق بعض پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں جو پہلے اسپر لازم نہ تھیں اور جبتک وہ اس دین میں ہی وہ ان ذمہ داریوں سے آزاد نہیں ہو سکتا وہ اس دین کے دوسرے پیرؤں کی طرح ان تمام ضوابط اور قوانین کا پابند ہوگا جو اس دین نے اپنے پیرؤں کے لئے مقرر کر رکھے ہیں اور انکی خلاف ورزی میں وہ اسی تعزیر کا مستوجب ہوگا جو اس دین میں ایسی خلاف ورزی کے لئے مقرر کیگئی ہے لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ وہ ایکدفعہ ایک دین کو قبول کرنیکے بعد پھر اسکو کبھی ترک کرنیکا اختیار نہیں رکھتا۔ اگر یہ قاعدہ درست ہی کہ ایک شخص ایک دفعہ ایک مذہب اختیار کرنے کے بعد پھر اس مذہب کو کسی صورت میں ترک نہیں کرسکتا۔ تو یہ قاعدہ جیسا اسلام کیواسطے درست ماننا پڑیگا ویسا ہی دوسرے مذاہب کیلئے بھی درست ماننا پڑیگا۔ جیسا اسلام کسی کو مجبور نہیں کرتا کہ وہ اسمیں داخل ہو لیکن جب ایک انسان اپنی خوشی سے اسے قبول کرتا ہی تو وہ اپنی مرضی سے اسکے قوانین کا جوا اپنی گردن پر رکھتا ہی اور اپنے تئیں اسکا پابند بنا دیتا ہی کہ انکی تعمیل کرے اور خلاف ورزی کی صورت میں اس سزا کو برداشت کرے جو

اسکے لئے مقرر کیگئی ہی ایسا ہی دوسری مذاہب بھی کسیکو مجبور نہیں کرتے کہ وہ انکو اختیار کریں۔ لیکن اگر ایک شخص اپنی خوشی سے ان کو قبول کرتا ہی تو وہ اپنی مرضی سے انکے ضوابط کا جوا اپنی گردن پر اٹھاتا ہی اور وہ پابند ہی کہ جبتک وہ اس مذہب کی پیروی کا دعوی کرتا ہی اسکے قوانین کی پیروی کرے اور عدم تعمیل کی صورت میں اس تعزیر کو قبول کرے جو ایسے موقع کیلئے تجویز کی گئی ہی۔ پس اس قاعدہ میں عقلًا اسلام اور دیگر مذاہب میں کوئی فرق نہیں۔ یہ قاعدہ اگر معقول ہی تو سب مذاہب کے لئے عام ہونا چاہیئے۔ اور مولوی شاکر حسین صاحب سہسوانی نے اپنے دعوی کی معقولیت ثابت کرنیکے لئے جو مثال دی ہی اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہی کہ یہ قاعدہ اسلام کیلئے خاص نہیں بلکہ سب مذاہب کے لئے عام ہی۔ کیونکہ اگر وہ مثال درست ہے تو وہ صرف اسلام پر چسپان نہیں ہوتی بلکہ تمام ادیان پر۔ اسلئے اگر مولوی شاکر حسین صاحب کا پیش کردہ قاعدہ درست اور صحیح ہی تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ جس مذہب میں کوئی شخص ایکدفعہ داخل ہو جاوے خواہ اسلام ہو یا کوئی اور مذہب پھر اسکا کوئی حق نہیں کہ وہ اس مذہب کو کسی صورت سے ترک کرسکے۔ اب اگر اسکے لئے اس مذہب سے نکلنے کا کوئی دروازہ ہی تو وہ موت کا ہی دروازہ ہی اور کوئی راہ نہیں۔ لیکن یہ بالبداہتا باطل ہی۔ کیا مولوی شاکر حسین صاحب اس بات کے تسلیم کرنیکے لئے تیار ہیں کہ اگر ایک شخص مسیحی مذہب اختیار کری تو پھر وہ پابند ہو جاتا ہی کہ تادم مرگ مسیحی مذہب پر ہی قائم رہے اور اسکو کوئی حق نہیں کہ وہ مسیحی مذہب چھوڑکر کوئی دین قبول کرے؟ مولویصاحب! یہ ہی نتیجہ آپکی دلیل کا۔ اس سے تو لازم آتا ہی کہ جس مذہب کو ایکدفعہ انسان قبول کری اسکو اختیار نہیں رہتا کہ پھر اس مذہب کو ترک کرسکے۔ جبتک کہ وہ کسی مذہب کو قبول نہیں کرتا اسوقت تک وہ آزاد ہی جس مذہب کو چاہی قبول کرے۔ لیکن جونہی کہ وہ ایک مذہب کو قبول کرتا ہی اسکی آزادی چھینی جاتی ہی اور وہ آزادی کا قانون جس سے وہ پہلے فائدہ اٹھا سکتا تھا اب اس سے ہمیشہ کیلئے محروم کردیا جاتا ہی کیونکہ اب وہ قاعدہ اس پر جاری نہیں ہو سکتا۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ "یہ معمولی اور موٹی سی بات ہی کہ بادشاہ وقت کسی کو زبردستی اپنی ملازمت میں منسلک نہیں کرتا لیکن جو شخص اسکی ملازمت میں داخل ہو چکا ہی اسکو کبھی یہ حق حاصل نہیں ہی کہ جب چاہی اس ذیل سے نکل جاوے"۔ مولویصاحب! بیشک یہ "معمولی اور موٹی سی بات ہی" مگر کیا وجہ ہی کہ "یہ معمولی اور موٹی سی بات" صرف اسلام پر چسپان ہوسکے اور دوسرے ادیان پر چسپاں نہو سکے؟ کیوں یہ مثال ہندو مذہب یا مسیحیت یا بدھ مذہب وغیرہا پر چسپاں نہ کیجائے؟

مولویصاحب! کیا یہ انصاف کی بات ہی کہ اس مثال کو اپنے لئے خاص کرلیں۔ دوسروں کو اجازت نہ دیں کہ وہ بھی اس مثال سے آپکی طرح فائدہ اٹھائیں؟ مولویصاحب! اگر یہ مثال درست ہی تو اس سے

تو یہ بھی لازم آتا ہے کہ کسی غیر مذہب کے آدمی کو اپنے مذہب میں داخل کیا جاوے کیونکہ وہ تو ایک دوسرے آقا کا ملازم ہے۔ ہمیں حق نہیں کہ ہم اسکو اپنی ملازمت میں داخل کر لیں وہ تو اپنے پہلے آقا کی ملازمت چھوڑ نہیں سکتا۔ کیونکہ آپکا قاعدہ اس بات سے مانع ہے کہ کوئی شخص اپنے آقا کی ملازمت کو چھوڑ سکے۔

امید ہے کہ اسوقت تک مولویصاحب پر یہ امر بخوبی واضح ہو گیا ہوگا کہ انکی پیش کردہ دلیل بالکل لغو اور لچر ہے اور وہ سمجھ گئے ہونگے کہ اگر کوئی شخص ایکدفعہ ایک دین کو قبول کرے تو وہ اس دین کو ترک کرنے کے معاملہ میں اب بھی ویسا ہی آزاد ہے جیسا کہ وہ اپنے سابقہ دین کو ترک کرنیکے لئے آزاد تھا۔

لیکن میں ایک اور طریق سے بھی مولویصاحب کو سمجھانیکی کوشش کرتا ہوں۔ مولوی صاحب! آپ اپنی پیش کردہ مثال پر مزید غور فرماویں۔ کیا بادشاہان وقت استعفا بھی منظور فرمایا کرتے ہیں یا نہیں؟ کیا تمام مہذب سلطنتوں میں استعفا کا رواج بھی جاری ہے یا نہیں؟ پس اگر آپکی ہی مثال کو لیا جاوے تب بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک دین کو قبول کرنیکے بعد پھر اس سے مستعفی ہو سکتا ہے۔ اسکو قتل کرنیکی ضرورت نہیں۔ لیکن اس سے بھی بڑھکر یہ مثال ایک لطیف سبق سکھاتی ہے۔ اور میں مولویصاحب کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اس مثال کو پیش کیا۔ دراصل اگر مولویصاحب اسی اپنی پیش کردہ مثال پر غور فرماویں تو یہی اکیلی مثال انکی ہدایت کیلئے کافی ہے۔ میں مولویصاحب کی ہی مثال کو لیکر مولوی صاحب سے ایک سوال کرتا ہوں اور اسکا جواب ان ہی سے مانگتا ہوں۔ مولویصاحب مجھے بتائیں! ایک شخص بادشاہ وقت کی ملازمت میں داخل ہوتا ہے لیکن بعد میں ثابت ہوتا ہے کہ یہ شخص اپنے فرائض کے ادا کرنے کے ناقابل ہے نہ یہ اپنے کام کو خوبی سے ادا کر سکتا ہے نہ اسپر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور نہ یہ دل سے سرکار کا خیر خواہ ہے۔ اب مولوی صاحب بتائیں۔ ایسے شخص کی نسبت بادشاہ وقت کیا کارروائی کریگا؟ کیا وہ ایسے ذرائع اختیار کریگا کہ ایسا شخص کبھی اسکی ملازمت سے الگ نہو یا فوراً اسکو اپنی ملازمت سے الگ کر دیگا؟ میں یقین کرتا ہوں کہ مولویصاحب یہی جواب دینگے کہ ایسا شخص اس قابل نہیں کہ بادشاہ وقت کی ملازمت میں رہے ایسے شخص کو فوراً علیحدہ کر دینا چاہیئے۔

اب مولویصاحب اپنے اصول کو دیکھیں وہ فرماتے ہیں کہ ہم کسی کو جبراً اسلام میں داخل نہیں کرینگے۔ اور اس صورت میں لا اکراہ فی الدین پر عمل کیا جائیگا لیکن جب ایک شخص ایکدفعہ اسلام کو قبول کر چکے تو پھر وہ لا اکراہ فی الدین کے دائرہ سے خارج ہو جاتا ہے ایسے شخص کو جبراً اسلام میں رکھا جائیگا۔ اور اسکو اجازت نہیں دیجائیگی کہ وہ اسلام کو ترک کرے۔ اب میں مولوی صاحب کی مثال کو لیکر مولوی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ کیا ایسا شخص بھی اس ملازم کی طرح نہیں ہوگا جو دل سے سرکار کا خیر خواہ نہیں ہے جو اس قابل نہیں کہ اسپر اعتماد کیا جاوے اور نہ وہ اس قابل ہے کہ اپنے فرائض کو خوبی کے ساتھ انجام دے سکے۔ وہ کونسی خوبی ہے جو ہمارا بادشاہ

اپنے بندوں سی چاہتا ہی کیا وہ یہی نہیں۔ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ؟ پس کیا ایسا شخص اس خدمت کو بخوبی ادا کرسکیگا ؟ کیا وہ اس قابل ہوگا کہ اخلاص کا خراج اپنے بادشاہ کے حضور پیش کرے ؟ ہرگز نہیں۔ پھر کیا وجہ ہی کہ ایسے شخص کو جبرًا اسلام میں رکھا جاوی ؟

پس مولویصاحب کی اپنی ہی مثال مولویصاحب کو یہ سبق سکہاتی ہی کہ قبول اسلام کے بعد بھی ایمان کے معاملہ میں اکراہ جائز نہیں ہی۔ اگر ایک شخص اسلام سی الگ ہونا چاہتا ہی تو اسکو ہونے دو۔ اسکو جبر کرکے اسلام میں رکھنا اسلام کی خدمت نہیں بلکہ اسلام کو نقصان پہنچانا ہی۔ یہی وجہ ہی کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہی کہ مسلمانوں کی جماعت منافقین کے وجود سی ہمیشہ پاک اور صاف رہے۔

اس موقعہ پر یہ امر قابل ذکر ہی کہ قتل مرتد کے دعویداروں نے جسقدر دلائل قتل مرتد کی تائید میں پیش کئے ہیں ان سب میں یہ خوبی پائی جاتی ہے کہ وہ اسی زور کے ساتھ دیگر مذاہب کے پیروؤں کی طرف سی بھی پیش کئے جاسکتے ہیں اور انکی بناء پر ہر ایک مذہب کے پیرو کہہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ہماری مذہب کو چھوڑ کر اسلام قبول کریگا تو ہم پر واجب اور لازم ہی کہ ہم ایسے شخص کو قتل کردیں۔ مولوی صاحبان اپنے زعم میں اس امر کا ثبوت دیتے ہیں کہ اسلام میں مرتد کا قتل کرنا واجب ہے۔ مگر وہ اس امر کو بھولجاتے ہیں کہ جو دلائل وہ پیش کر رہے ہیں وہ جیسے مسلمانوں کی طرف سی پیش کئے جاسکتے ہیں اسی طرح مسیحیوں اور ہندوؤں کی طرف سی بھی پیش کئے جاسکتے ہیں۔ اور اگر مسلمانوں کا حق ہی کہ اسلام سے ارتداد اختیار کرنے والے کو قتل کردیں تو اسی طرح مسیحیوں اور ہندوؤں کا بھی حق ہی کہ وہ تمام ان لوگوں کو قتل کردیں جو انمیں سی اسلام قبول کریں۔

اس سی بھی بدتر یہ بات ہی کہ ان مولویصاحبان کے دلائل اگر صحیح تسلیم کئے جاویں تو ان سی ان کفار مکہ کی بھی تائید ہوتی ہی جنہوں نے ان لوگوں کو قتل کیا جو انمیں سی نکلکر اسلام قبول کرتے تھے اور جن کے دست تعدی کو روکنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو تلوار اٹھانیکا حکم دیا۔ اگر یہ دلائل درست ہیں تو نہ صرف مکہ کے صنادید مسلمانوں کو دکھ دینے میں حق پر تھے بلکہ یروشلم کے فریسی اور فقیہ اور نمرود اور فرعون اور وہ تمام لوگ حق پر تھے جنہوں نے اپنے اپنے زمانہ میں آبائی دین ترک کرنیوالوں کو دکھ دیا اور طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں۔ کیونکہ جو دلائل آج ریاست کابل کے امراء اور علماء کی فعل کی تائید میں پیش کئے جاتے ہیں وہی دلائل یہ لوگ اپنی تائید میں پیش کرسکتے تھے۔ اور یہی امر ان دلائل کے غلط ہونیکے لئے کافی دلیل ہے۔ کیونکہ ان سی ایسے افعال کی تائید ہوتی ہی جن کو اللہ تعالیٰ اپنی پاک کتاب میں ظلم اور تعدی قرار دے چکا ہے۔

کیا قتلِ مُرتد اسلام کو بے حُرمتی سے بچانے کیلئے ضروری ہی؟

ایک اور دلیل قتلِ مرتد کی تائید میں پیش کیگئی یہ ہی کہ اسلام کو بے حرمتی سے بچانیکے لئے مرتد کا قتل کرنا ضروری ہے۔ مولوی ظفر علیخان صاحب لکھتے ہیں :-

"ازبرائے خدا مجھے بتائیں کہ آخر اس قانون کو جسکا نام اسلام ہے بیحُرمتی سے بچانیکے لئے واضع قانون کو کسی تدبیر کے اختیار کرنے کا حق بھی حاصل ہی یا نہیں ؟"

میں مولویصاحب سے پوچھتا ہوں کہ اگر ایک غیر مذہب کا شخص انہی کے الفاظ میں ان سے یہی سوال کرے تو وہ اسکو کیا جواب دینگے ؟ ایک سناتن دھرمی راجہ اپنے ملک میں یہ قانون جاری کرتا ہی کہ جو شخص اسکی رعایا میں سے مسیحیت یا اسلام کو قبول کرے تو اسکو قتل کیا جائے۔ اور اسکی تائید میں یہی دلیل پیش کرتا ہی۔ کہ میں اپنے دھرم کا محافظ ہوں اور میرا فرض ہی کہ جو شخص اس مذہب کو ترک کر کے اسکی بیحُرمتی کرتا ہی میں اسکو سزا دوں اور اسطرح اپنے دھرم کو بے حرمتی سے بچاؤں۔ کیا مولویصاحب اسکے اس فعل کو اس دلیل کیوجہ سے جائز قرار دیں گے ؟ مولویصاحب ! آپ ایسے دلائل کیوں دیتے ہیں جن سے ظلم کی حمائت ہو۔ اس سے صاف ظاہر ہی کہ آپ ایک غلط عقیدہ کی تائید کر رہے ہیں۔ اسیوجہ سے جو دلائل آپ اسکی حمایت میں پیش فرماتے ہیں لامحالہ ان سے باطل کی حمائت پیدا ہوتی ہی۔

نیز آپنے اپنی دلیل میں بے حُرمتی کا لفظ غلط طور پر استعمال کیا ہی۔ اگر ایک شخص ایک مذہب کا پابند ہونیکا مدعی ہو اور اسکے تمام احکام کو درست مانتا ہو پھر وہ اسکے قوانین کی عمداً خلاف ورزی کرے تب کہا جائیگا کہ اسنے اس قانون کی بیحُرمتی کی ہی جبتک وہ ایک مذہب کا پیرو ہونیکا مدعی ہے اسپر لازم ہی کہ وہ اسکے قوانین کا احترام کرے اور خلاف ورزی کی صورت میں وہ اس بات کا مستحق ہی کہ اسپر مقررہ حدود جاری کیجاویں۔ لیکن اگر وہ اس مذہب کو ترک کر کے کوئی اور مذہب اختیار کرتا ہی تو وہ اس فعل کے ساتھ ہی اس مذہب کے دائرۂ عمل سے خارج ہو جاتا ہی۔ اسکی ایسی مثال ہی جیسے ایک شخص ایک حکومت سے نکل کر دوسری حکومت میں چلا جاتا ہی اور دوسری سلطنت کی رعایا میں اپنے آپکو داخل کر دیتا ہی۔ اب وہ پہلی حکومت کے قوانین کا پابند نہیں رہتا بلکہ نئی سلطنت کے قواعد اسپر نافذ ہونگے۔ ہاں ایک حکومت سے نکل کر دوسری حکومت کی رعایا بننے کے لئے نقل مکان کی ضرورت ہی۔ مگر ایک دین سے دوسرے دین میں جانے کے لئے کسی نقل مکان کی ضرورت نہیں صرف زبان کا اعلان اسکو ایک مذہب سے دوسرے مذہب کیطرف منتقل کرنیکے لئے کافی ہی۔ ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں داخل ہونیکے لئے کسی

سفر کی ضرورت نہیں کیونکہ مذاہب جغرافیہ کی حدود سے بالا ہیں۔ ظاہری سلطنتیں جغرافیہ کی حدود کے ذریعہ سے ایک دوسرے سے جدا ہیں اور ایک سلطنت سے دوسری سلطنت میں جانیکے لئے ضروری ہے کہ ان حدود کو طے کیا جاوے۔ لیکن مذاہب کی حکومتوں کو جغرافیہ کی حدود ایک دوسرے سے جدا نہیں کرتیں۔ دل کی تبدیلی سے انسان ایک مذہب سے دوسرے مذہب کیطرف چلا جاتا ہے اور زبان اس تبدیلی کا اعلان کرتی ہے اسکے بعد اب وہ اس شخص کی طرح ہو جاتا ہے جو ایک حکومت سے نکل کر دوسری حکومت کی ماتحتی اختیار کرتا ہے اس لئے وہ اپنے سابق مذہب کی حکومت سے باہر چلا جاتا ہے اسلئے اس مذہب کی حدود کا اسپر کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ مولوی ظفر علی خانصاحب خود ایک موقعہ پر اس اصل کو تسلیم کرتے ہیں اور ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرنا ویسا ہی سمجھتے ہیں جیسا ایک سلطنت سے نکلکر دوسری سلطنت کے ماتحت چلا جانا۔ اور اس صورت میں وہ اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ پہلے مذہب کے قوانین اسپر جاری نہیں ہو سکتے۔ مولویصاحب لکھتے ہیں :-

"جو شخص آج افغانستان میں سکونت پذیر ہے اور افغانستان کے قوانین کا پابند ہے اگر کل نقل مکان کر کے ہندوستان میں چلا آئے تو اسے عدالت و قانون کے افغانی شکنجہ میں نہ جکڑنا چاہیئے بلکہ اسکے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیئے جو انگریزی رعایا کے ساتھ ہوتا ہے"

مولوی صاحب شاباش! آپنے کیا ہی سچ کہا! اسی اصول پر میں کہتا ہوں کہ جو شخص آج ایک مذہب کے قوانین کا پابند ہے اگر کل تبدیل مذہب کر کے دوسری مذہب میں چلا جائے تو اسے پہلے مذہب کے قانون کے شکنجہ میں نہ جکڑنا چاہیئے بلکہ اسکے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیئے جو دوسرے مذہب کے پیروؤں کے ساتھ ہوتا ہے۔ پس اگر کوئی مسلمان ہندو یا عیسائی بنجائے تو آپ کے اصول ہی کیمطابق اس سے کوئی تعرض نہ کرنا چاہیئے۔

مرتد کس سلطنت کا باغی ہے؟

ایک اور دلیل جو قتل مرتد کی تائید میں پیش کیگئی ہے یہ ہے کہ ارتداد اسلام سے بغاوت کا نام ہے اور باغی کی سزا قتل ہے اسلئے مرتد کا قتل واجب ہے۔

اقول۔ قتل کا فتویٰ لگانیکے لئے جرم کی کیفیت کو صراحت کے ساتھ بیان کرنا چاہیئے اور وضاحت سے اسکی تعیین کرنی چاہیئے۔

مرتد کے لئے بغاوت کے جرم پر قتل کا فتویٰ دینے والے اپنا فتویٰ دینے سے پہلے ہمیں یہ بتائیں

کہ مرتد کس سلطنت کا باغی ہے؟ کیا مسلمانوں کی ظاہری سلطنت کا یا اسلام کی آسمانی بادشاہت کا؟ کیا ایک شخص محض اپنا دین بدلنے سے مسلمانوں کی ظاہری سلطنت کا باغی ہوجاتا ہے؟ کیا دوسرے دین کی پیروی بغاوت کو مستلزم ہے؟ ریاست کابل کی نسبت ہمیں بتایا جاتا ہے کہ وہاں مسلمانوں کے علاوہ کئی دیگر مذاہب کے پیرو بھی کثرت سے آباد ہیں اور وہ سب امیر کابل کی رعایا ہیں اور امن سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اب اگر ایک شخص ارتداد اختیار کر کے ہندو یا سکھ یا عیسائی ہوجاتا ہے تو اسکا یہ فعل مسلمانوں کی ظاہری سلطنت کے خلاف بغاوت کیونکر کہلا سکتا ہے؟ کیا رعایا کے ایک گروہ سے نکلکر دوسرے گروہ میں شامل ہوجانا بغاوت کہلاتا ہے۔ ایسے ظاہری سلطنت کے خلاف کونسا بغاوت کا جھنڈا کھڑا کیا ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ وہ اسلام کی آسمانی بادشاہت کا ضرور باغی ہے۔ مگر آسمانی بادشاہت کے باغیوں کو آسمانی بادشاہ خود سزا دیتا ہے۔ اس امر میں وہ ہمارا محتاج نہیں۔ اسکے لئے اسنے الگ انتظام کیا ہوا ہے۔ وہ خدمتگزاروں کو انعام دیتا ہے اور باغیوں کو سزا دیتا ہے۔ وفادار رعیت کو قرب کا انعام بخشتا ہے اور جنت کی نعمتیں عطا فرماتا ہے لیکن باغیوں کو جہنم کی آگ میں پھینکتا ہے اسی لئے وہ مرتدین کی نسبت فرماتا ہے:۔

(وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَأُولٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (بقرہ ع ۲۷) پس مرتد ہماری ظاہری سلطنت کے باغی نہیں وہ آسمانی بادشاہت کے باغی ہیں۔ ایسے باغیوں سے ظاہری سلطنت کو کوئی سروکار نہیں۔ ان کا معاملہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ وہ خود ہی ان سے نپٹ لیگا۔ ہمارے سپرد صرف انہی امور کا انتظام ہے جن کا تعلق تمدن سے ہے۔

پھر میں کہتا ہوں کہ صرف مرتد ہی اسلام سے باغی نہیں بلکہ ہر ایک ایسا شخص جو اسلام کو قبول نہیں کرتا اسلام سے باغی ہے۔ اسلام کی سلطنت صرف ان لوگوں تک محدود نہیں جو اس کو قبول کرتے ہیں بلکہ اسکے حدود روئے زمین کے کناروں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ جن و انس سب اسکی رعایا میں داخل ہیں اور تمام دنیا کی قومیں اسبات کی پابند ہیں کہ اسکے آگے سر تسلیم خم کریں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک قوم یا ایک ملک یا ایک زمانہ کیلئے نہیں۔ بلکہ تمام قوموں اور تمام ملکوں اور تمام آنیوالے زمانوں کیلئے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ آپکی دعوت تمام دنیا کی طرف ہے۔ اور آپ کی کتاب کل عالم کیلئے نازل ہوئی اور آپکا دین روئے زمین کے ہر فرد بشر کے لئے قائم کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا (سبا ع ۳) پھر فرماتا ہے۔ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (اعراف ع ۲۰) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کل

دنیا کیلئے مبعوث ہوئے تو دنیا کی تمام قوموں کا فرض ہے کہ وہ آپکو قبول کریں۔ اور جن قوموں نے قبول نہیں کیا وہ بھی اسلام سے ایسی ہی باغی ہیں جیسے مرتد باغی ہیں۔ پس اگر اسلام سے بغاوت کی سزا قتل ہے تو دنیا کے تمام کفار کو قتل کرنا چاہیئے نہ صرف مرتدین کو۔ مرتدین میں اور دوسرے کفار میں صرف اتنا ہی فرق ہے کہ مرتدین نے ایکدفعہ اطاعت قبول کرکے پھر سرکشی اختیار کی اور دوسرے کفار ابتداء ہی سے سرکش رہے اور اطاعت سے سرے سے ہی انکار کر دیا۔ پس اگر کسی ظاہری سلطنت کیطرف سے ایسے سرکشوں کی سرکوبی کی ضرورت ہوتی تو نہ صرف مرتدین اس سرکوبی کے مستحق تھے بلکہ تمام کفار کی سرکوبی ضروری تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں نہ کفر کی سزا مقرر فرمائی ہے نہ ارتداد کی۔ بلکہ دونو کی سزا کیلئے آخرت میں جہنم تیار کیا گیا ہے۔ اس دنیا میں کفار اور مرتدین ہر دو کو صرف اسی صورت میں سزا دی جائیگی جب وہ اسلامی سلطنت کا مقابلہ کریں یا اسلامی سلطنت کی حدود میں فساد کے مرتکب ہوں۔ ورنہ محض کفر یا ارتداد کیلئے اس دنیا میں کوئی سزا مقرر نہیں۔ دونو کیلئے اللہ تعالیٰ صرف آخرت کی سزا بیان فرماتا ہے اور بس۔ اگر صرف مرتد کو قتل کیا جاوے اور باقی کفار سے کوئی تعرض نہ کیا جاوے تو اس سے یہ سمجھا جاویگا کہ چونکہ مرتد اکا دکا مسلمانوں کے قابو میں ہوتا ہے اسلئے اسکو تو قتل کر دیتے ہیں اور باقی کفار چونکہ ایک جمعیت رکھتے ہیں اور انکو قتل کرنا آسان کام نہیں اسلئے انکو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

آزادی ضمیر اور کابل کی سنگساریاں

آزادی ضمیر کے اصول پر جرح کرتے ہوئے حامیان قتل مرتد نے ایک اعتراض یہ کیا ہے کہ اگر آزادی ضمیر کا پیش کردہ اصول درست ہے تو کابل کی سنگساریوں پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا ایک مولویصاحب فرماتے ہیں :-

"جن لوگوں کی آزادی ضمیر قتل مرتد کا فتوای دے رہی ہے وہ اپنی آزادی کی نمائش کے لئے کہاں جائیں ؟ اگر آزادی ضمیر کا مطلب یہی ہے کہ ہر شخص جو چاہے کہے اور جو چاہے کرے تو پھر افغانستان کے ان لاکھوں باشندوں پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے جو تہ دل سے قتل مرتد کے معتقد ہیں؟" کیا ان پر اعتراض انکی آزادی ضمیر سے تعرض نہیں ہے؟

پیشتر اسکے کہ میں مولویصاحب کے سوال کا جواب دوں میں ان سے پوچھتا ہوں کہ آزادی ضمیر کے وہ معنے کس نے کئے جن کی بناء پر آپ اعتراض کر رہے ہیں۔ کس نے کہا کہ آزادی ضمیر کے یہ معنے ہیں کہ ہر شخص جو چاہے کہے اور جو چاہے کرے؟ اگر حامیان عدم قتل مرتد نے ایسا نہیں لکھا تو دنیا کی کسی اور قوم کا نام لو جو آزادی ضمیر کے یہ معنے کرتی ہو جو آپ نے اس کیطرف منسوب کرکے ان پر اعتراض قائم کرنے شروع کر دئے ہیں۔

عدم قتل مرتد کے قائلین کا تو اس سے زیادہ کوئی دعویٰ نہیں کہ اختلاف عقائد کیلحاظ یا محض کفر یا ارتداد کیوجہ سے سزا نہیں دینی چاہیئے۔ میں اس امر کی اوپر تشریح کر چکا ہوں اسلئے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ آزادی ضمیر کا یہ مطلب نہیں کہ جسکو چاہے قتل کرے جسکو چاہے ذلیل کرے جس کا چاہے مال چھین لے جسکا چاہے حق دبالے۔ دیکھو سلطنت برطانیہ نے اپنی رعایا کو مذہبی آزادی دے رکھی ہے۔ مگر باوجود اس مذہبی آزادی کے وہ کسی ہندو عورت کو اجازت نہیں دیتی کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ستی ہو جائے۔ نہ کسی ہندو کو یہ اجازت دیتی ہے کہ وہ کسی انسان کی قربانی کرے کیونکہ اسکا اثر تمدن پر اور دوسروں کے حقوق پر پڑتا ہے اور آزادی ضمیر کا یہ منشا نہیں کہ انسان اپنے خیال کے مطابق لوگوں کے حقوق بھی دبالے۔ پس اگر افغانستان کی آبادی یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ مرتد کو قتل کرنا واجب ہے تو یہ عقیدہ انکو مبارک ہو لیکن انکو یہ آزادی حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے عقیدہ کو اس طور پر عملی جامہ پہنائیں کہ دوسرے لوگوں کے جان و مال اور عزت کا نقصان کریں۔ مولویصاحب! افغانستان کی آبادی کا تو یہ بھی عقیدہ ہوگا کہ ایک انگریز کافر کا قتل کرنا انسان کو سیدھا جنت میں لیجاتا ہے چنانچہ بعض اوقات خود انگریزی علاقہ میں بعض افغانوں نے اپنے اس عقیدہ کیمطابق بے گناہ انگریز عورتوں اور مردوں کو قتل کرکے بہشت حاصل کرنیکی کوشش بھی کی ہے۔

اب مولویصاحب فرماویں کہ اگر ایک افغان ایک انگریز کو صرف اسکے کفر کیوجہ سے اسلئے قتل کر دے کہ وہ تہ دل سے اس امر کا معتقد ہے کہ ایک انگریز کافر کا قتل انسان کو جنت میں پہنچا دیتا ہے۔ تو کیا مولویصاحب انگریزی عدالت میں اسکی طرف سے وکالت کرتے ہوئے یہ دلیل پیش کرینگے کہ انگریزی سلطنت آزادی ضمیر کے اصول کو صحیح تسلیم کرتی ہے اسلئے وہ ایک افغان کے اس فعل کو محل اعتراض قرار نہیں دے سکتی۔ آخر جن لوگوں کی آزادی ضمیر اس امر کا فتویٰ دیتی ہے کہ ایک انگریز کافر کو قتل کرنا کار ثواب ہے وہ اگر انگریزوں کو قتل نہ کریں تو اپنی آزادی ضمیر کی نمائش کیلئے کہاں جائیں۔ کیا ایسی دلیل پیش کرتے ہوئے جج مولویصاحب کی اس دلیل کو ان کے خلل دماغ کیطرف منسوب کرکے انکو پاگل خانہ میں نہیں بھیجدیگا؟

کیا مولویصاحب ایک ہندو کو یہ ترغیب دے سکتے ہیں کہ تم بیشک اپنے عقیدہ کے مطابق انسانی قربانی کی رسم ادا کرو میں تمہاری طرف سے جھگڑونگا کہ ایسے شخص کو سزا دینا مذہبی آزادی کا چھیننا ہے۔ کیا مولویصاحب ایک ہندو بیوہ کو جسکا خاوند ابھی مرا ہے اور اسکی لاش مرگھٹ کی طرف اٹھا کر لیجارہے ہیں یہ تلقین کرینگے کہ تو ضرور اپنے خاوند کی چتا میں کود کر ستی کی رسم ادا کر۔ اگر کوئی تجھے روکیگا تو میں تیری طرف سے پریوی کونسل تک لڑونگا کہ ایک ہندو استری کو ستی کی مقدس رسم کے ذریعہ اپنی وفاداری اور جانثاری کا ثبوت دینے سے روکنا مذہبی امور میں دخل اندازی ہے جو ملکہ وکٹوریا کے شاہی اعلان

کے بالکل خلاف ہی۔

میں پھر مولویصاحب کو یاد دلاتا ہوں کہ جس آزادی ضمیر کی قرآن شریف تعلیم دیتا ہی اور جس کی صحت کو تمام مہذب دنیا تسلیم کرتی ہی اسکا صرف یہی مطلب ہے کہ اگر ایک شخص کوئی خاص عقیدہ رکھتا ہی تو محض اسکے عقیدہ کی بنا پر اسکو سزا نہیں دینی چاہیئے اور اسپر کسی طرح کا جبر کرنا چاہیئے۔ اسی طرح اس عقیدہ کی بنا پر اگر وہ کوئی ایسا کام کرتا ہی جسکا اثر صرف اسکی ذات تک محدود ہے دوسروں کے مال و جان و عزت پر اسکا کوئی اثر نہیں تو ایسے فعل کے لئے بھی ہمیں اسے کسی قسم کی سزا دینے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ ہاں سمجھانا ہمارا فرض ہے اگر وہ نہ سمجھے تو آخرالحیل السّیف پر عمل نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ اسکا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ خدا تم خود اس سے پوچھ لیگا کسی عقیدہ کیوجہ سے سزا دینا ہمارا کام نہیں۔ حکومت صرف اسی وقت دخل دے سکتی جب وہ لوگوں کے مال یا جان یا عزت یا دوسروں کے حقوق پر حملہ کرے اور تمدن دنیا میں خلل انداز ہو۔

قتل مرتد اور حفاظتِ اسلام

مولوی شبیر احمد صاحب دیوبندی قتل مرتد کی تائید میں ایک بڑی بھاری دلیل یہ دیتے ہیں کہ حفاظت اسلام میں اس سے بڑی مدد ملے گی۔ قتل مرتد کے جواز یا وجوب کی صورت میں یہ اعتراض کیا گیا ہی کہ اگر مسلمان حکومتیں یہ قانون بنائیں کہ جو شخص اسلام میں سے نکلکر کوئی غیر مذہب مثلاً مسیحیت وغیرہا کو قبول کریگا تو اسکو قتل کیا جائیگا۔ اور اسی بنا پر یہ قاعدہ بھی جاری کریں کہ غیر مسلموں کو انکے ملک میں اپنے مذہب کی تبلیغ کرنیکی اجازت نہیں۔ تو اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ غیر مسلم سلطنتیں بھی اسلام کے خلاف ایسا ہی قانون جاری کرینگی اور اسلام کی اشاعت کا کام بند ہو جائیگا۔

اس اعتراض کے جواب میں مولویصاحب فرماتے ہیں کہ اول تو اگر وہ ایسا کریں تو ہم انکو حق بجانب نہیں کہہ سکتے کیونکہ انکا مذہب جھوٹا ہی اور ہمارا سچا۔ تاہم یہ ضرور ہی کہ وہ ایسا کر گزریں تو ہم انکو روک بھی نہیں سکتے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک طرف اگر تو مسلموں کا سلسلہ رک جائیگا تو دوسری جانب پر اپنے مسلمانوں کا اسلام سے نکلنا بھی بند ہو جائیگا۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ موجودہ دولت کی حفاظت غیر موجود دولت کی تحصیل سے اہم اور مقدم ہے۔"

معلوم ہوتا ہی مولوی صاحب نے یہ سبق ہندوؤں سے سیکھا ہی ہندوؤں کو چونکہ اپنی کمزوری کا علم ہی اسلئے انکو یہ تو امید نہیں تھی کہ میدان میں نکلکر کسی توحید پرست مذہب پر فتح پالیں گے سو اسلئے انہوں نے یہ فیصلہ کر دیا کہ کسی غیر کو اپنے مذہب میں داخل ہی نہ کیا جائے اور اپنی موجودہ دولت کی ہر طرح حفاظت کیجائے۔ اور اسی غرض کے حاصل کرنیکے لئے انہوں نے چھوت چھات وغیرہ کے قواعد جاری کر دئیے

تاکسی طرح ہماری حاصل شدہ دولت ہمارے ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ مگر اسلام ہندو مذہب کی طرح نہیں ہے وہ ایک فاتح مذہب ہے، اس کے ہاتھ میں سچائی کی تلوار ہے اور کسی میں طاقت نہیں کہ اسکے سامنے ٹھہر سکے! اس کو اس امر کی ضرورت نہیں کہ وہ اس خوف سے کہ کہیں اسکی دولت چھینی نہ جائے اپنے گھر کے دروازے غیروں پر بند کر دے اسکو اس امر کی ضرورت نہیں۔ کہ وہ غیر مذاہب کے مشنریوں سے اپنی دولت کو بچانے کے لئے اپنے گھر کے دروازے بھی بند کر دے اور اپنی چار دیواری کے اندر محصور ہو کر بیٹھ جائے۔ یہ تو کمزوری کی علامت ہے۔ اسکے ہاتھ میں ایک تلوار ہے جس کے سامنے ایک تثلیث پرست مشنری ایک لمحہ کے لئے بھی ٹھہر نہیں سکتا۔ پھر اسکو کیا ضرورت ہے کہ وہ ایسا طریق اختیار کرے جس کا نتیجہ یہ ہو کہ اسکی فتوحات کا سلسلہ ہمیشہ کیلئے بند ہو جائے۔ وہ جو دلائل کے ساتھ غیر ممالک کو فتح کر سکتا ہے اسکو کیا ضرورت ہے کہ وہ اپنے اردگرد چار دیواری کھینچ کر گھر میں محفوظ ہو کر بیٹھ جائے۔ وہ گھر سے باہر نکلے گا اور دشمنوں کو شکست پر شکست دیگا اور نئے ممالک کی تسخیر کر کے اپنے علاقہ کو وسعت دیگا۔ اور اگر اسکے علاقہ پر کوئی دشمن حملہ آور ہوگا تو وہ اسی دلائل کی تلوار سے اسکو بھی شکست دیگا۔ وہ قلعہ جس میں اسلام محفوظ ہے وہ دلائل اور سچائی کا قلعہ ہے۔ اسکو اپنی حفاظت کیلئے ایسی کچی دیواروں کی ضرورت نہیں جنکو دشمن اپنی ظاہری بازو کی قوت سے توڑ سکے۔ یہ دیوار جو مولویصاحب اسلام کے گرد کھینچنا چاہتے ہیں یعنے غیر مذاہب کے مشنریوں کو اسلامی علاقوں میں داخل ہونے سے روک دینا یہ تو نہایت ہی بودی دیوار ہے جسکو دشمن اپنی ظاہری بازو کی قوت سے توڑ سکتا ہے۔ بلکہ یہ دیوار تو اس سے قبل ہی ٹوٹ چکی ہے۔ اگر اسی دیوار پر اسلام کی حفاظت کا دارومدار تھا تو اب اسلام کی خیر نہیں کیونکہ یہ دیوار تو ہر طرف سے ٹوٹی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہ تو زمین سے پیوست ہو چکی ہے۔ یہ تو اسلام کی دولت کو نہیں بچا سکتی۔ ہندوستان میں کئی کروڑ مسلمان ہیں۔ اب ہندوستان کی دولت کو مولویصاحب کس طرح دیوار کے ذریعہ بچائینگے؟ کیا مولوی صاحب کے ہاتھ میں طاقت ہے کہ ہندوستان کے اردگرد کوئی ایسی دیوار کھینچیں کہ ہندوستان کی حدود کے اندر کوئی مشنری گھسنے نہ پائے؟ کیا مولویصاحب کے ہاتھ میں کوئی ایسی تلوار ہے جس کے زور سے وہ ان مشنریوں کی فوجوں کو جو اسوقت ہندوستان میں غارت گری میں مصروف ہیں ہندوستان سے باہر نکال سکیں؟ کیا ایران کے اردگرد یا مصر کے حدود پر یا شام کے ساحل پر یا عراق کے کناروں پر یا خود استنبول میں جو "خلیفۃ المسلمین" کا تخت گاہ رہ چکا ہے مولوی صاحب کوئی ایسی سدِ سکندری کھڑی کر سکتے ہیں کہ مسیحی مشنری ان علاقوں میں گھس نہ سکے اور اسطرح ہماری موجودہ دولت محفوظ رہ سکے؟ مولویصاحب! اگر یہی دیوار تھی جو آپکی دولت کی محافظ تھی تو یہ دیوار تو اب مسمار ہو کر خاک میں مل چکی ہے۔ اب آپ اپنی دولت کو کہاں چھپائیں گے۔ کیا صرف افغانستان کی چار دیواری کے اندر تمام اسلامی دنیا پناہ لے سکتی ہے؟ مولویصاحب آپکو معلوم ہونا چاہیئے کہ

اللہ تعالیٰ نے اسلام کی حفاظت کا انحصار ان دیواروں پر نہیں رکھا بلکہ وہ دیوار جس کے اندر اسلام محفوظ ہی وہ صداقت کی دیوار ہی جسکو کوئی غنیم توڑ نہیں سکتا۔ اسلام کی حفاظت کیلئے کسی ظاہری تلوار کی ضرورت نہیں۔ اسلام امیر امان اللہ خاں کی تلوار کا محتاج نہیں۔ یہ لوگ تو خود اپنے تئیں دشمنوں سے بچا نہیں سکتے یہ اسلام کو کیا بچائیں گے۔ اسلام کا محافظ خود اس کی اپنی سچائی ہی۔ مگر مولویصاحبان خود اس نور سے محروم ہیں۔ انکو اس طاقت کا علم نہیں جو اسلام میں پائی جاتی ہی۔ اسلئے انکی نظر پھر پھرا کر آخر تلوار ہی پر جا پڑتی ہی! اور انہوں نے تلوار کو ہی اسلام کا محافظ سمجھہ رکھا ہے۔

مولویصاحب کا یہ کہنا کہ اگر اشاعت اسلام رکتی ہی تو رکنے دو۔ موجودہ دولت کی حفاظت مقدم ہے۔ اسلئے ہم غیر مذاہب کے مبلغین کو اسلامی ملکوں میں گھسنے نہیں دینگے۔ ایک اور لحاظ سے بھی غلط ٹھہرتا ہے کیونکہ اسلام تمام دنیا کے لئے ہی اور جیسا ہمارا یہ فرض ہی کہ ہم موجودہ دولت کی حفاظت کریں اسی طرح ہمارا یہ بھی فرض ہی کہ بیرونی دنیا میں بھی اسلام کی تبلیغ کریں۔ اسلئے کوئی ایسا حکم اسلامی حکم نہیں کہلا سکتا جس کا نتیجہ یہ ہو کہ بیرونی دنیا میں اشاعت اسلام کا سلسلہ بند ہو جائے۔ یہ کس طرح ممکن ہی کہ ایک طرف اسلام ہمیں یہ حکم دے کہ تمام دنیا میں تبلیغ اسلام کرو اور دوسری طرف ایسا حکم دی جسکا لازمی نتیجہ یہ ہو کہ تبلیغ اسلام کا سلسلہ رک جائے۔ لیکن اگر مولوی صاحب کے مشورہ پر عمل کیا جاوی تو اس کا ضروری نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ صرف اسلام آیندہ ترقی کرنے سے رک جائیگا بلکہ مسلمانوں کی موجودہ تعداد بھی ہندؤں کی طرح روز بروز گھٹتی جائیگی۔ اور اگر مولوی صاحبان کے فتاوی کفر و قتل مرتد پر پوری طور پر عمل کیا گیا تو مسلمان بہت جلدی دنیا سے مٹ جائیں گے۔ کیونکہ ایکطرف تو ترقی رکی ہوئی ہوگی۔ اور دوسری طرف علماء کی طرف سے تذلیل اور کافر بنانے کا سلسلہ جاری رہ کر (جیسا کہ تجربہ سے ثابت ہو چکا ہی) مسلمانوں کی رہی سہی تعداد کو بھی کم کرتا جائیگا۔

آؤ مولویصاحب! میں آپکو سمجھاؤں کہ اسلام کی حفاظت کا حقیقی ذریعہ کیا ہی جس کے اختیار کرنے سے آپ اسبات پر مجبور نہیں ہونگے کہ اسلام کی تبلیغ کرنا چھوڑ دیں مسلمانوں کو سچے مسلمان بناؤ۔ غیر مذاہب کے مشنریوں کا لوہے کی تلوار سے نہیں بلکہ اسلامی صداقت کی تلوار کی ساتھ مقابلہ کرو تا وہ شکست کھا کر بھاگ جائیں اور آپکے سامنے اپنا منہ نہ دکھا سکیں۔ اور پھر آپ غیر اقوام میں ہر ایک ممکن ذریعہ سے تبلیغ کریں اور اسلام کا چمکتا ہوا چہرہ دکھائیں تا وہ اسلام پر جان و دل سے قربان ہو کر کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے فوج در فوج اسلام میں داخل ہوں۔ مگر آپ سچے نہیں۔ آپ سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آپ خود اسلام سے دور ہو گئے ہیں اور اب آپکا اسلام وہ اسلام

نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے اور غیر قوموں کو زندہ اسلام کا پیارا چہرہ دکھانے کے لئے مسیح موعود کو بھیجا۔ اب انشاء اللہ یہ کام مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت کے ذریعہ ہوگا۔ وَمَا تَوْفِیْقُنَا اِلَّا بِاللّٰہِ ؎

قتل مرتد اور عقل

حامیانِ قتل مرتد نے یہ امر نہایت سختی کے ساتھ محسوس کیا ہے کہ قتل مرتد ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے فطرت انسانی کراہت کرتی ہے اور جسکو عقل سلیم دھکے دیتی ہے۔ جیسا کہ انہوں نے خود بھی صریح الفاظ میں تسلیم کیا ہے قتل مرتد کے یہ معنے ہیں کہ لوگوں پر دین کے معاملہ میں سختی اور شدت کے ساتھ جبر کیا جاوے۔ اور جبر ایک ایسی چیز ہے جسکو نہ صرف قرآن شریف ناجائز قرار دیتا ہے بلکہ عقل انسانی بھی اسکو نہایت ہی نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اس لئے ان بزرگوں نے اپنا سارا زور لگانے اور اپنی ساری قوت خرچ کر دینے کے بعد اس امر کو اپنی ساری طاقت سے بالا پایا کہ اسکو عقلی پہلو سے درست اور صحیح ثابت کر سکیں۔ سو آخر کار تھک کر خود عقل کو ہی جواب دینے کی کوشش کی۔ مولوی شاکر حسین صاحب سہوانی "شرعی احکام اور عقل" کے عنوان کے ماتحت لکھتے ہیں :-

"فاضل مضمون نگار کو استعجاب ہے کہ جب جبر کے ذریعہ سے کوئی مسلمان نہیں بنایا جاتا تو مسلمان رکھنے کے لئے جبر کا حکم کیونکر دیا جا سکتا ہے؟ مگر اس حقیقت واقعی کو کیا کیا جائے کہ اسلام کا صحیح اور نافذ حکم یہی ہے اور اسمیں کیونکر اور کیسے کی گنجائش نہیں۔ اول تو اس حکم میں عقل سے کچھ استبعاد نہیں۔ اگر ہو بھی تو لازمی نہیں ہے کہ جملہ احکام شریعت پر ہمارا فلسفی و منطقی استدلال منطبق ہو سکے۔ یا ہم انکی علت دریافت کرنے کا حق رکھتے ہوں۔

مولوی ظفر علی خانصاحب اس امر کے تسلیم کرنے سے تو گریز نہیں کر سکے کہ اسلام حق و باطل کے پرکھنے کیلئے عقل کو ایک کسوٹی قرار دیتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ اپنے دل میں خوب سمجھتے تھے کہ وہ قتل مرتد کے مسئلہ کو عقل کی کسوٹی پر پرکھکر صحیح ثابت نہیں کر سکتے۔ اس لئے عقل کی بحث میں انہوں نے پوری کوشش کی ہے کہ اس معیار سے اس مسئلہ کو نہ جانچا جائے۔

مسٹر گاندھی کے اس مطالبہ کے جواب میں کہ کسی اصول موضوعہ کو عالمگیر حیثیت سے تسلیم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اسی عقل کی حق و باطل کو پرکھنے والی کسوٹی پر کسا جائے۔ مولوی صاحب

لکھتے ہیں:-

"اس اصول سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اور تمام ادیان و شرائع میں اسلام سب سے پہلا مذہب ہے جس نے حق و باطل کے امتیاز کا یہ اصول پیش کیا اور اسی پر اپنی قبولیت و عدم قبولیت کا انحصار رکھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ عقل کی حق و باطل کو پرکھنے والی کسوٹی کیا ہوگی۔ ۔ ۔ اگر ہر فرد کی مسوخ عقل ہر دین و شریعت اور ہر نظام و آئین کی صحت و عدم صحت کی کسوٹی بن جائے تو آج دنیا میں ایک نظام اور ایک شریعت قائم نہ رہے۔ ایک بت پرست اپنے ہاتھ سے پتھر کی مورت تراشتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ پھر کیا اس بت پرست کی عقل رب المشرقین و المغربین کے تسلیم و عدم تسلیم کا معیار بن سکتی ہے۔ ایک چور اپنے ہمسایوں کے مال و متاع کا احترام ملحوظ نہیں رکھتا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پھر کیا حد سرقہ کے لئے اس چور کی نادرست عقل کسوٹی بن سکتی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ غرضکہ اس قسم کی صدہا مثالیں پیش کیجا سکتی ہیں جنکی بنا پر آپکو تسلیم کرنا پڑے گا کہ حق و باطل کے پرکھنے والی عقل کی بھی خاص حدیں ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک ایسی عقل کی تلاش کرنی پڑیگی جس کے پیش نظر کائنات انسانیت کی فلاح و بہبود ہو۔ جو بنی آدم کے امن و امان اور راحت و آسائش کی حفاظت کے فرائض کو پوری طور پر محسوس کرتی ہو۔ اور فتنہ و فساد اور بغض و عداوت کی شر انگیزیوں کے سدباب میں انسانی دماغ، انسانی ذہنیت اور انسانی جذبات و حسیات سے تجاوز کرتی ہو۔ یعنی انسانیت کو انسان سمجھتی ہو۔ ایسی ہی عقل کی بنا پر قتل مرتد کے حکم کا اندازہ کرنا چاہیئے۔ لیکن اس باب میں حکم بننے کے لئے اس عقل کا معیار کیونکر صحیح مانا جاسکتا ہے۔ جو کائنات انسانیت تو ایک طرف رہی اسکے ایک ٹکڑے یعنے اہل ہند کے گزشتہ چار پانچ سال کے معاملات میں خود اپنے قول کے مطابق ہمالیہ جتنی بڑی غلطیاں کر چکی ہے۔"

مندرجہ بالا اقتباس میں مولوی صاحب نے مسٹر گاندھی کے آگے ایک ایسی شرط پیش کر دی ہے جسکو وہ پورا کر سکیں گے اور قتل مرتد کے مسئلہ کو معقولی رنگ میں درست ثابت کرنیکی نوبت آئیگی۔ مولوی صاحب مسٹر گاندھی کو کہتے ہیں کہ اگر تم قتل مرتد کا معقولی ثبوت ہم سے چاہتے ہو تو جاؤ دنیا میں پھرو۔ اور روئے زمین کے مشرق و مغرب میں چکر لگاؤ اور کسی ایسی عقل کی تلاش کرو جو بنی آدم کی راحت و آسائش کی حفاظت کے فرائض کو پوری طور پر محسوس کرتی ہو اور بغض و عداوت کی شر انگیزیوں کے سدباب میں انسانی

دماغ نا انسانی ذہنیت اور انسانی جذبات و حسیات سے تجاوز کرتی ہو۔ اور پھر اسمیں یہ خوبی ہو کہ اسنے تمام کائنات انسانیت کے عمر بھر کے معاملات میں کبھی غلطی نکی ہو ظاہر ہے کہ نہ مسٹر گاندھی کی ایسی عقل کو پیش کر سکیں گے اور نہ مولوی صاحب کو اس امر کی ضرورت پیش آئے گی کہ قتل مرتد کو معقولی رنگ میں صحیح ثابت کریں۔ چلو چھٹی ہوئی۔ نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچیگی۔

مولویصاحب! اگر عقل کی حق باطل کو پرکھنے والی کسوٹی ایسی ہی نایاب چیز ہے تو اسلام نے خود آپکے اقرار کے بموجب حق و باطل کے امتیاز کا یہ اصول کیوں پیش کیا۔ اور آپکے بیان کے بموجب اسی پر اپنی قبولیت و عدم قبولیت کا انحصار کیوں رکھا؟ کیا اپنی سچائی کے جانچنے کے لئے کوئی ایسا معیار پیش کرنا جسکا حاصل ہونا ناممکنات سے ہو عمداً دنیا کو دھوکہ دینا نہیں ہے؟ کیا یہ اسبات کی دلیل نہیں ہے کہ اس معیار کو پیش کرنیوالا در اصل اپنے دعوٰی میں جھوٹا ہے اور دنیا کو فریب دیتا ہے کیونکہ وہ اپنے دعوٰی کی صحت کے جانچنے کے لئے ایک ایسا معیار پیش کرتا ہے جس کے ذریعہ اس کے بیان کی سچائی پرکھنا ہی ناممکن ہے۔

پھر میں مولویصاحب سے پوچھتا ہوں کہ انہوں نے اور انکے ہمنوا مولویصاحبان نے اسلام کو کیوں اختیار کر رکھا ہے کیا اسلئے کہ وہ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئے یا انہوں نے عقل کی حق و باطل کو پرکھنے والی کسوٹی سے اسلام کو جانچ کر دیکھ لیا ہے کہ یہ سچا دین ہے؟ اگر امر اوّل انکے مسلمان رہنے کی وجہ ہے تو اس صورت میں میرا ان سے کوئی مطالبہ نہیں۔ لیکن اگر انہوں نے عقل کی حق و باطل کو پرکھنے والی کسوٹی سے اسلام کو جانچ کر دیکھ لیا ہے کہ یہ ایک سچا دین ہے۔ تو پھر میں ان سے پوچھتا ہوں کہ کیا ان سب کی عقلوں میں وہ سب صفات موجود ہیں۔ جو مولویصاحب نے تجویز فرمائے ہیں اور کیا انکی عقلوں نے کبھی رائی برابر بھی کوئی غلطی نہیں کھائی۔ اگر مولوی ظفر علی خانصاحب اور انکے ہمخیال علماء اپنی عقل کے ذریعہ اسلام کی صداقت کو جانچ سکتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ دوسرے لوگ اسلام کے صرف ایک حکم کی معقولیت کو بھی اپنی عقل کے ذریعہ جانچ نہ سکیں۔

اصل بات یہ ہے کہ عقلی معیار سے کسی خاص انسان کی شہادت مراد نہیں بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ کسی امر کے ثبوت میں ایسے دلائل پیش کئے جاتے ہیں جو انسانی عقل سے اپیل کرتے ہیں۔ ایسی دلائل اگر صحیح اور زبردست ہونگے تو انکا اثر ہر ایک غور کرنے والے انسان کے دل پر ضرور پڑیگا۔ خواہ اسکی عقل ہمالیہ جتنی بڑی غلطیاں کر چکی ہو۔ خواہ وہ چوری کا عادی ہو یا بت پرستی کی بلا میں مبتلا ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ رسم و رواج کی پابندی کیوجہ سے یا تعصب یا ضد کیوجہ سے یا کسی اور بیرونی

امر کے ماتحت ایک امر حق کو قبول نکرے۔ لیکن ایک زبردست اور مضبوط دلیل کو سنئے۔ لو وخالی الذہن ہو کر اسپر غور اور تدبر کرنے سے اسکا دل ضرور شہادت دیگا کہ بات تو سچی ہے۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت تمام عرب شرک اور بت پرستی کے گہرے سمندر میں غرق نہیں تھا؟ کیا عرب میں ڈاکہ مارنیوالے اور انسانوں کو بیدریغ قتل کرنیوالے انسان موجود نہ تھے؟ پھر وہ کیا چیز تھی جسنے ان کے دلوں کو فتح کرلیا اور انکو اسلام کا عاشق اور جان نثار غلام بنادیا؟ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی زبردست دلائل ہی تھے جنہوں نے انکے دلوں کو یقین دلادیا کہ یہ مدعی اپنے دعوی میں راستباز ہے۔ وہ بتوں کو پوجتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے قرآن شریف کے زبردست دلائل کو سنا تو انکے دلوں نے شہادت دی کہ بت بیجان پتھروں سے زیادہ کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے۔ انہوں نے اپنے بتوں کو توڑا اور کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے اسلام میں داخل ہوے۔

غرض جب مسٹر گاندہی نے مولوی صاحب سے عقلی معیار پر قتل مرتد کے حکم کو جانچنے کا مطالبہ پیش کیا تھا تو اس سے انکی یہ مراد نہ تھی کہ وہ اسکی معقولیت کیمتعلق زید یا بکر کی شہادت پیش کریں بلکہ انکا مطالبہ یہ تھا کہ وہ اسکی تائید میں ایسے دلائل پیش کریں جن سے ہر ایک غور کرنے والا انسان یہ سمجھ سکے کہ قتل مرتد ایک نہائت ہی معقول حکم ہے اگر ان دلائل سے مسٹر گاندہی کو کچھہ فائدہ نہوتا تو کم از کم دوسرے انصاف پسند اور غور کرنیوالے انسان تو مولویصاحب کے زبردست عقلی دلائل کو سنکر عش عش کر اٹھتے اور اس امر کے تسلیم کرنے پر مجبور ہوتے کہ قتل مرتد واقعی ایک نہائت ہی معقول اور پسندیدہ حکم ہے۔ مگر مولویصاحب نے یہ راہ ہی اختیار نہیں کی بلکہ الٹا مسٹر گاندہی کو گالیاں دینے پر اتر آئے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ :-

"تمہاری عقل تو صرف ہندوستان کے معاملات میں ہمالیہ جتنی بڑی غلطیاں کرنیکی عادی ہے تم کسطرح اس حکم کی معقولیت کو سمجھ سکتے ہو۔ کوئی ایسی عقل پیش کرو جو تمام کائنات آفرینش کے ساتھ معاملہ رکھتی ہو اور اسنے اپنی ساری عمر میں ایک مرتبہ بھی رائی برابر بھی غلطی نہ کی ہو ایسی عقل اسبات کے سمجھنے کے قابل ہوگی کہ قتل مرتد ایک نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا حکم ہے۔"

مولوی ثناءاللہ حسین صاحب سہسوانی ایڈیٹر کامریڈ کے اس سوال کے جواب میں کہ جب جبر کے ذریعہ کوئی مسلمان نہیں بنایا جاتا تو مسلمان رکھنے کیلئے جبر کا حکم کیونکر دیا جاسکتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ :-

"اس حقیقت واقعی کو کیا کیا جاوے کہ اسلام کا صحیح اور نافذ حکم یہی ہے کہ اسمیں کیونکر اور کیسے کی گنجائش نہیں ہے۔"

اقول - مولویصاحب اس بات کو بھول گئے ہیں کہ یہی امر تو تنازعہ فیہ ہے کہ آیا قتل مرتد اسلام کا صحیح

حکم ہے یا نہیں ؟ اور اس دعوی کی تائید میں کہ یہ اسلامی حکم نہیں ہے ایڈیٹر کا مرید نے آیت کریمہ لا اکراہ فی الدین کو پیش کیا ہے۔ لب لباب کا یہ جواب نہیں ہو سکتا کہ چونکہ یہ اسلام کا ایک صحیح حکم ہے اسلئے ایڈیٹر صاحب کو اسپر جرح کرنیکا اختیار نہیں۔ مولویصاحب کے اس جواب سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ مولویصاحب فن مناظرہ سے ناآشنا ہیں دعویٰ اور دلیل میں فرق نہیں کر سکتے۔ اور ایک دعوی کو بطور دلیل کے پیش کر دیتے ہیں۔

جب ایک امر کے متعلق دو فریق میں اختلاف ہو اور وہ ہر دو اس امر کے متعلق تبادلہ خیالات کر رہے ہوں تو ایک فریق دوسری فریق کو یہ جواب نہیں دے سکتا کہ چونکہ یہ ایک مذہبی امر ہے اسلئے اس میں عقل کو دخل نہیں ہونا چاہیئے اگر ایک انسان ایک مذہب کو علیٰ بصیرت قبول کرتا ہے تو اسکے یہی معنے ہیں کہ اس نے عقل کی کسوٹی پر اسے جانچ کر دیکھ لیا ہے اور اسکو درست اور صحیح پایا ہے۔ ہاں میں اس امر کو تسلیم کرتا ہوں کہ جب انسان ایک مذہب کو اصولی طور پر عقلی معیار کے رو سے منجانب اللہ اور صحیح قبول کر لیتا ہے تو پھر اسکے لیئے ضروری نہیں کہ تمام تفصیلات کی بھی حکمت اسکو معلوم ہو۔ اسکے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اصولی طور پر ایک مذہب کو علیٰ بصیرت سچا یقین کرتا ہے۔ لیکن جب انکے درمیان دو فریق میں کسی خاص تعلیم کے متعلق اختلاف ہو ایک فریق ایک تعلیم کو اس مذہب کی جزو قرار دیتا ہو اور دوسرا فریق اسبات پر زور دیتا ہو کہ یہ اس مذہب کی تعلیم نہیں ہے تو ایسی صورت میں ایک فریق دوسرے فریق کو یہ جواب دیکر خاموش نہیں کر سکتا کہ یہ مذہبی امر ہے اسمیں عقل کو کوئی دخل نہیں۔ کیونکہ دوسرا فریق اسکو مذہبی امر تسلیم نہیں کرتا۔ ایسے اختلاف کی صورت میں ضروری ہوگا کہ ہر ایک فریق اپنے دعوی کی تائید میں دلائل پیش کرے۔ وہ دلائل عقلی بھی ہو سکتے ہیں اور نقلی بھی۔ اور پھر نقلی دلائل کی تفسیر میں عقل کا دخل ہوگا ایک فریق ایک آیت یا ایک روایت کے ایک معنی کرتا ہے اور دوسرا فریق اسی آیت یا روایت کے اور معنے کرتا ہے ایسے موقعہ پر عقل ہی فیصلہ کریگی کہ کس کے معنے درست اور صحیح ہیں۔ ناظرین ہر دو فریق کے دلائل پر غور کرینگے اور اپنی عقل خداداد کے ذریعہ ایک فریق کے حق پر ہونے اور دوسرے فریق کے باطل پر ہونیکے بارے میں اپنی رائے قائم کریں گے۔ اور جہاں آیات و روایات کے معانی میں اختلاف ہوگا وہاں بھی اس بحث کو سننے اور پڑھنے والے غور و فکر کے بعد خود فیصلہ کرینگے کہ کس کے معنے درست ہیں اور کس کے غلط ؟

نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ایک چیز کا سمجھ میں نہ آنا اور بات ہے اور اسکا خلاف عقل ہونا اور چیز ہے مسیحی لوگ تثلیث فی التوحید اور کفارہ کو پیش کرتے ہیں۔ کیا وہ ان عقائد کی تائید میں مولوی شاکر حسین صاحب کے الفاظ میں معترضین کو یہ جواب دے سکتے ہیں کہ یہ لازمی نہیں ہے کہ جملہ مسائل دینی

پہمارا فلسفی اور منطقی استدلال منطبق ہوسکے یا ہم انکی علت دریافت کرنیکا حق رکھتے ہوں اور یہ کہ یہ مسائل اسرار میں سے ہیں جہاں انسانی عقل انکی کنہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ ہم سیحیو نکو ان کی اس دلیل کے جواب میں یہی کہیں گے کہ یہ باتیں عقل سے بالا نہیں بلکہ عقل اور فطرت کے خلاف ہیں اسلئے ہم انکو قبول کرنیکے لئے تیار نہیں۔ اسی طرح ہم حامیان قتل ۔ مرتد کے جواب میں یہی کہینگے کہ قتل مرتد کا مسئلہ عقل سے بالا نہیں بلکہ یہ عقل کے خلاف ہی اسلئے ہم اسکو قبول کرنے کیلئے آمادہ نہیں۔ اگر اس طریق استدلال کی پیروی کیجاوے تو ہر ایک انسان ایک لغو سے لغو عقیدہ کو اپنے مذہب کیطرف منسوب کرکے یہ حجت پیش کرسکتا ہی کہ یہ دین کے اسرار میں سے ہے اسلئے اسپر جرح کرنیکا کسی کو حق نہیں۔

غرض عقل کے متعلق مولوی شاکر حسین صاحب سہسوانی اور انکے ہمخیال علماء نے جو کچھ لکھا ہی اس سے یہ امر روز روشن کیطرح ہویدا ہوتا ہی کہ یہ صاحب عقلی معیار کے زور سے اس مسئلہ کو صحیح ثابت کرنے کے لئے بالکل تیار نہیں۔ ہاں مولوی شبیر احمد صاحب کا دعوی ہی کہ قتل مرتد عقل سلیم کے رو سے ضروری ہے اور اسکے لئے وہ اپنی کتاب میں ایک خاص عنوان قائم کرتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں :-

"قتل مرتد کے متعلق قیاس شرعی اور عقل سلیم کا کیا حکم ہی؟"

مگر اس عنوان کے ماتحت وہ اپنے دعوی کی تائید میں ایک بھی عقلی دلیل پیش نہیں کرتے۔ صرف ایک دوسرے شخص کا قول نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ لیکن جو شہادت انہوں نے اپنے دعوی کی تائید میں پیش کی ہی اس سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہی تو یہی ثابت ہوتا ہی کہ مولوی صاحب خیر سے خود ہی عقل سلیم سے عاری ہیں کیونکہ جو قول انہوں نے نقل کیا ہی وہ انکے لئے بجائے مفید ہونے کے مضر ہی۔ کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہی کہ محض ارتداد کی سزا قتل نہیں۔ حالانکہ مولویصاحب کا دعوی ہی کہ "صرف ارتداد اور تنہا ارتداد ہی وہ جرم ہی جس کے لئے اسلام میں قتل کی سزا مقرر کیگئی ہے۔" مولویصاحب اپنے اس دعوی کی تائید میں کہ مرتد کا قتل عقل سلیم کا اقتضاء ہی۔ حافظ ابن القیم رح کا مندرجہ ذیل قول نقل کرتے ہیں :-

"فاما القتل فجعله عقوبة اعظم الجنايات كالجناية على الانفس فكانت عقوبة من جنسه وكالجناية على الدين بالطعن فيه والارتداد عنه وهذه الجناية اولى بالقتل وكف عدوان الجاني عليه من كل عقوبة اذ بقاؤه بين اظهر عباده مفسدة لهم ولا خير يرجى في بقائه ولا مصلحة فاذا حبس شره وامسك لسانه وكف اذاه والتزم الذل والصغار وجريان احكام الله ورسوله عليه واداء الجزية لم يكن في بقائه بين اظهر المسلمين ضررا

علیہم والدنیا بلاغ ومتاع الی حین" (اعلام الموقعین جلد ۲ صہ ۲۱۸)

"لیکن قتل کو سب سے بڑے ظلموں کی سزا قرار دیا ہی جیسا کہ کسی کی جان لے لینا۔ پس یہ سزا اس جرم کی جنس میں سے ہی اور جیسا کہ دین کے متعلق ظلم کرنا یعنے اسپر طعن کرنا اور اس سے ارتداد اختیار کرنا اور اس ظلم کی سزا میں قتل کرنا اور اسی طرح ظالم کے دست تعدی کو روکنا تمام سزاؤں کی نسبت زیادہ مناسب اور موزون ہے کیونکہ ایسے ظالم کا لوگوں کے درمیان باقی رہنا انکے بگاڑ کا موجب ہے اور اسکے باقی رہنے میں کسی خیر اور نفع کی کوئی امید نہیں ہوسکتی۔ پس اگر وہ اپنی شر کو روک لے اور اپنی زبان کو بند کرلے اور تکلیف دہی سے باز آجائے اور ذلت اور رسوائی اور اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کے احکام کا اپنے اوپر جاری کرنا اور جزیہ کا ادا کرنا اختیار کرلے تو مسلمانوں کے لئے اسکا انکے درمیان باقی رہنا کسی قسم کے نقصان کا موجب نہیں ہوگا۔ پس وہ دنیا میں اپنی زندگی تک فائدہ اٹھا سکتا ہی اور اپنی مقاصد کو حاصل کرسکتا ہی"۔

مندرجہ بالا عبارت میں کھلے طور پر یہ امر بیان کیا گیا ہے کہ صرف ارتداد اور تنہا ارتداد کی سزا قتل نہیں۔ اگر ایک شخص اسلام سے ارتداد اختیار کرتا ہی اور کسی شر کا ارتکاب نہیں کرتا اور اپنی زبان کو اسلام پر طعنہ زنی کرنے سے روکے رکھتا ہی تو ایسا شخص قتل نہیں کیا جائیگا بلکہ وہ ایک ذمی کی حیثیت میں اسلامی سلطنت کے ماتحت امن و امان سے زندگی بسر کرسکتا ہے اور اسکو وہی حقوق حاصل ہونگے جو دوسرے ذمیوں کو حاصل ہیں یعنے اسلامی سلطنت اسکے مال اور جان اور عزت کی اسی طرح حفاظت کریگی جس طرح کہ دوسری رعایا کی حفاظت کرتی ہے محض مرتد قتل نہیں کیا جائیگا بلکہ وہی مرتد قتل کیا جائیگا جو طعن فی الدین کرتا ہے اور اپنی شر سے مسلمانوں کو ایذا دیتا ہی۔ مرتد اپنے ارتداد کی وجہ سے قتل نہیں کیا جائیگا بلکہ اپنے شر اور طعن فی الدین اور ایذاء المومنین کی پاداش میں موت کی سزا پائیگا۔

پس معلوم ہوا کہ نفس ارتداد مستوجب قتل نہیں۔ مرتد ہوکر ایک انسان اسلامی سلطنت کے ماتحت امن و امان سے اپنی زندگی بسر کرسکتا ہے۔ سزا صرف اسی صورت میں دیجائیگی کہ وہ مرتد ہونے کے بعد طعن فی الدین کرے اور اپنی شر سے مسلمانوں کو اذیت پہنچائے۔ اب مولوی شبیر احمد صاحب خود ہی اپنے گریبان میں منہ ڈالکر بتائیں کہ حافظ ابن القیم رح کا قول انکے دعوے کی تائید کرتا ہی یا تردید؟

مجھے مولویصاحب کی عقل پر رہ رہ کر تعجب آتا ہی کہ انہوں نے حافظ ابن القیم رح کی شہادت کو کیوں پیش کیا؟ معلوم ہوتا ہی باطل کی پیروی سے انسان کی عقل بالکل سلب ہوجاتی ہے۔ آنکھوں پر پردہ پڑجاتا ہی اور کان بوجھل ہوجاتے ہیں اور کچھ سمجھ نہیں آتا۔ اور بڑی بڑی علم وفضل کا دعویٰ کرنیوالے حق پرستوں کے مقابلہ میں بچوں سے بھی زیادہ نادان ہوجاتے ہیں۔ اور ایسی بیوقوفی کی حرکت

کرتے ہیں کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِہِمْ اَکِنَّۃً اَنْ یَّفْقَہُوْہُ وَفِیْۤ اٰذَانِہِمْ وَقْرًا ۔

مولوی شبیر احمد صاحب نے حافظ ابن القیم رح کے قول کو نقل کر کے صرف اپنی ہی عقل کے پردوں کا ثبوت مہیا نہیں کیا بلکہ مولوی ظفر علی خانصاحب کی ایک بڑ کو بھی ساتھ ہی جھوٹا ثابت کیا ہے۔ مولوی ظفر علیخاں صاحب نے لکھا تھا:۔

"ابتدائے اسلام سے لیکر آج کے دن تک ایک شخص نے بھی اس بارہ میں یعنی محض ارتداد کو موجب قتل قرار دینے میں اختلاف نہیں کیا" لیکن مولوی شبیر احمد صاحب کے پیش کردہ حوالہ نے اس دعویٰ کو غلط ٹھہرایا اور ثابت کر دیا کہ اسلام میں ایسے لوگ گذرے ہیں جو اس بات کے قائل تھے کہ محض ارتداد کی سزا قتل نہیں ہے اور وہ لوگ حافظ ابن القیم رح کے پایہ کے انسان تھے۔

آیت لَاۤ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ پر ایک اور جرح

آیت لا اکراہ فی الدین کے متعلق ایک اور جرح یہ کی گئی ہے کہ اس آیت کریمہ کا مفہوم بھی محل نظر ہے کیونکہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے ترجمہ میں اس آیت کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں:۔

"نیست جبر کردن برائے دین۔ ہر آئینہ ظاہر شدہ است راہیابی از گمراہی۔"

اسکی تشریح وہ حاشیہ میں اس طرح فرماتے ہیں:۔

"یعنے حجت اسلام ظاہر شد۔ پس گویا جبر کردن نیست اگرچہ فی الجملہ جبر باشد"۔

حامیانِ قتل مرتد لکھتے ہیں کہ:۔

"اردو میں یہ مطلب اس طرح ادا کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کے آتے ہی حق اور باطل کا معیار دنیا کے سامنے آگیا اور انسان کے سامنے سچائی پیش کر دیگئی۔ اب اسکے لئے بجز اس کے چارہ نہیں کہ اس سچائی کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔ اور اگر نہ کرے تو اسکی گردنِ عدوان وطغیان کے جھکانے کے لئے کچھ طریقے ایسے اختیار کرنے پڑینگے جن پر بظاہر جبر کا گمان ہوگا۔ لیکن وہ جبر فی الاصل جبر نہ ہوگا۔"

حامیانِ قتل مرتد کی اصل غرض اس حوالہ کے پیش کرنے سے یہ ہے کہ وہ یہ دکھائیں کہ اس آیت کریمہ کے معنوں میں اختلاف ہے اسلئے ہم اس سے اپنے حق میں کوئی استدلال نہیں کر سکتے کیونکہ جو معنے ہم نے اس آیت کریمہ کے کئے ہیں انکے بالکل الٹ معنے بھی اسی آیت سے نکالے گئے ہیں۔ اور الٹ معنے کرنیوالے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جیسی شان کے آدمی ہیں لیکن حامیان قتل مرتد کو معلوم ہونا چاہیے کہ صرف اختلاف

دلیلوں سے انکی نجات نہیں ہو سکتی انکا فرض ہے کہ دو راہوں میں سے ایک راہ اختیار کریں۔ یا تو وہ دلائل سے اس بات کا ثبوت دیں کہ اس آیت کے وہ معنے غلط ہیں جن سے ہمنے عدم جواز اکراہ فی الدین کا استدلال کیا ہے۔ یا وہ اس بات کا اقرار کریں کہ یہ ایک مبہم آیت ہے جس سے دو متضاد مفہوم پیدا ہو سکتے ہیں اور چونکہ اس آیت کریمہ سے اکراہ فی الدین کے جواز کا مفہوم نکالنے والے حضرت شاہ ولی اللہؒ جیسے بزرگ انسان ہیں۔ اس لئے ہم جواز اکراہ کے مفہوم کو عدم جواز اکراہ کے مفہوم پر ترجیح دینگے۔

لیکن حامیان قتل مرتد کی ضمیر خواہ کیسے ہی موٹے پردوں کے پیچھے دبی ہوئی ہو کبھی انکو اسبات کی اجازت نہیں دیگی کہ وہ یہ کہنے کی جرأت کریں کہ یہ آیت مبہم ہے اور اس سے دو متضاد مفہوم جو بالکل ایک دوسرے کی ضد ہیں پیدا ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ آیت ایسی صاف اور کھلی ہے اور اسکا مفہوم ایسا واضح اور بیّن ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام کے سہارے کے باوجود بھی حامیان قتل مرتد اسبات کے کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے کہ وہ اس آیت کو مبہم قرار دیں اور یہ کہیں کہ اس آیت سے دو متضاد مفہوم پیدا ہو سکتے ہیں۔ ایک ہی آیت سے دو ایسے معنے نکالنا جو بالکل ایک دوسرے کی ضد ہوں۔ اور جن میں آپس میں وہی نسبت ہو جو رات کو دن سے ہے بالکل ناممکن ہے۔ ایسا خیال کرنا کہ ایک ہی آیت سے دو بالکل الٹ معنے نکل سکتے ہیں جن میں سے ایک دوسرے کی تردید کرتا ہے۔ نعوذ باللہ خود قرآن شریف پر اعتراض کرنا ہے۔ بیشک قرآن شریف کی آیات سے ایک سے زیادہ فوائد پیدا ہو سکتے ہیں اور ایک ہی آیت مختلف معانی پر حاوی ہو سکتی ہے مگر وہ معانی ایک دوسرے کی ضد نہیں ہو سکتے۔ وہ سب معانی ایسے ہونگے جو ایک ہی وقت میں صحیح ہونگے اور ایک انمیں سے دوسرے معانی کا منافی نہیں ہوگا۔ مگر ایک آیت سے آپ ایسے دو معنے نہیں نکال سکتے جو آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہوں۔ اگر ایک کو درست مانا جائے تو دوسرا غلط ثابت ہو۔ پس حامیان قتل مرتد یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس آیت سے دو معنے نکل سکتے ہیں۔ اکراہ فی الدین کے جواز کے معنے بھی اور عدم جواز کے معنے بھی۔ ایک ہی معنے درست ہو سکتے ہیں یا تو جواز کے معنے درست ہیں یا عدم جواز کے۔ دونو درست نہیں ہو سکتے۔

پس آیت زیر بحث کو مبہم قرار دینے کا راستہ حامیان قتل مرتد پر بند ہے۔ اب ایک ہی راستہ انکے لئے کھلا ہے کہ وہ ان معنوں کو غلط ثابت کر کے دکھائیں جن کی رو سے عدم جواز اکراہ کا استدلال کیا جاتا ہے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ صرف حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت نقل کرنے اور اردو میں اس عبارت کا مفہوم بیان کر دینے پر اکتفا کیا ہے اور وہ تین اور مؤیدین کا

کا نام لکھکر مولوی ظفر علی خانصاحب نے جنہوں نے یہ قول پیش کیا ہے، بحث آگے کی ہے۔ لیکن میں تصحیح کو نظر انداز کر کے تھوڑی دیر کے لئے "فریق ثانی" ہی کے ترجمہ کو صحیح تسلیم کئے لیتا ہوں۔"

جو لوگ مولوی صاحب کے مضمون کو غور سے پڑھیں گے وہ ضرور اس امر کو نوٹ کرینگے کہ مولویصاحب نے اس مضمون میں یہ روش اختیار کی ہے کہ جو بات انکی تائید میں ہوتی ہے لیکن دراصل اپنے قلب میں اسکو صحیح تسلیم نہیں کرتے اسکو تو وہ نقل کرنے سے نہیں چوکتے لیکن اتنی احتیاط کر لیتے ہیں۔ کہ اس دلیل کو صرف دوسرے شخص کے منہ میں ڈالکر بیان کر دیتے ہیں خود اسکی تائید کرنے سے خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ ایسا ہی انہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر آیت لا اکراہ فی الدین کے متعلق رویہ اختیار کیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ مولویصاحب کو خود حضرت شاہ صاحب رح کی تفسیر سے اتفاق نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ مولویصاحب اور انکے دوسرے ہمنوا مولویصاحبان نے حضرت شاہ صاحب کی تفسیر کو درست نہیں سمجھا اور ان سب نے اصولی طور پر لا اکراہ فی الدین کے وہی معنے درست تسلیم کئے ہیں جو بالصراحت ان الفاظ سے ظاہر ہوتے ہیں یعنے یہ کہ دین میں کوئی جبر نہیں ہاں اسبات کے ثابت کرنے کے لئے بیسود کوشش کی ہے کہ یہ حکم صرف خارج از اسلام لوگوں کے لئے ہے یعنے جو لوگ ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوئے انکے متعلق حکم ہے کہ انکو جبر کے ذریعہ اسلام میں داخل کیا جائے۔ یعنے جو لوگ ایک دفعہ اسلام قبول کر لیں اور پھر اس سے ارتداد اختیار کریں انپر یہ آیت چسپاں نہیں ہوتی۔ اسوقت میرے سامنے تین مضمون نگار ہیں۔ مولوی ظفر علیخاں صاحب۔ مولوی شاکر حسین صاحب سہسوانی اور مولوی شبیر احمد صاحب دیوبندی۔ اور تینوں اسبات کو تسلیم کرتے ہیں کہ جبر کے ذریعہ کسی کو اسلام میں داخل کرنا جائز نہیں جس کے یہ معنے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر لا اکراہ فی الدین درست نہیں کیونکہ حضرت شاہ صاحب رح کی تفسیر کی جو تشریح مولوی ظفر علی خانصاحب نے کی ہے اسکے یہی معنے ہیں کہ اسلام میں داخل کرنے کے لئے جبر سے کام لینا چاہیئے۔ پس جس تفسیر کے ساتھ مولوی ظفر علی خانصاحب کو اتفاق نہیں اسکو مولوی صاحب اپنی تائید میں کیوں پیش کرتے ہیں۔ کیا اسی کا نام انصاف اور دیانتداری ہے؟

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی بلند شان اور عالی مرتبہ کا پورا پورا احترام کرتے ہوئے میں یہ ضرور عرض کرونگا کہ انکی تفسیر صاف بتا رہی ہے کہ انہوں نے لا اکراہ فی الدین کی تفسیر کرنے میں ایک خاص عقیدہ کی اتباع میں تکلف سے کام لیا ہے۔ بعض مسلمانوں میں غلط فہمی سے یہ عقیدہ پیدا ہو گیا کہ اسلام مشرکوں اور اہل الاوثان کو کوئی پناہ نہیں دے سکتا انکے لئے دو ہی راہیں کھلی ہیں۔ یا اسلام قبول کریں

یا تلوار سے ظاہر ہے کہ یہ ایک جبر کی راہ ہے اور آیت لا اکراہ فی الدین کے صریح خلاف ہے۔ اس لئے جن لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ مشرکین اور اہل اوثان کے لئے جبر جائز ہے انہوں نے آیت لا اکراہ فی الدین کو اپنے اس عقیدہ کے خلاف پا کر اسکے متعلق تین مختلف راہیں اختیار کی ہیں۔ انمیں سے بعض نے تو بڑی جد و جہد کے بعد اور اپنا بہت سا دماغ خرچ کر کے اس آیت کے حقیقی معنوں کو جو بالکل واضح اور بین تھے نظر انداز کر کے اسکی طرف ایسا مفہوم منسوب کیا جس کے متحمل اس آیت کے الفاظ ہرگز نہیں ہو سکتے تھے بلکہ یہ مفہوم آیت کریمہ کے صحیح اور اصلی معنوں کے بالکل الٹ اور خلاف تھا۔ یعنی انہوں نے اس آیت کریمہ کے یہ معنے کئے کہ دین میں زبردستی اور جبر جائز ہے۔ دین کے لئے اگر کسی پر جبر کیا جاوے تو وہ جبر نہیں کہلا سکتا۔ یہی معنے ہیں جنکو شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے اختیار کیا۔ مگر دوسرے لوگوں نے (جو اس گروہ کے ساتھ بالکل ہمخیال اور متفق الرائے تھے اور جنکا عقیدہ بھی اس گروہ کیطرح یہی تھا کہ دین میں جبر کرنا جائز ہے) دیکھا کہ اس آیت کے کھلے کھلے اور صریح الفاظ ایسے معنوں کی اجازت نہیں دیتے اور یہ کہ اس آیت کریمہ کیطرف ایسے معنے منسوب کرنا سراسر تکلف اور بناوٹ ہے۔ اس لئے باوجودیکہ وہ اس گروہ کے ساتھ بالکل ہم عقیدہ تھے اور جبر کو بالکل جائز قرار دیتے تھے انکی طبیعتوں نے ان معنوں کو قبول نہ کیا اور انہوں نے تسلیم کیا کہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ لا اکراہ فی الدین کے بیشک یہی معنے ہیں کہ دین میں جبر نہیں ہونا چاہیئے لیکن انہوں نے اپنے عقیدہ کے بچاؤ کی یہ راہ اختیار کی کہ کہہ دیا کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ اسکے معنے بیشک یہی ہیں کہ دین میں جبر نہیں ہونا چاہیئے۔ اسکے سوا کوئی اور معنے کرنا محض تکلف ہے مگر یہ آیت منسوخ شدہ ہے اسلام میں اب اس پر عمل نہیں۔

انکے بعد ایک تیسرا گروہ اٹھا۔ انہوں نے بھی دوسرے گروہ کے ساتھ اس امر میں اتفاق کیا کہ بیشک یہ آیت کریمہ بالکل صاف اور واضح ہے اور اسکے یہی معنے درست ہیں کہ دین میں جبر نہیں ہونا چاہیئے۔ لیکن یہ ایک اصولی آیت ہے اصول حقیقتوں پر مبنی ہوتے ہیں اور حقیقتیں دائمی سچائیاں ہیں جو کبھی منسوخ نہیں ہو سکتیں اسلئے یہ قول قابل پذیرائی نہیں ہو سکتا کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ لیکن چونکہ اس تیسرے گروہ کا بھی پہلے دو گروہوں کیطرح یہی عقیدہ تھا کہ مشرکین اور اہل الاوثان کے لئے کوئی آزادی نہیں۔ انکے لئے صرف دو ہی راہیں کھلی ہیں۔ چاہیں تو اسلام قبول کر کے اپنی جان بچا لیں چاہیں تو مسلمانوں کی تلوار کا مزہ چکھ کر واصل جہنم ہوں۔ اسلئے انہوں نے اپنے اس عجیب و غریب عقیدہ کی حفاظت کیلئے یہ تجویز نکالی کہ یہ آیت اپنے مفہوم میں عام نہیں ہے بلکہ

یہ صرف اہل کتاب کے لئے خاص ہی مشرکین اور اہل الاوثان اس سے مستثنےٰ ہیں۔ چنانچہ فتح البیان جلد ۱ صفحہ ۳۴۴ میں لکھا ہے :-

"القول الثانی انہا لیست بمنسوخۃ و انما نزلت فی اہل الکتاب خاصۃ وانہم لا یکرھون علی الاسلام اذا ادوا الجزیۃ بل الذین یکرھون ھم اہل الاوثان فلا یقبل منہم الا الاسلام او السیف۔"

پس یہی عقیدہ تہا کہ مشرکین اور اہل الاوثان سے سوائے اسلام یا تلوار کے اور کچھہ قبول نکیا جاوے اور ان کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے جو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے لئے محرک ہوا کہ وہ لا اکراہ فی الدین کے ایسے معنے اختیار کریں جنسے جبر کی اجازت ثابت ہو۔ اسلئے انہوں نے وہ معنے اختیار کئے جو میں اوپر نقل کر چکا ہوں۔ لیکن یہ صاف ظاہر ہے کہ وہ معنے تکلف سے بنائے گئے ہین۔ اگر انسان خالی الذہن ہو کر ان الفاظ کو پڑہیگا تو انکے یہی معنے کریگا کہ ان الفاظ میں جبر و اکراہ کی ممانعت کیگئی ہے کسی اہل زبان سے یا ایسے شخص سے جو عربی دان کہلا سکتا ہو۔ لا اکراہ فی الدین کے معنے پوچھو تو وہ اس کے یہی معنے کریگا کہ ان الفاظ میں جبر و اکراہ کی ممانعت پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں میں سے بھی جو مشرکین کے لئے جبر جائز قرار دیتے ہیں اکثر نے لا اکراہ فی الدین کے یہی معنے لئے ہین کہ دین میں اکراہ نہیں ہونا چاہیئے اور اسوقت بھی جن مولویصاحبان نے موجودہ بحث میں حصہ لیا ہے انہوں نے بھی باوجود حضرت ولی اللہ شاہصاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو پیش کرنیکے خود ان معنوں کو اختیار نہیں کیا بلکہ عملی طور پر وہی معنے تسلیم کئے ہین جو اس آیت کے صاف اور کھلے کھلے معنے ہیں۔ اور اگرچہ بہت حیلہ بازی سے کام لیکر مرتد کو اس آیت کریمہ کے دائرہ سے باہر رکھنے کی ناکام کوشش کی ہی لیکن اس سے انکار نہیں کرسکے کہ لا اکراہ فی الدین کے معنے یہی ہیں کہ دین میں جبر نہیں ہونا چاہیئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے ایک عقیدہ کے ماتحت اس آیت کی تفسیر میں اسکے متبادر اور حقیقی معنوں کو نظر انداز کرکے ایک ایسے مفہوم کو اختیار کرنا جو تکلف سے اس آیت کیطرف منسوب کیا گیا ہی۔ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اور اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ اس آیت کے الفاظ کافی واضح نہیں تھے۔ اور انمیں اس امر کی گنجائش تھی۔ کہ کوئی دوسرے معنے جو حقیقی معنوں سے بالکل متضاد تھے انکی طرف منسوب کئے جاتے۔ اس امر کے متعلق ہمیں ذرا بھی تعجب نہیں رہتا جب ہم دیکھتے ہین کہ بڑے بڑے مفسروں نے ایک غلط عقیدہ سے متاثر ہو کر لفظ توفی کے ایسے معنے کئے جو کبھی بھی اس لفظ کیطرف منسوب نہیں کئے گئے تھے۔ لغت بلا اختلاف کہتی ہے کہ توفی اللہ زیداً کے معنے سوائے

قبض روح کے اور کوئی نہیں۔ قرآن شریف میں جہاں جہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے وہاں سوائے قبض روح کے اور کوئی معنے نہیں۔ حدیث میں بھی یہی معنے ہیں کلام عرب میں بھی یہی معنے ہیں۔ لیکن باوجود اس عالمگیر اتفاق کے جب یہی لفظ ایک سے زیادہ دفعہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن شریف میں استعمال ہوا تو آپ نے اس غلط عقیدہ سے متأثر ہو کر کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ لفظ توفی کے وہ معنے کئے جو دنیا جہان میں کسی نے نہیں کئے تھے۔ خود قرآن شریف میں وہی لفظ باربار آتا ہے وہاں اسکے معنے قبض روح کے لیتے ہیں لیکن جب اسی کتاب میں وہی لفظ حضرت عیسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت استعمال ہوتا ہے تو انکا عقیدہ انکو اجازت نہیں دیتا کہ اس لفظ کے وہی معنے کریں جو ہر دوسرے مقام میں کئے جاتے ہیں اسلئے وہ ایک نئے معنے اپنی طرف سے تراش کر اس لفظ کو دیتے ہیں پس اس مثال کے ہوتے ہوئے اگر ایک عقیدہ کے ماتحت آیت لا اکراہ فی الدین کی طرف کوئی نئے معنے منسوب کرنیکی کوشش کیگئی تو اس سے ہرگز تعجب نہیں کرنا چاہیئے۔

ہاں اگر یہ بزرگ حضرت مسیح موعودؑ کا زمانہ پاتے اور اس حکم و عدل کا کلام سنتے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں ایسی غلطیوں سے اسلام کو پاک کرنے کیلئے مبعوث فرمایا۔ تو یقیناً وہ اول المومنین میں ہوتے اور انکو اپنی غلط فہمیوں سے دست بردار ہونے میں ذرہ بھی تامل نہ ہوتا۔

اسجگہ میں مولوی ظفر علیخانصاحب کی خدمت میں یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کسی بزرگ کی نسبت جو مامور نہو یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ ہر ایک امر دینی میں غلطیوں سے پاک تھے اور یہ ناممکن ہے کہ ان سے کوئی غلطی خواہ اجتہادی ہی کیوں نہو سرزد ہو اور اسلئے جو کچھ انہوں نے فرمایا وہ راست اور درست ہے اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا کا آپکو مصداق بناتا ہے۔

اگرچہ آیت زیر بحث ایسی صاف اور بیّن ہے کہ اسکی وضاحت کے لئے تفاسیر کے اقوال کو پیش کرنیکی کچھ بھی ضرورت نہیں اور یہ آیت کریمہ اس حاجت سے مستغنی ہے کہ اسکے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے علماء اسلام کی تفاسیر پیش کیجائیں۔ لیکن مزید اتمام حجت کیلئے میں مناسب دیکھتا ہوں کہ اس آیت کریمہ کے متعلق بعض تفاسیر سے بھی کچھ اقتباس نقل کردوں تا حامیان قتل مرتد کو موازنہ کرنیکا موقعہ ملے اور وہ اپنی عقل خداداد سے کام لیکر یہ فیصلہ کرسکیں کہ لا اکراہ فی الدین کے یقینی اور قطعی معنے کیا ہیں۔

پہلے میں اس آیت کے شان نزول کے متعلق جو روایات ہیں وہ نقل کرتا ہوں۔ شان نزول

سے بھی حامیان قتل مرتد کو اس آیت کے صحیح مفہوم کے متعلق رائے قائم کرنیمیں مدد ملیگی۔

(۱) لباب النقول فی اسباب النزول برحاشیہ جلالین مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۵۵ میں کہا ہے

"روی ابوداؤد والنسائی وابن حبان عن ابن عباس قال کانت المرءۃ مقلاۃ فتجعل علے نفسہا ان عاش لہا ولد ان تہودہ فلما اجلیت بنو النضیر کان فیہم من ابناء الانصار فقالوا لا ندع ابناءنا فانزل اللہ لا اکراہ فی الدین"

مدینہ کی عورتوں میں یہ رسم تھی کہ جس عورت کی اولاد کم ہوتی تھی تو وہ یہ نذر مانتی تھی کہ اگر اسکا بیٹا زندہ رہا تو وہ اسکو یہودی بنا دیگی۔ اور جب بنو نضیر کے متعلق جلاوطنی کا حکم ہوا تو انہیں انصار کے بیٹے بھی تھے۔ انصار نے کہا کہ ہم اپنے بیٹوں کو نہیں چھوڑینگے۔ تب یہ آیت اتری کہ لا اِکراہَ فِی الدِّین۔

(۲) "اخرج سعید بن منصور وعبد ابن حمید وابن جریر و ابن المنذر والبیہقی عن سعید ابن جبیر فی قولہ لا اکراہ فی الدین۔ قال نزلت فی الانصار خاصۃ۔ قلت خاصۃ قال خاصۃ کانت المرءۃ منہم اذا کانت نزرۃ او مقلات تنذر لئن ولدت ولدا لتجعلنہ فی الیہود تلتمس بذلک طول بقاءہ فجاء الاسلام وفیہم منہم۔ فلما اجلیت النضیر قالت الانصار یا رسول اللہ ابناءنا واخواننا فیہم فسکت عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنزلت لا اکراہ فی الدین"

(در منثور جلد ۱۔ صفحہ ۳۲۹)

سعید نے کہا کہ آیت لا اکراہ فی الدین خصوصیت کے ساتھ انصار کے بارہ میں نازل ہوئی میں نے پوچھا۔ کیا خصوصیت کے ساتھ انصار کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی ہے؟ اسنے جواب دیا کہ ہاں خصوصیت کے ساتھ انہی کے بارے میں یہ آیت اتری۔ جب کسی انصار کی عورت کی اولاد کم ہوتی تو وہ نذر مانتی تھی کہ اگر اسکے ہاں بیٹا ہو تو وہ اس کو یہود میں داخل کردیگی۔ اور اس سے اسکی یہ خواہش ہوتی تھی کہ بیٹا زندہ رہے۔ جب اسلام آیا اسوقت یہود میں انصار کی اولاد موجود تھی۔ جب نضیر کو جلاوطنی کا حکم ملا تو انصار نے کہا کہ اے خدا کے رسول ہمارے بیٹے اور ہمارے بھائی یہود میں موجود ہیں۔ آپ خاموش ہوگئے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ لا اکراہ فی الدین

(۳) "عن مجاہد قال کان ناس من الانصار مسترضعین فی بنی قریظۃ فثبتوا

علیٰ دینهم فلما جاء الاسلام اراد اهلوهم ان یکرهوهم علی الاسلام فنزلت لا اکراه فی الدین (درمنثور جلد ۱ ص ۳۲۹)

انصار کے بعض آدمیوں نے بنو نضیر میں پرورش پائی تھی اور وہ انہی کے دین پر قائم ہو گئے تھے۔ جب اسلام آیا تو ان کے رشتہ داروں نے چاہا کہ انکو اسلام لانے پر مجبور کریں تب یہ آیت اتری۔ لا اکراہ فی الدین۔

(۳) عن ابن عباس فی قوله لا اکراه فی الدین قال نزلت فی رجل من الانصار من بنی سالم بن عوف یقال له الحصین. کان له ابنان نصرانیان وکان هو رجلا مسلما. فقال للنبی صلی الله علیه وسلم الا استکرههما فانهما قد ابیا الا النصرانیه - فانزل الله فیه ذلک (درمنثور جلد ۱ ص ۳۲۹)

حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ لا اکراہ فی الدین ایک انصاری کے بارہ میں اتری جو بنو سالم بن عوف کے قبیلہ میں سے تھا اور جسکا نام حصین تھا۔ اسکے دو بیٹے نصرانی تھے اور وہ خود مسلمان تھا اسنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا میں انکو جبراً مسلمان نہ بنالوں؟ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ ہم نصرانی ہی رہیں گے۔ تب اس امر کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔

ان تمام روایتوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ آیت انصار کی اولاد کے بارہ میں اتری۔ جو نصرانی یا یہودی ہو گئے تھے۔ اور ان کے مسلمان رشتہ دار چاہتے تھے کہ جبر سے ان کو مسلمان بنائیں اسکی ممانعت میں یہ آیت اتری۔ اب میں حامیان قتل مرتد سے پوچھتا ہوں کہ اس شان نزول کے مطابق آیت لا اکراہ فی الدین کے کیا معنے ہونے چاہئیں۔ کیا یہ کہ بیشک جبر سے لوگوں کو مسلمان بنالو۔ جبر سے اسلام میں لوگوں کو داخل کرنا جبر نہیں کہلاتا یا یہ کہ جبر سے کسی کو اسلام میں داخل نہیں کرنا چاہیے؟

اب میں اس آیت کریمہ کے متعلق دو اور روایتیں نقل کرتا ہوں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس آیت کریمہ کے یہ معنے نہیں سمجھتے تھے کہ دین کے لئے جبر کرنا جائز ہے بلکہ انکے نزدیک بھی اس آیت کریمہ کے یہی معنے تھے کہ جبر سے کسی شخص کو دین میں داخل نہیں کرنا چاہیئے۔

(۱) اخرج سعید بن منصور وابن ابی شیبه وابن المنذر وابن ابی حاتم عن وسق الرومی قال کنت مملوکا لعمر بن الخطاب فکان یقول لی اسلم فانک لو اسلمت استعنت بک علی امانة المسلمین فانی لا استعین علی امانتهم بمن لیس منهم فابیت علیه فقال لی لا اکراه فی الدین (درمنثور جلد ۱ ص ۳۳۰)

وسق رومی کہتا ہے کہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس غلام تھا۔ آپ مجھے فرمایا کرتے تھے کہ تو مسلمان ہو جا تا کہ مسلمانوں کے معاملات میں جو میرے سپرد ہیں تجھ سے مدد لے سکوں۔ میں ایسے امور میں ایسے شخص سے مدد لینا نہیں چاہتا جو مسلمان نہ ہو۔ میں نے مسلمان ہونے سے انکار کیا۔ آپ نے فرمایا لا اکراہ فی الدین۔

(۲) "اخرج النحاس عن اسلم سمعت عمر بن الخطاب یقول لعجوز نصرانیہ اسلمی تسلمی۔ فابت۔ فقال عمر اللهم اشهد۔ ثم تلا لا اکراہ فی الدین"

اسلم کہتا ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سنا وہ ایک نصرانی بڑھیا کو کہہ رہے تھے کہ مسلمان ہو جاؤ۔ خدا تم کو بچا لیگا۔ اس نے انکار کیا حضرت عمر نے فرمایا اے اللہ گواہ رہ۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی لا اکراہ فی الدین۔

اب میں بعض مفسروں کا قول نقل کرتا ہوں جس سے بھی امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ حامیان قتل مرتد کو نفع پہونچے گا۔ ابن کثیر اپنی تفسیر میں کہتا ہے :۔

"ای لا تکرهوا احداً علی الدخول فی دین الاسلام فانه بین واضح جلی دلائله وبراهینه لا یحتاج الی ان یکره احد علی الدخول فیه بل من هداه الله الی الاسلام وشرح صدره ونور بصیرته دخل فیه علی بینة ومن اعمی الله قلبه وختم علی سمعه وبصره فانه لا یفید الدخول فی الدین مکرها مقسوراً وقد ذکروا ان سبب نزول هذه الآیة فی قوم من الانصار وان کان حکمها عاماً" (ابن کثیر بر حاشیہ فتح البیان صفحہ ۱۵۱)

لا اکراہ فی الدین کے یہ معنے ہیں کہ کسی کو دین اسلام میں داخل ہونے کے لئے مجبور نہ کرو کیونکہ وہ کھلا کھلا اور واضح ہے اور اسکے دلائل اور براہین روشن ہیں اور وہ اثبات کا محتاج نہیں کہ کسی کو اسمیں داخل ہونے کے لئے مجبور کیا جاوے بلکہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ اسلام کیطرف رہنمائی فرماتا ہے اور اسکے سینے کو کھولدیتا ہے اور اسکو نور بصیرت عطا فرماتا ہے تو ایسا شخص علی بصیرت اسلام میں داخل ہوتا ہے اور جس کے دل کو اللہ تعالیٰ اندھا کر دیتا ہے اور اسکے کان اور آنکھ پر مہر کر دیتا ہے تو ایسے شخص کو اگر جبر سے اسلام میں داخل کیا جاوے تو اس سے اسکو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیت انصار کی ایک قوم کے بارے میں نازل ہوئی اگرچہ اسکا حکم عام ہے۔

حامیان قتل مرتد ابن کثیر کی تفسیر کو غور سے پڑھیں اور صحیح بتائیں کہ یہ تفسیر انکے دل کو بھاتی ہے یا نہیں؟ اور خود ہی انصاف سے فرمائیں کہ لا اکراہ فی الدین کی کونسی تفسیر انکو زیادہ معقول معلوم ہوتی

ہے؟ آیا یہ تفسیر کہ جتنا چاہو جبر کر لو اور لوگوں کو جبر سے اسلام میں داخل کر لیا کرو جبر سے اسلام منوانا جبر نہیں کہلا سکتا یا یہ تعلیم کہ اسلام اس بات کا محتاج نہیں کہ لوگوں کو جبر سے اسمیں داخل کیا جاوے اور جبر سے کسی کو اسلام میں داخل کرنا ایک بیہودہ حرکت ہے کیونکہ ایسے اسلام لانیکا اس کو کچھ بھی فائدہ نہیں؟

نیز میں حامیانِ قتل مرتد سے یہ بھی پوچھتا ہوں کہ جو شخص اسلام قبول کرنے کے بعد پھر ارتداد اختیار کرنا چاہے ایسے آدمی کو اگر جبر سے اسلام میں رکھا جائیگا تو اس سے اس شخص کو کیا فائدہ ہوگا؟ ابن کثیر تو فرماتے ہیں کہ ایسے اسلام سے اس شخص کو کچھ فائدہ نہیں پہنچیگا۔ مولویصاحب! آپ صاحبان کی اسکے متعلق کیا رائے ہے؟ اب حامیان قتل مرتد دیکھیں کہ بحر المحیط میں کیا لکھا ہے:۔

"وقیل لا یکرہ علی الاسلام من خرج الی غیرہ وقال ابو مسلم والقفال معناہ انہ ما بنی تعالی امر الایمان علی الاجبار والقسر وانما بناہ علی التمکن والاختیار ویدل علی ھذا المعنی انہ لما بین دلائل التوحید بیانا شافیا۔ قال بعد ذلک لم یبق عذر فی الکفر الا ان یقسر علی الایمان ویجبر علیہ وھذا ما لا یجوز فی دار الدنیا التی ھی دار الابتلاء اذ فی القھر والاکراہ علی الدین بطلان معنی الابتلاء ویؤکد ھذا قولہ وَقَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ یعنی ظھرت الدلائل ووضحت البینات ولم یبق بعدھا الا طریق القسر والالجاء ولیس بجائز لانہ ینافی التکلیف" (بحر المحیط جلد ۲ صفحہ ۲۸۲ و صفحہ ۲۸۳)

"بعض نے لا اکراہ فی الدین کے یہ معنی بھی کئے ہیں کہ جو شخص اسلام سے نکل کر کوئی اور دین اختیار کرے (یعنی ارتداد اختیار کرے) تو ایسے شخص کو اسلام پر مجبور نہ کیا جاوے۔ اور ابو مسلم اور قفال کا قول ہے کہ اس آیت کریمہ کے یہ معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کا معاملہ جبر و اکراہ پر مبنی نہیں کیا۔ بلکہ اسکی بنیاد انسان کے اختیار اور قدرت پر رکھی ہے جب اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل کو خوب کھول کر بیان فرما دیا تو اب کسی کے پاس کفر پر رہنے کے لئے کوئی عذر باقی نہیں اب بھی اگر وہ اسلام کو قبول نہیں کرتا تو اسکا ایک ہی علاج ہو سکتا تھا کہ اسکو اسلام لانے پر مجبور کیا جاوے۔ لیکن اس دنیا میں ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ دنیا آزمائش کی جگہ ہے اور زبردستی کرنے اور جبر سے اسلام منوانے میں آزمائش کا اصول باطل ہو جاتا ہے۔ اور لا اکراہ فی الدین کے ان معنوں کی اللہ تعالیٰ کا یہ قول تائید کرتا ہے۔ وقد تبین الرشد من الغی یعنی دلائل ظاہر ہو گئے اور بینات واضح ہو گئیں۔ اب ایک جبر کا ہی طریق باقی تھا اور یہ جائز نہیں۔ کیونکہ یہ انسان کے مکلف ہونے کے اصول کے منافی ہے۔"

مندرجہ بالا حوالہ سے ایک بات نئی معلوم ہوئی اور وہ یہ کہ بعض لوگوں نے لا اکراہ فی الدین کے یہ معنی بھی کئے ہیں کہ اگر کوئی شخص اسلام کو ابتداً اختیار کرے تو ایسے آدمی پر جبر نہیں کرنا چاہیئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض ایسے لوگ گذرے ہیں جو آیت لا اکراہ فی الدین کے تحت یہ جائز نہیں سمجھتے تھے کہ کسی کو اسلام پر رکھنے کے لئے جبر کا استعمال کیا جائے اور مرتدین کو مجبور کیا جائے کہ وہ دوبارہ اسلام میں داخل ہوں اور وہ ان لوگوں کے ساتھ متفق نہیں تھے جو قتل مرتد کی حمایت میں یہ کہتے ہیں کہ لا اکراہ فی الدین ان لوگوں کے لئے ہے جو ابھی اسلام میں داخل نہیں ہوئے اور جو لوگ اسلام میں داخل ہو جاویں ان کے لئے جبر جائز ہے۔ ایسے لوگوں کو جبر سے اسلام میں رکھا جا سکتا ہے۔ اور اسی لئے شارع نے قتل مرتد کا حکم دے رکھا ہے۔

پس حامیان قتل مرتد کا وہ دعوی غلط ثابت ہوا کہ ابتدائے اسلام سے لیکر آج تک ایک فرد نے بھی اس مسئلہ کے متعلق اختلاف نہیں کیا۔ حافظ ابن القیم رح کا قول تو خود مولوی شبیر احمد صاحب نے نہایت ہی مہربانی فرما کر مہیا فرمایا ہے اور یہ دوسرا قول بحر المحیط والے نے پیش کیا ہے۔ اب میں فتح البیان جلد اول صفحہ ۲۹۷ سے ایک عبارت نقل کر کے لا اکراہ فی الدین کی بحث کو ختم کرتا ہوں۔ صاحب فتح البیان فرماتے ہیں:-

" وقال فی الکشاف فی تفسیر ھذہ الآیۃ ای لم یجر اللہ امر الایمان علی الاجبار والقسر ولکن علی التمکن والاختیار ونحوہ قولہ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا۔ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ای لو شاء لقسرھم علی الایمان ولکن لم یفعل وبنی الامر علی الاختیار"

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں کشاف میں لکھا ہے کہ اس آیت کریمہ کے یہ معنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کے امر کو جبر و اکراہ پر جاری نہیں کیا بلکہ قدرت اور اختیار پر چھوڑ رکھا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی اسی بات کی تائید کرتا ہے ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلھم جمیعا افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کرتا لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا اور یہ سب بات کو انسان کے اختیار پر چھوڑ دیا ہے۔

اب میں خیال کرتا ہوں کہ لا اکراہ فی الدین کے مفہوم کے متعلق کافی بحث ہو چکی ہے جو

کافی ہے سمجھنے کو اگر اہل کوئی ہے

حدیث اور قتل مرتد

جب قرآن شریف کی آیات بینہ سے روز روشن کیطرح یہ ثابت ہو چکا کہ کسی شخص کو محض ارتداد کے لئے قتل کرنا اسلام کی تعلیم کی صریح خلاف ورزی ہے تو اسکے بعد ضرورت نہ تھی کہ کسی اور چیز کی طرف رجوع کیا جاتا لیکن چونکہ مخالفین کو اس بات پر گھمنڈ ہے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ ارتداد اور محض ارتداد کی سزا قتل ہے۔ اسلئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حدیث پر بھی نظر کیجائے اور دیکھا جائے کہ یہ دعوی کہاں تک درست ہے؟

قرآن شریف کے مقابل میں حدیث کا درجہ ⋆

حامیان قتل مرتد کا ضمیر نہایت سختی کے ساتھ اس امر کو محسوس کر چکا ہے کہ قرآن شریف قتل مرتد کے عقیدہ کو دھکے دے رہا ہے اور یہ کہ قرآن شریف کی تعلیم کے سامنے قتل مرتد کا خیال ایک آن کیلئے بھی ٹھہر نہیں سکتا۔ اسلئے جب ان سے مطالبہ کیا گیا کہ جن روایات کو تم قتل مرتد کی تائید میں پیش کرتے ہو اُن قرآن شریف کی آیات کی روشنی میں انکو رکھو تا معلوم ہو کہ ان روایات سے جو استدلال تم نے کیا ہے وہ کہاں تک درست اور صحیح ہے تو حامیان قتل مرتد کے اعضاء پر رعشہ طاری ہو گیا اور وہ اس مطالبہ کو سنکر بہت گھبرا گئے ہیں اور یہ امر انکو موت سے سخت تر معلوم ہوا ہے کہ ان روایات کی صحت یا انکے حقیقی معنوں کو قرآن شریف کی مدد سے دریافت کریں۔ قرآن شریف سے اپنے آپکو بچانے کے لئے حامیان قتل مرتد نے جو عذرات پیش کئے ہیں وہ یہ ہیں :-

(۱) احادیث کو قرآن شریف کے ذریعہ جانچنے کا قاعدہ "دنیا جہان سے نرالا کلیہ ہے" جو "وضع" کیا گیا ہے۔

(۲) امام بخاری رح جیسے بزرگ کی نسبت یہ خیال بھی دل میں لانا ایک حیرت انگیز جرأت ہے کہ امام موصوف اپنے مجموعہ میں کوئی ایسی حدیث درج کر سکتے ہیں جو قرآن شریف کے مخالف ہو۔

(۳) یہ خیال کہ جو حدیث صحت و درستی کے مقررہ اور مفید یقین معیار پر پوری اترے اسکا معارض

حاشیہ ⋆ اس مضمون کے متعلق مفصل معلومات حاصل کرنے کے لئے ناظرین الحق مباحثہ لدھیانہ ملاحظہ فرماویں اس مضمون میں بھی حضرت مسیح موعود کی کتاب ازالہ اوہام اور مباحثہ لدھیانہ سے اقتباس لئے گئے ہیں۔ منہ

نص قرآنی ہونا اسکی پذیرائی کے مانع ہی - اہل علم کے نزدیک پرکاہ جتنی وقعت بھی نہیں رکھتا۔

(۴) ایک شخص ایک حدیث کو صحیح مان رہا ہی اور وہ اسکے نزدیک کسی قرآنی نص کے معارض نہیں لیکن دوسرے کا فہم و تدبر اسپر تعارض کا حکم لگا رہا ہے پھر اس اختلاف کے ہوتے ہوئے دواوین - حدیث کی کوئی حیثیت باقی رہ سکتی ہی؟ اگر ہر زید و بکر کے فہم ہی کو فیصلہ کا معیار مان لیا جائے تو احادیث تو درکنار خود آیات میں بھی بظاہر بینوں کو تعارض کی کئی مثالیں مل سکتی ہیں -

(۵) جو حدیث محدثین کے اصول کے رو سے صحیح ثابت ہو جائے اسکا معارض قرآن ہونا قطعاً غیر ممکن ہے

ان سب عذرات کا خلاصہ یہ ہی کہ وہ اسبات کے لئے ہرگز تیار نہیں کہ وہ اپنی پیش کردہ روایات کو قرآن شریف کی آیات کے سامنے رکھیں - بلکہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم نہ صرف ان روایات کو صحیح اور درست تسلیم کرلیں جو حامیان قتل مرتد نے اپنی تائید میں پیش کی ہیں بلکہ ان معنوں کو بھی صحیح یقین کرلیں جو وہ لوگ انکی طرف منسوب کرتے ہیں اور قرآن شریف کا نام تک نہ لیں - تا ایسا نہو کہ قرآن شریف کی آیات بینات ان روایات پر ایسی روشنی ڈالیں جس کے ذریعہ انکی حقیقت ظاہر ہو جائے اور حامیان قتل مرتد کا طلسم ٹوٹ جائے اور جو پردہ وہ لوگوں کی آنکھوں پر ڈالنا چاہتے ہیں قرآن شریف اس پردہ کو اٹھادے اور حقیقت کا انکشاف ہو جائے -

لیکن معلوم ہونا چاہیئے کہ ان کے عذرات اس مشکل سے انکو نجات نہیں دے سکتے -

وہ گھبرا کر کہتے ہیں کہ یہ دنیا جہان سے نرالا قاعدہ ہے جو وضع کیا گیا ہے - مگر ان کو جاننا چاہیئے کہ اول تو یہ قاعدہ نرالا نہیں لیکن محض نرالا ہونا کسی قاعدہ کو غلط ثابت نہیں کرتا - اس قاعدہ کو غور سے دیکھو - اگر وہ قاعدہ معقول ہے تو اسے قبول کرنا چاہیئے - اور اگر غیر معقول ہی تو اسے رد کر دینا چاہیئے - صرف یہ کہکر کہ یہ ایک نیا معیار ہے جو پیش کیا گیا ہے آپ کسی معیار کو رد نہیں کر سکتے - اس معیار کو پرکھو - اسکا امتحان کرو - اگر امتحان کے بعد آپ اس معیار کو مضبوط اور یقینی پاؤ تو اس کو اختیار کرو ورنہ اسکو ترک کردو - وہ معیار کیا ہے جو اس بحث میں حدیث کے پرکھنے کے لئے پیش کیا گیا ہے - اسوقت آپ لوگوں نے قتل مرتد کے دعوے کے ثبوت میں کچھ حدیثیں پیش کی ہیں - ہم نے اس دعویٰ کی تردید میں قرآن شریف کو پیش کیا ہی - اور ثابت کیا ہی کہ قتل مرتد کا مسئلہ قرآن شریف کی تعلیم کے خلاف ہی اور تمہاری پیش کردہ حدیثوں کے متعلق یہ معیار پیش کیا ہی کہ ہم ان حدیثوں کو قرآن شریف پر عرض کرینگے - اگر انکو قرآن شریف کے مطابق پائیں گے تو انکو کمال خوشی سے قبول کریں گے - اور اگر انکے الفاظ میں اور قرآن شریف میں بظاہر تعارض نظر آئیگا تو ہم قرآن شریف کو چھوڑ کر حدیثوں کے ان معنوں کو صحیح تسلیم نہیں کرینگے جو قرآن شریف کی تعلیم کے صریح مخالف ہیں بلکہ ان احادیث پر غور

کرینگے۔ اگر ان احادیث کی کسی طرح قرآن شریف کی تعلیم سے تطبیق ہو سکی تو ہم ان معنوں کو صحیح تسلیم کرینگے جو قرآن شریف کی تعلیم کے عین مطابق اور موافق ہیں اور ان معنوں کو ترک کر دینگے جو قرآن شریف کے خلاف ہیں لیکن اگر ان احادیث کی تطبیق قرآن شریف سے نہ ہو سکی تو ہم مجبوراً ان احادیث کو قرآن شریف کے خلاف ہونے کیوجہ سے ترک کر دینگے اور قرآن شریف کو ان احادیث پر مقدم رکھیں گے۔ یہ ہے وہ معیار جو ہم نے موجودہ بحث میں امر زیر بحث کے تصفیہ کے لئے پیش کیا ہے۔ مگر حامیان قتل مرتد اس معیار کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں اور انکا اس معیار کو قبول نہ کرنا اس امر کا قطعی اور یقینی ثبوت ہے کہ وہ ان روایات کو قرآن شریف کی صریح تعلیم کے خلاف دیکھتے ہیں۔ اور اگر وہ قرآن شریف کا معیار قبول کرلیں تو انہیں ماننا پڑتا ہے کہ کسی مرتد کو محض ارتداد کے لئے قتل کرنا جائز نہیں۔ اسلئے وہ اس معیار کو ہی قبول نہیں کر سکتے۔ اور ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم ان روایات کو انہی معنوں میں قبول کرلیں جو وہ ان روایات کی طرف منسوب کرتے ہیں اور قرآن شریف کی روشنی میں ان روایات کو نہ جانچیں

میں فی الحال حامیان قتل مرتد پر یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر بفرض محال اس معیار کو نرالا بھی کہا جاوے۔ پھر بھی یہ ایک ایسا معیار ہے۔ کہ جسکو ہر ایک مومن بشرح صدر قبول کریگا۔ اور اگر کسی شخص کا سینہ نور ایمان سے خالی ہے تو وہ بھی معقولی رنگ میں مجبور ہو گا کہ اس اصول کو صحیح تسلیم کرے۔ کیونکہ جو معیار ہماری طرف سے پیش کیا گیا ہے اسکی معقولیت ایسے زبردست دلائل سے ثابت ہے کہ کوئی ادنیٰ تدبر سے کام لینے والا انسان بھی خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ اور مومن کی تو شان ہی نہیں کہ وہ اسکے آگے سر تسلیم خم نہ کرے۔

پہلی دلیل جو اس معیار کی صداقت کو ثابت کرتی ہے یہ ہے کہ اگر قرآن کریم وہ یقینی اور قطعی کلام الٰہی ہے جس میں انسان کا ایک نقطہ یا ایک شوشہ تک دخل نہیں اور وہ اپنے الفاظ اور معانی کے ساتھ خدا تعالیٰ کا ہی کلام ہے۔ اور کسی فرقہ اسلام کو اسکے ماننے سے چارہ نہیں۔ اسکی ایک ایک آیت اعلیٰ درجہ کا تواتر اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ وہ وحی متلو ہے جس کے حرف حرف گنے ہوئے ہیں۔ وہ بباعث اپنے اعجاز کے بھی تبدیل اور تحریف سے محفوظ ہے۔ لیکن احادیث تو انسانوں کے دخل سے بھری ہوئی ہیں جو انمیں صحیح کہلاتی ہیں انکا اتنا بھی مرتبہ نہیں جو ایک آیت کے مقابلہ پر ایک کروڑاں میں سے وہ رنگ اور شان پیدا کر سکے جو اللہ جل شانہ کی بے مثل کلام کو حاصل ہے۔ حدیثوں میں ضعف کی وجوہات اسقدر ہیں کہ ایک دانا آدمی انپر نظر ڈال کر ہمیشہ اس بات کا محتاج ہوتا ہے کہ انکو تقویت دینے کے لئے کم از کم نص قرآنی کا کوئی اشارہ ہی ہو۔ یہ سچ ہے

کہ حدیثیں صحابہ رضؓ کی زبان سے بتوسط کئی راویوں کے مؤلفین صحاح تک پہنچی ہیں اور یہ بھی پیچ پڑ جہاں تک ممکن ہو مؤلفین صحاح نے حدیثوں کی تنقید و تفتیش میں بڑی بڑی کوشش کی ہیں مگر پھر بھی ہمیں ان پر وہ بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے جو اللہ جلشانہ کی کلام پر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ کئی واسطوں لئے معمولی انسانوں کے ہاتھوں سے دست و مال ہو کر ائمہ حدیث کو ملی ہیں نہ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انکو جمع کرنے یا انکے لکھوانے کی طرف توجہ فرمائی نہ صحابہ کرامؓ نے اس کام کو اپنے ذمہ لیا اور نہ خدا تعالیٰ نے احادیث کی حفاظت کا وعدہ فرمایا جس طرح کہ اسنے قرآن شریف کی حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ علاوہ ازیں احادیث کو جمع کرنے کا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک لمبا زمانہ بعد شروع کیا گیا۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں کثرت سے اختلاف اور تناقض پایا جاتا ہے۔

پس جب قرآن شریف کے مقابل میں احادیث کا یہ حال ہے تو حامیان قتل مرتد ہمیں خود ہی بتلائیں کہ اگر قرآن شریف اور حدیث میں باہم تعارض اور تناقض نظر آوے تو پھر ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیئے ؟ اور قرآن شریف اور حدیث میں سے کس کو اختیار کریں اور کس کو ترک کریں ؟ ایسی صورت میں جو معیار ہم نے پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ جب قرآن شریف کی آیات اور احادیث میں ہمیں اختلاف نظر آئے تو ہمیں پہلے یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ انہیں باہم تطبیق کیجائے اور احادیث کے ایسے معنے کئے جاویں جو قرآن شریف کی تعلیم کے مطابق ہوں۔ اور اگر ہم کسی طرح بھی تطبیق نہ کر سکیں تو پھر سوائے اسکے اور کوئی چارہ نہیں کہ ہم قرآن شریف کو اختیار کریں اور حدیث کو ترک کر دیں۔ کیونکہ قرآن شریف حدیث پر مقدم اور امام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ ؟

اسکے بعد میں حامیان قتل مرتد پر یہ امر بھی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ انکا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ یہ طریق دنیا جہان سے نرالا ہے۔ صحیح البخاری کی کتاب الجنائز میں صاف لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے حدیث ان المیت یعذب ببعض بکاء اھلہٖ کو قرآن کریم کی آیت لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی کے معارض و مخالف پاکر حدیث کی یہ تاویل کر دی کہ یہ مومنوں کے متعلق نہیں بلکہ کفار کے متعلق ہے جو بعض کی منع نوحہ بعد بعض حی بکہ دمیت کہاتے تھے پھر بخاری میں حدیث ہی ہے کہ قال ھل وجدتم ما وعدکم ربکم حقا۔ اس حدیث کو حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے اسکے سیدھے اور حقیقی معنے کی معنے قبول نہیں کیا اس عذر سے کہ یہ قرآن کریم کے معارض ہے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی۔ اور ابن عمر رضؓ کی حدیث کو اسوجہ سے رد کر دیا ہے کہ ایسے معنے معارض قرآن ہیں۔ ایسا ہی

محققوں نے بخاری کی اس حدیث کو کہ ما من مولود یولد الا والشیطان یمسہ حین یولد۔ فیستھل صارخا من مس الشیطان ایاہ الا مریم وابنہا قرآن کریم کی ان آیات سے مخالف پا کر کہ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۔ وَاِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ۔ وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ۔ اس حدیث کی یہ تاویل کر دی کہ ابن مریم اور مریم سے تمام ایسے اشخاص مراد ہیں جو اُن دونوں کی صفت پر ہوں۔ جیسا کہ ابن حجر نے فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۸ صفحہ ۱۵۹ میں لکھا ہے:-

"وقد طعن صاحب الکشاف فی معنی ھذا الحدیث وتوقف فی صحتہ فقال ان صح ھذا الحدیث فمعناہ ان کل مولود یطمع الشیطان فی اغوائہ الا مریم وابنہا فانھما کانا معصومین وکذلک من کان فی صفتھما لقولہ تعالیٰ "اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ"۔"

تلویح میں لکھا ہے۔ انما یرد خبر الواحد من معارضۃ الکتاب۔ خبر واحد جس میں احادیث بخاری ومسلم بھی شامل ہیں بحالت معارضہ کتاب اللہ رد کرنے کے لائق ہے۔

تفسیر حسینی میں زیر تفسیر آیت۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ لکھا ہے کہ کتاب تیسیر میں شیخ محمد ابن اسلم طوسی سے نقل کیا ہے کہ ایک حدیث مجھے پہنچی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو کچھ مجھ سے روایت کرو پہلے کتاب اللہ پر عرض کر لو۔ اگر وہ حدیث کتاب اللہ کے موافق ہو تو وہ حدیث میری طرف سے ہوگی ورنہ نہیں۔ سو میں نے اس حدیث کو کہ من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر قرآن سے مطابق کرنا چاہا اور تیس سال اس بارے میں فکر کرتا رہا۔ مجھے یہ آیت ملی واقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکین۔

علماء حنفیہ خبر واحد سے گو وہ بخاری ہو یا مسلم ہو قرآن کریم کے کسی حکم کو ترک نہیں کرتے امام شافعی رح حدیث متواتر کو بھی جن کی تعداد بہت ہی قلیل ہے بمقابلہ آیت کالعدم سمجھتے ہیں۔ اور امام مالکؒ کے نزدیک خبر واحد کے مقابلہ میں قیاس مقدم ہے۔

پس معلوم ہوا کہ حدیث کو قرآن شریف کی کسوٹی کے ساتھ جانچنے کا اصول دنیا جہان میں نرالا اصول نہیں ہے بلکہ یہ وہ اصول ہے جس پر مجتہدین امت ہمیشہ عمل کرتے رہے ہیں۔

دوسرا عذر جو حامیان قتل مرتد نے قرآن شریف کے معیار سے گریز کرنے کے لئے پیش کیا ہے یہ ہے کہ امام بخاری جیسے بزرگ کی نسبت یہ خیال بھی دل میں لانا ایک حیرت انگیز جرأت ہے کہ امام موصوف اپنے مجموعہ میں کوئی حدیث درج کر سکتے ہیں جو قرآن مجید کے مخالف ہو۔

اگرچہ یہ عذر حامیان قتل مرتد نے قرآن شریف کے معیار سے بچنے کے لئے پیش کیا ہے۔ مگر اس میں انہوں نے نادانستہ قرآن شریف کو معیار بنانے کے اصول کو جسکو انہوں نے دنیا جہان سے نرالا اصول قرار دیا تھا درست تسلیم کر لیا ہے کیونکہ انکے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ انکے نزدیک خود صاحب بخاری نے اس محک سے احادیث کو جانچا۔ اور صرف انہی احادیث کو اپنی صحیح میں درج کیا جن کو انہوں نے قرآن کے مطابق پایا۔ اور وہ ہرگز کسی حدیث کو اپنی کتاب میں درج نہیں کر سکتے تھے جسکو اس محک پر جانچنے کے بعد وہ قرآن شریف کے مخالف پاتے۔ پس اگر یہ ایسا معیار ہے کہ جسکو خود مؤلف بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث کو جانچنے کے لئے استعمال کیا۔ اور صرف انہی احادیث کو درج کیا جنکو انہوں نے قرآن شریف کے موافق پایا تو پھر حامیان قتل مرتد کو اس معیار کے قبول کرنے میں کیا عذر ہے؟ اور وہ کیوں اس بات کے لئے تیار نہیں کہ انکی پیش کردہ روایات کو اسی معیار کے رو سے جانچا جاوے؟

تیسرا عذر جو حامیان قتل مرتد نے قرآن شریف کو معیار قبول کرنے سے گریز اختیار کرنے کے لئے پیش کیا ہے یہ ہے کہ:-

"یہ خیال کہ جو حدیث صحت و درستی کے مقررہ اور مفید یقین معیار پر پوری اترے اسکا معارض نص قرآنی ہونا۔ اسکی پذیرائی کے مانع ہے اہل علم کے نزدیک پرکاہ جتنی وقعت بھی نہیں رکھتا۔"

اول تو یہ کہنا کہ "جو حدیث صحت و درستی کے مقررہ اور مفید یقین معیار پر پوری اترے" صحیح نہیں۔ کیونکہ جس طریق سے احادیث کو جمع کیا گیا ہے اس طریق پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاشبہ وہ طریق ظنی ہے اور انکی نسبت یقین کا ادعا کرنا باطل ہے۔ ائمہ حدیث جس طور سے صحیح اور غیر صحیح حدیثوں میں فرق کرتے ہیں اور جو قاعدہ تنقید احادیث انہوں نے بنایا ہوا ہے وہ تو ہر ایک پر ظاہر ہے۔ احادیث صرف راویوں کے سہارے سے اور انکی راست گوئی کے اعتبار پر قبول کی گئی ہیں۔ اور یہ طریق یقینی اور قطعی الثبوت نہیں۔ ان احادیث کا فی الواقعہ صحیح اور راست ہونا تمام راویوں کی صداقت اور نیک چلنی اور سلامت فہم اور سلامت حافظہ اور تقویٰ اور طہارت وغیرہ شرائط پر موقوف ہے۔ اور ان تمام امور کا کماحقہ اطمینان کے موافق فیصلہ ہونا اور کامل درجہ کے ثبوت پر جو حکم رؤیت کا رکھتا ہے پہنچنا کم محال کا رکھتا ہے۔ اور کسی کی طاقت نہیں کہ حدیثوں کی نسبت ایسا ثبوت کامل پیش کر سکے۔ تمام ائمہ حدیثوں کے جمع کرنے میں ایک قسم کا اجتہاد کام میں لائے

اور مجتہد کبھی مصیب اور کبھی مخطی بھی ہوتا ہے۔"

پس حامیان قتل مرتد کا یہ دعویٰ کہ محدثین کے مقرر کردہ اصول احادیث کو یقین کے مرتبہ تک پہنچا دیتے ہیں غلط ہے۔

کیا حامیانِ قتل مرتد صحیح بخاری کی تمام احادیث کی نسبت یا ان احادیث کی نسبت جنکو انہوں نے اپنے دعوٰے کی تائید میں موجودہ بحث میں پیش کیا ہے حلفاً کہہ سکتے ہیں کہ ان کا لفظ لفظ یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے کلمات طیبات ہیں اور انمیں کسی قسم کی تبدیلی اور تغیر نہیں ہوا؟

(احادیث کے تین اقسام مقرر کئے گئے ہیں۔ ایک متواتر۔ دوم مشہور۔ سوم آحاد۔

متواتر کی یہ تعریف لکھی ہے۔ ھو ما یرویہ قوم لا یحصی عددھم ولا یتوھم تواطؤھم علی الکذب لکثرتھم وعدالتھم وتباین اماکنھم ویدوم ھذا الحد الیٰ ان یتصل برسول اللہ صلعم (حسامی) یعنی متواتر قسم کی حدیث وہ ہے جسکے روایت کرنیوالے اتنے لوگ ہوں کہ وہ شمار میں بھی نہ آسکیں اور انکی تعداد ایسی کثیر ہو اور وہ ایسے عادل ہوں اور انکے مکان ایک دوسرے سے اسقدر دور ہوں کہ یہ گمان بھی نہ ہو سکے کہ ان سب نے جھوٹ پر اتفاق کر لیا ہے اور یہی شرائط برابر ان راویوں کی جماعت میں بھی پائی جائیں۔ جنہوں نے اس حدیث کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔ اس قسم کی احادیث کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ علم یقین کا فائدہ دیتی ہیں مگر انکی تعداد بہت ہی قلیل ہے۔ علاوہ ازیں اگر کوئی حدیث تواتر کے درجہ پر بھی ہو تاہم قرآن کریم کے تواتر سے اسکو ہرگز مساوات نہیں۔

دوسری قسم احادیث کی مشہور کہلاتی ہے۔ اسکی تعریف یہ لکھی ہے ھو ما کان من الاحاد فی الاصل ثم انتشر فصار ینقلہ قوم لا یتوھم تواطؤھم علی الکذب وھم القرن الثانی ومن بعدھم۔ یعنے دراصل مشہور حدیث بھی احاد میں سے ہی ہے۔ مگر اس میں اور عام احادیث احاد میں یہ فرق ہے کہ یہ بعد میں یعنے قرن ثانی و قرن ثالث میں زیادہ لوگوں میں پھیل گئی اور ان بعد کے لوگوں کی تعداد ایسی کثیر ہو کہ ہم یہ گمان نہ کر سکیں کہ انہوں نے جھوٹ پر اتفاق کر لیا۔ ان احادیث کا درجہ متواتر سے کم ہے اور یہ علم یقین کا فائدہ نہیں دیتیں۔ حسامی میں لکھا ہے کہ نکتہ لما کان من الاحاد فی الاصل ثبت بہ شبہۃ سقط بھا علم الیقین یعنی چونکہ ابتدا میں یہ احادیث بھی احاد میں سے ہی تھیں اسلئے ان میں شبہ ثابت ہو کر

اس شبہ کیوجہ سے یہ احادیث یقین کا فائدہ نہیں دیتیں۔ احادیث کی اس قسم کی نسبت اصول شاشی میں لکھا ہے فیہ ضرب شبہۃ یعنی اس قسم کی احادیث میں ایک قسم کا شبہ پایا جاتا ہے۔

تیسری قسم احادیث کی احاد ہے اسکی تعریف یہ ہے۔ خبر الواحد ہو ما نقلہ واحد عن واحد او واحد عن جماعۃ او جماعۃ عن واحد ولا عبرۃ للعدد اذا لم تبلغ حد المشہور۔ یعنے خبر واحد وہ ہے جسکو ایک آدمی نے ایک آدمی سے۔ یا ایک آدمی نے ایک جماعت سے یا ایک جماعت نے ایک آدمی سے نقل کیا ہو۔ اور کثرت تعداد کا کوئی اعتبار نہیں جبتک کہ وہ مشہور کی کثرت تعداد سے کم ہو۔ اکثر احادیث اسی قسم میں داخل ہیں یہانتک کہ صحیح بخاری کی احادیث کا اکثر حصہ بھی احاد کی قسم سے ہے) اور وہ احادیث بھی جنکو اس بحث میں پیش کیا گیا ہے اسی تیسری قسم کی حدیثوں میں شامل ہیں۔ اس قسم کی نسبت اصول شاشی میں لکھا ہے۔ فیہ احتمال شبہۃ یعنے اسمیں شبہ کا احتمال ہے۔

اس تقسیم سے صاف ظاہر ہے کہ اکثر احادیث غایت درجہ مفید ظن ہیں اور ظنی نتیجہ کی منتج ہیں صرف متواتر احادیث کی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ وہ مفید یقین ہیں۔ مگر اول تو انکی تعداد ہی بہت قلیل ہے دوسرے وہ بھی ایسی یقینی نہیں جیسا کہ قرآن شریف۔ اور وہ قرآن شریف کے مقابل میں نہیں رکھی جاسکتیں۔ ۱۱ نمبر ۔ ۔ ۔ ۔

اب میں حامیان قتل مرتد کے اس حقارت آمیز دعوی کو لیتا ہوں جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ "یہ خیال کہ جو حدیث صحت و درستی کے مقررہ اور مفید یقین معیار پر پوری اترے اسکا معارض نص قرآنی ہونا اس کی پذیرائی کے مانع ہے اہل علم کے نزدیک پرکاہ جتنی وقعت بھی نہیں رکھتا" حامیان قتل مرتد نے اپنے اس بیان میں جو قرآن شریف کی ہتک کی ہے وہ عیاں ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں میں ایمانی طاقت ایسی مردہ ہو چکی ہے کہ انکو احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ اپنی تحریر میں صرف ان لوگوں کی ہتک نہیں کرتے جو ہر حال میں قرآن شریف کو مقدم کرتے ہیں اور جنمیں حضرت عمرؓ اور حضرت امام اعظم جیسے عظیم الشان انسان شامل ہیں۔ بلکہ خود خدا تعالے کے کلام کی ہتک کرتے ہیں۔ خیر مجھے ان کے احساس سے یہاں کوئی کام نہیں۔ میں صرف انکے بیان کا بطلان ظاہر کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔ امید ہے کہ الحمد شمت علمیان قتل مرتد کے نزدیک "اہل علم" میں شامل ہونگے۔ آؤ۔ اب ہم دیکھیں کہ یہ بزرگ اسبارے میں کیا رویہ رکھتے ہیں؟

سنیے! امام شافعیؒ کا یہ مذہب ہے کہ اگر حدیث آیت کے مخالف ہو تو باوجود تواتر کے بھی کالعدم ہے

امام مالک کے نزدیک خبر واحد کے ساتھ اگر آیت قرآنی کی تصدیق نہ ہو تو اس سے قیاس مقدم ہے۔ علماء حنفیہ خبر واحد سے گو وہ بخاری اور مسلم کی ہو قرآن کے کسی حکم کو ترک نہیں کرتے علامہ تفتازانی اپنی کتاب تلویح میں لکھتے ہیں :-

"انما خبر الواحد یرد من معارضۃ الکتاب واتفق اھل الحق علی ان کتاب اللہ مقدم علی کل قول فانہ کتاب احکمت آیاتہ لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ وقد حفظہ اللہ وعصمہ وما مسہ ایدی الناس وما اختلط فیہ شیٔ من اقوال المخلوقین"

یعنے خبر واحد اگر کتاب اللہ کے معارض ہو تو اسے رد کر دیا جاتا ہے۔ اور اہل حق کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کتاب اللہ ہر ایک قول پر مقدم ہے۔ کیونکہ یہ ایسی کتاب ہے جسمیں باطل کو کچھ دخل نہیں اور اللہ جل شانہ نے اسکی حفاظت فرمائی اور اسکو ہر ایک قسم کی غلطی کی ملاوٹ سے بچایا ہے اور انسانوں کے ہاتھوں نے اسکو نہیں چھوا۔ اور مخلوقات کے اقوال میں سے کچھ بھی کتاب اللہ میں داخل نہیں ہوا۔

اب حامیان قتل مرتد بتائیں۔ انہوں نے کہاں سے سن لیا کہ اس خیال کی اہل علم کے نزدیک پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں۔ کہ جو حدیث صحت کے مقرر کردہ کامل معیاروں پر پوری اترے اسکا معارض نص قرآنی ہونا اسکی پذیرائی کے مانع ہے۔ کیا صحیح بخاری کی احادیث جن میں سے اکثر احادیث صحت کے کامل معیار پر پوری نہیں اترتیں؟ پھر کیا اہل فقہ ان کو معارض قرآن ہونیکی صورت میں رد نہیں کر دیتے؟ کیا ائمہ ثلثہ حامیان قتل مرتد کے نزدیک اہل علم میں شامل نہیں؟ کیا علامہ تفتازانی اہل علم کے شمار میں نہیں آسکتے؟ یہ لوگ تو قرآن شریف کو صحیح حدیث پر بھی مقدم رکھتے ہیں اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جو محفوظیت قرآن شریف کی آیات کو حاصل ہے وہ کسی حدیث کو حاصل نہیں اور یہ کہ قرآن شریف کی آیات میں کسی انسان کا قول داخل نہیں ہوا اور قرآن شریف انسانی دستبرد سے بالکل محفوظ اور مامون ہے۔ مگر احادیث کا خواہ وہ صحت کے کیسے اعلیٰ معیار پر ہوں یہ حال نہیں ہے۔

چوتھا عذر حامیان قتل مرتد نے قرآن شریف کے معیار سے گریز کرنے کے لیے یہ اختیار کیا ہے کہ ہر زید و بکر کے فہم کو فیصلہ کا معیار نہیں مانا جا سکتا۔ ایک شخص کے نزدیک ایک حدیث معارض قرآن ہوتی ہے دوسرے کے نزدیک وہ معارض قرآن نہیں ہوتی۔ اس اختلاف کی موجودگی میں

دواوین حدیث کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔

چونکہ مرتد کو محض ارتداد کے لئے قتل کرنا ایک ایسا مسئلہ ہے جس کو نہ صرف قرآن شریف رد کرتا ہے بلکہ عقل سلیم بھی اسکو دھکے دیتی ہے۔ اسلئے حامیان قتل مرتد جیسے قرآن شریف کے معیار سے کوسوں دور بھاگتے ہیں ایسا ہی عقل سلیم کے فتوٰی کا بھی ان کے دل میں بہت خوف بیٹھا ہوا ہے اسلئے یہ دونوں سے کنارہ کشی کرتے ہیں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ یہ دو تو ایسی چیزیں ہیں کہ ان کے بغیر چارہ نہیں۔ قرآن شریف چھوڑنے سے تو اسلام کا کچھ باقی نہیں رہتا۔ اور عقل کو جواب دینے سے خود علماء بے دست و پا ہو جاتے ہیں کیونکہ اگر عقل کو بالائے طاق رکھدیا جائے تو تحقیق کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ بیشک ہمارے دین کا دارومدار قرآن شریف پر ہے اور صحیح احادیث بھی ایک بیش قیمت خزینہ ہے جو ہماری روح کی غذا ہے اور دین کے سمجھنے میں ہمیں اس سے بڑی مدد ملتی ہے۔ اور بہت سی تفاصیل ہیں جو ہمیں احادیث کے ذریعہ حاصل ہوتی ہیں۔ لیکن قرآن شریف اور احادیث پر تدبر اور غور کرتے وقت ہمیں عقل سے ہی کام لینا پڑتا ہے۔ اگر عقل سے کام نہ لیا جاوے تو ایک دم بھی گزارہ نہیں ہو سکتا۔ خود احادیث صحیحہ میں اختلاف ہوتا ہے۔ اور اسوقت ہمیں صحیح فیصلہ پر پہنچنے کے لئے عقل کی روشنی کی ضرورت ہوتی ہے۔ احادیث اور آیات کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے ہم کو عقل خداداد سے کام لینا پڑتا ہے۔ پس عقل کو جواب نہیں دیا جا سکتا۔ اگر عقل ایسی گمراہ کن چیز تھی تو ہمیں بار بار قرآن شریف کی آیات پر تدبر کرنے کی کیوں تاکید کیجاتی ہے؟ حامیان قتل مرتد پوچھتے ہیں کہ ہم کس عقل سے معلوم کریں کہ آیت اور حدیث میں تعارض ہے یا نہیں؟ میں کہتا ہوں کہ ہم اسی عقل سے معلوم کرینگے جس کے ذریعہ دو متعارض احادیث میں ہم تعارض معلوم کر سکتے ہیں۔ اگر ہماری عقل دو متعارض احادیث میں تعارض معلوم کر سکتی ہے تو وہ حدیث اور آیت میں بھی تعارض معلوم کر سکتی ہے۔ حامیان قتل مرتد فرماتے ہیں کہ ایک شخص کی عقل کہتی ہے کہ فلاں حدیث آیت قرآنی کے متعارض ہے اور دوسرے کی عقل کہتی ہے کہ نہیں کوئی تعارض نہیں اب کس طرح فیصلہ کیا جاوے کہ کس کی عقل درست کہتی ہے اور کس کی غلط میں کہتا ہوں کہ اسکا بھی اسیطرح فیصلہ ہوگا۔ جس طرح کہ ایسے موقعوں پر ہمیشہ فیصلہ کیا جاتا ہے۔ دونوں فریق اپنے اپنے دلائل پیش کرینگے اور پبلک خود فیصلہ کریگی کہ کس کے دلائل مضبوط ہیں اور کس کے کمزور؟

پھر حامیان قتل مرتد فرماتے ہیں کہ اختلاف رائے کی وجہ سے دواوین حدیث کی

کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا پہلے اختلاف رائے موجود نہیں ہے؟ پھر کیا اس اختلاف کے ہوتے ہوئے دواوینِ حدیث کی حیثیت زائل ہو گئی؟ اگر پہلے اختلاف کی وجہ سے دواوینِ حدیث کی حیثیت قائم ہے تو پھر بعد کے اختلاف سے بھی ان کی حیثیت زائل نہیں ہو سکتی۔ دواوینِ حدیث تو ایک ذخیرہ ہیں جو تحقیق کے لئے بطور معلومات کے کام دیتے ہیں۔ محدثین کا تو اصول ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا بلکہ انکے نزدیک اجتہاد کا اب بھی حق حاصل ہے۔

پس اجتہاد اور تحقیق کا باب مسدود نہیں ہوا۔ اور احادیث کو قرآن شریف پر عرض کرنا یہ بھی ایک تحقیقات کا ذریعہ ہے۔ اس سے احادیث کا ذخیرہ بے کار نہیں ہو جاتا۔ کیا جب وہ صحیح احادیث آپس میں متعارض ہوں ایک کو دوسری پر ترجیح نہیں دی جاتی؟ پھر اگر کوئی حدیث قرآن شریف کی آیات کے مخالف ہو۔ اور قرآن شریف کو حدیث پر ترجیح دی جائے۔ تو اس میں دواوینِ حدیث کی کونسی ہتک لازم آتی ہے؟

پانچواں عذر قرآن شریف کے معیار سے گریز کرنے کے لئے مولوی صاحبان یہ پیش کرتے ہیں کہ جو حدیث محدثین کے اصول کے رو سے صحیح ثابت ہو جائے اس کا معارض قرآن ہونا قطعاً ناممکن ہے۔ اس لئے کسی ایسی حدیث کو جو محدثین کی اصطلاح میں صحیح کہلاتی ہے قرآن شریف پر عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر یہ درست ہے۔ کہ جس کو محدثین اپنی اصطلاح میں صحیح حدیث کہتے ہیں وہ قرآن شریف سے کسی صورت میں بھی معارض نہیں ہو سکتی تو پھر آپ قرآن شریف کا معیار قبول کرنے سے ڈرتے کیوں ہیں؟ پھر تو آپ کو خوشی سے اس معیار کو قبول کر لینا چاہیئے تھا۔ کیونکہ آپ کے اس قول سے تو ثابت ہوتا ہے کہ صحیح حدیث کا قرآن سے موافق ہونا ضروری ہے۔ گویا آپ اس اصول کو درست تسلیم کرتے ہیں۔ پس جب یہ اصول خود آپ کے نزدیک بھی درست ہے تو پھر آپ کیوں میدان میں نہیں نکلتے۔ اور کیوں اپنی پیش کردہ روایات کو ان معنوں میں جو آپ انکی طرف منسوب کرتے ہیں قرآن شریف کے ساتھ مطابق کر کے نہیں دکھاتے؟

نیز حامیانِ قتلِ مرتد کا یہ دعوٰی بھی غلط ہے کہ جس حدیث کا نام محدثین نے اپنے قواعد کے رو سے صحیح رکھا ہے اسکا معارض قرآن ہونا قطعاً ناممکن ہے۔ جب صحیح کہلانے والی احادیث خود آپس میں متعارض ہیں تو قرآن شریف سے کیوں نہ متعارض

نہیں ہوسکتیں۔ حامیان قتل مرتد پہلے ان کا باہمی تعارض دور کریں اسکے بعد یہ دعوٰی پیش کریں
کہ انکا معارض قرآن ہونا قطعاً ناممکن ہے۔ ان صحیح کہلانے والی احادیث میں خود باہم اس قدر اختلاف ہے
کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی انکا تعارض دور نہیں کر سکے۔ اور انکی جمع کی ہوئی احادیث میں
جو اصح سمجھی جاتی ہیں اختلاف اور تعارض موجود ہے۔ اور ان احادیث میں باہمی سخت تعارض
کے ہوتے ہوئے یہ دعوٰی کرنا کہ ان کا معارض قرآن ہونا قطعاً ناممکن ہے۔ ایک بڑ سے
زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔

غرض اس بات میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں ہو سکتا کہ قرآن شریف بہرحال احادیث
پر مقدم ہے۔ قرآن شریف کا ایک ایک حرف اور ایک ایک نقطہ یقینی اور قطعی ہے۔
اور اس میں انسان کا ذرہ بھر بھی دخل نہیں۔ اور اکثر احادیث غائت درجہ ظنی ہیں۔ اور
انسانوں کی دست برد سے خالی نہیں۔ پس قرآن شریف کا حق ہے کہ اسے حَکم بنایا جاوے۔
اور اگر کوئی حدیث قرآن کی صریح تعلیم کے خلاف ہو تو اول تو ہمیں اس حدیث کو ایسے
مفہوم میں لینا چاہیئے جو قرآن شریف کے مخالف نہو۔ اور اگر کوئی صورت تطبیق کی نہ ہو۔ تو
پھر ہمیں قرآن شریف کو حدیث پر مقدم رکھنا چاہیئے۔ نہ کہ اس حدیث کو جو کہ قرآن شریف
کے صریح مخالف ہو۔ اس لئے موجودہ بحث میں پہلے یہ فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ آیا مرتد
کا محض ارتداد کے لئے قتل کرنا قرآن شریف کی تعلیم کے مطابق ہے یا اسکے خلاف ہے؟ اگر
قرآن شریف سے قطعی و یقینی طور پر یہ امر ثابت ہو جائے کہ کسی شخص کو محض اسلئے قتل کر دینا کہ
اس نے اسلام کو ترک کر کے کوئی اور مذہب اختیار کر لیا ہے اسلام کی تعلیم کے موافق اور
مطابق ہے اور قرآن شریف کی تعلیم کی یہی روح ہے کہ ایسے شخص کو قتل کر دینا چاہیئے جو اسلام
لاکر پھر ارتداد اختیار کرتا ہے۔ تو ہمیں بسر و چشم اس عقیدہ کو قبول کرنا چاہیئے اور اس پر
عمل پیرا ہونا چاہیئے لیکن اگر قرآن کریم سے یہ ثابت ہو کہ مرتد کو محض ارتداد کی وجہ سے قتل کرنا ایک ظلم ہے تو پھر بہرحال قرآن شریف کو مقدم

عدم قتل مرتد کا ثبوت حدیث سے

اسکے بعد میں نہایت خوشی سے اس بات کا اظہار کرتا ہوں۔
کہ جیسا قرآن شریف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرتد کو محض ارتداد
کے لئے قتل کرنا جائز نہیں اسی طرح احادیث سے یہ ثابت ہوتا
ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مرتد کو محض ارتداد کے لئے قتل نہیں کرایا۔ اور یہ کہ
ارتداد کی سزا قتل نہ تھی اور مرتد کے لئے کوئی جسمانی سزا مقرر نہیں۔ یہ دعوٰی ہے جس کے

سامنے میں بفضلہ تعالٰی حدیث کے مضمون کو شروع کرتا ہوں۔ اس دعویٰ کا ثبوت حسب ذیل ہے:

پہلا ثبوت صحیح بخاری میں مندرجہ ذیل واقعہ اس امر کا فیصلہ کر دیتا ہے کہ مرتد کے لئے محض ارتداد کے واسطے کوئی شرعی حد مقرر نہ تھی۔ اس حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں:-

"عن جابر بن عبد اللہ ان اعرابیا بایع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الاسلام فاصاب الاعرابی وعک بالمدینۃ فجاء الاعرابی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ اقلنی بیعتی ثم جاءہ فقال اقلنی بیعتی فابی فخرج الاعرابی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما المدینۃ کالکیر تنفی خبثہا وتنصع طیبہا۔" (فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۱۷۳ و بخاری ہندی صفحہ ۱۰۷۰)

یعنی جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اسلام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔ اسکے بعد اعرابی کو مدینہ میں بخار ہو گیا۔ پھر وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا کہ میری بیعت مجھے واپس دیدیں پھر دوبارہ آیا اور کہنے لگا کہ میری بیعت مجھے واپس دیدیں۔ آپ نے انکار فرمایا۔ پھر وہ اعرابی مدینے سے چلا گیا۔ اسپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ ایک بھٹی کیطرح ہے وہ میل کو نکال دیتا ہے اور اصل پاکیزہ چیز کو خالص کر دیتا ہے۔

اب یہ ارتداد کا واقعہ ہے جو مدینہ میں واقعہ ہوا۔ ایک شخص اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا۔ مگر اسکو قتل کی سزا نہیں دیگئی۔ اب کہاں ہیں حامیان قتل مرتد؟ وہ بتائیں کہ اگر اسلام میں ارتداد کے لئے قتل کی حد مقرر تھی تو پھر اس مرتد کو کیوں قتل نہ کیا گیا؟ اس پر کیوں شرعی حد جاری نہ کیگئی؟ کیا امیر امان اللہ خاں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت زیادہ دینی غیرت ہے؟ کیا امیر کابل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت شرعی حدود کا زیادہ نافذ کرنے والا ہے؟ پھر کیا وجہ ہے کہ اس مرتد کو جس نے آپ کے سامنے مدینہ میں ارتداد کیا قتل نہ کیا گیا؟ اس شخص کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بار بار آنا بھی ظاہر کرتا ہے کہ مرتد کے لئے قتل کی سزا مقرر نہ تھی۔ ورنہ وہ کبھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ آتا بلکہ کوشش کرتا کہ بلا اطلاع چپکے سے نکل جائے اور کسی پر ظاہر نہ کرتا کہ وہ ارتداد اختیار کرتا چاہتا ہے۔

ہمیں بتایا جاتا ہے کہ مرتد کی سزا قتل ارتداد کو روکنے کے لئے شریعت اسلام میں

معترضین کی یہ ہے اور اسکی غرض تو فاسد یہ ہی کہ لوگوں کو اسلام پر رہنے کے لئے مجبور کیا جائے ۔ اگر یہ بات سچ ہے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں اسکو متنبہ نہ کیا ؟ اور کیوں یہ نہ کہا کہ یاد رکھو ! کہ اسلام میں ارتداد کی سزا قتل ہے ۔ اگر تم ارتداد اختیار کرو گے تو تمہیں قتل کیا جائیگا ؟ اور جبکہ وہ بار بار ارتداد کا ارادہ ظاہر کرتا تھا اور خوف تھا کہ وہ مرتد ہو کر چلا جائیگا تو ایسی صورت میں کیوں اسپر پہرہ مقرر نہ کیا گیا تا اگر وہ مرتد ہو کر جانے لگے تو اسکو پکڑ لیا جاوے اور اسپر شرعی حد جاری کیجا وے ؟ کیوں صحابہؓ نے اسکو یہ نہ کہا کہ میاں ! اگر جان کی خیر چاہتے ہو تو ارتداد کا نام نہ لو کیونکہ اس شہر میں تو یہ قاعدہ جاری ہے کہ جو شخص اسلام لا کر پھر ارتداد اختیار کرتا ہے اسکو فورًا قتل کر دیا جاتا ہے ؟

پس اس اعرابی کا بار بار ارتداد کے ارادہ کا اظہار کرنا اور اسکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بار بار جانا ۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اسکو ارتداد کے نتیجہ سے متنبہ نہ کرنا اور نہ صحابہؓ کا اسکو قتل کا حکم سنانا اور آخر کار اسکا بغیر کسی قسم کے تعرض کے مدینہ سے نکل جانا یہ سب امور صاف طور پر اس امر کے شاہد ہیں کہ اسلام میں مرتد کے لئے کوئی شرعی حد مقرر نہ تھی ۔

پھر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اسکے نکل جانے پر ایک طرح کی خوشی کا اظہار کرنا اور فرمانا کہ مدینہ ایک بھٹی کی طرح ہے جو میل کچیل کو پاکیزہ جوہر سے جدا کر دیتا ہے ۔ صاف ظاہر کرتا ہے کہ آپ اس اصول کے مخالف تھے کہ کسی کو جبر سے اسلام پر رکھا جاوے اور لوگوں کو جبری ذرائع اختیار کر کے ارتداد سے روکا جاوے ۔ بلکہ اگر ناپاک انسان مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جاتا تو آپ اسپر ناخوش نہیں ہوتے تھے ۔ اور آپ یہ کوشش نہیں فرماتے تھے کہ اسکو اسکی مرضی کے خلاف جبرًا اسلام میں رکھا جاوے بلکہ ایسے شخص کا چلا جانا آپکے نزدیک گویا خس کم جہاں پاک کا مصداق تھا ۔ اگر آپ کا یہ اصول ہوتا کہ جو شخص ایک دفعہ اسلام میں داخل ہو جائے اسکو ہر ممکن ذریعہ سے اسلام میں رہنے کے لئے مجبور کیا جائے ۔ اور اگر وہ کسی طرح بھی نہ مانے تو اسکو قتل کیا جاوے تا اسکی مثال دوسروں کے لئے عبرت ہو ۔ تو چاہیئے تھا کہ آپ اس اعرابی کے جانے پر خفا ہوتے اور صحابہؓ کو ڈانٹتے کہ تم نے مدینہ کو کیوں جانے دیا ؟ کیوں اسکو پکڑ کر قتل نہ کیا

دھمکی نہ دی؟ اور چاہیے تھا کہ آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیتے کہ وہ دوڑ کر جہاں ہو اس مرتد کو پکڑ لاؤ تا اس کو قتل کی سزا دی جائے۔ مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ دوسرے الفاظ میں یہ فرمایا کہ اچھا ہوا وہ چلا گیا۔ وہ اس قابل نہ تھا کہ مسلمانوں میں رہے۔ مدینہ نے خود اس کو اپنے ہاتھ سے ہم سے جدا کر دیا ہے۔

غرض اس اعرابی کی مثال ایک قطعی اور یقینی ثبوت اس امر کا ہے کہ مرتد کے لئے کوئی شرعی سزا مقرر نہ تھی۔ اور مسلمانوں میں قطعاً یہ طریق جاری نہیں تھا کہ وہ ہر ایک مرتد کو محض اسکے ارتداد کی وجہ سے قتل کر دیتے۔

دوسرا ثبوت اس امر کا کہ مرتد کے لئے کوئی شرعی حد مقرر نہ تھی وہ شرائط ہیں جنکے ساتھ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مقام حدیبیہ میں مشرکین مکہ کے ساتھ صلح کی۔ صلح حدیبیہ کی حدیث میں لکھا ہے:

"صالح النبي صلى الله عليه وسلم المشركين يوم الحديبية على ثلاثة اشياء على من اتاه من المشركين رده اليهم ومن اتاهم من المسلمين لم يردوه" (بخاری مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۷)

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن مشرکین کے ساتھ تین باتوں پر صلح کی۔ پہلی شرط یہ تھی کہ اگر مشرکین سے کوئی شخص مسلمان ہو کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائے تو آپ اسکو مشرکین کی طرف واپس کر دینگے۔ دوسری شرط یہ تھی۔ اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص مرتد ہو کر مشرکین کی طرف چلا جائے تو مشرکین اسکو آپ کی طرف واپس نہیں کرینگے۔

اس صلحنامہ کی دوسری شرط سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ مرتد کے لئے کوئی شرعی حد مقرر نہ تھی۔ کیونکہ اگر ارتداد کے لئے شریعت اسلام میں یہ سزا مقرر ہوتی کہ اس کو قتل کیا جائے تو شرعی حد کے معاملہ میں کبھی مشرکین کی بات قبول نہ فرماتے۔ اس صلح کی نسبت خود خدا تعالیٰ شہادت دیتا ہے کہ اس کے شرائط تقوای پر مبنی تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ

واھلہا وکان اللہ بکل شیء علیما ۔

پس آپ کا اس امر کو منظور فرما لینا کہ اگر کوئی شخص مسلمانوں میں سے مرتد ہو کر مشرکین کی طرف چلا جائے گا تو اسکا مطالبہ نہیں کیا جائیگا صاف طور پر ظاہر کرتا ہے کہ مرتدین کے لئے کوئی شرعی حد مقرر نہ تھی ۔ ورنہ آپ ؐ فرماتے کہ یہ شرعی حد کا معاملہ ہے ۔ اور میں شرعی حکم کے خلاف تمہارے ساتھ معاہدہ نہیں کر سکتا ۔ کیونکہ یہ تقوی کے خلاف ہے ۔ شرعی حدود کے اجراء کے معاملہ میں آپ ؐ ایسے مضبوط تھے کہ اسکے خلاف آپ کسی کی بات سننے کے لئے تیار نہ تھے ۔ پھر کس طرح ممکن ہے کہ شرعی مجرموں کے متعلق آپ ؐ کوئی ایسی شرط منظور فرماتے جو شرعی احکام کے نفاذ میں روک ہو ۔ اگر کوئی شخص یہ عذر کرے کہ ایسا شخص مکہ میں جا کر شرعی حدود کے دائرہ سے نکل جاتا تھا کیونکہ وہ اسلامی علاقہ سے نکلکر دشمن کے علاقہ میں چلا جاتا تھا ۔ تو یہ عذر درست نہیں ہے ۔ کیونکہ دشمن کا ملک اسوقت تک کہلا سکتا تھا جبتک کہ صلح نہیں ہوئی تھی ۔ مصالحت کے بعد وہ علاقہ دشمن کا علاقہ نہیں کہلا سکتا تھا ۔ ایسا عذر کرنے والا مجھے انصاف سے بتائے کہ اگر مشرکین مکہ کسی اور شرعی جرم کی نسبت یہ شرط کرتے کہ اگر وہ ہمارے علاقہ میں آ جائے تو اسپر شرعی حد جاری نہ کی جائے تو کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسوجہ سے اس شرط کو منظور فرما لیتے کہ ایسا مجرم دشمن کے علاقہ میں چلا جانے کیوجہ سے اسلامی احکام کے دائرہ سے خارج ہو جاتا ہے اسلئے ایسی شرط کے منظور کرنے میں کوئی حرج نہیں ۔ میں یقین کرتا ہوں کہ ہر ایک انصاف پسند یہی کہے گا کہ آپ کسی اور شرعی مجرم کے متعلق ایسی شرط ہرگز قبول نہ فرماتے ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ ؐ نے مرتد کے متعلق ایسی شرط منظور فرمالی ۔ اگر ارتداد کے لئے بھی ایسی ہی شرعی حد مقرر ہوتی جیسی کہ مثلاً قتل یا سرقہ یا زنا کے لئے حد مقرر ہے تو آپ ؐ کبھی صلحنامہ کی دوسری شرط منظور نہ فرماتے ۔ پس آپ ؐ کا اس شرط کو قبول کر لینا اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ ارتداد شرعی جرم نہیں سمجھا جاتا تھا ۔ اور اسکے لئے کوئی شرعی حد مقرر نہ تھی ۔

تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ صحابہ رض کو یہ صلح بہت دو بھر معلوم ہوئی ۔ کیونکہ اس میں وہ اپنی سبکی سمجھتے تھے ۔ اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے

اس طرح کی شرائط پر اعتراض کیا ہوتا اگر شریعت اسلام میں یہ حکم ہوتا کہ مرتد کو قتل
کیا جانا ہی چاہیے تو یہاں صحابہ کو اپنے دوسرے اعتراض جیسے کے علاوہ یہ بھی اعتراض
کرتے کہ مرتد کے لئے تو شریعت اسلام کا یہ حکم ہے کہ اس پر قتل کی حد جاری کی جائے اس کے
متعلق آپ کیوں ایسی شرط منظور فرماتے ہیں؟ مگر انہوں نے ایسا اعتراض نہیں کیا جس
سے ظاہر ہے کہ شریعت اسلام میں مرتد کے لئے کوئی شرعی حد مقرر نہ تھی۔

تیسرا ثبوت ۔ تیسرا ثبوت اس امر کا کہ اسلام میں مرتد کیلئے قتل کی سزا مقرر نہ تھی وہ
مکالمہ ہے جو ابوسفیان اور ہرقل کے درمیان مقام ایلیا میں ان ایام میں ہوا جبکہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم اور مشرکین مکہ کے مابین صلح ہو چکی تھی یعنے صلح حدیبیہ کے بعد۔
ابوسفیان خود اس سوال و جواب کا ذکر کرتا ہے جو ہرقل قیصر روم اور اسکے مابین واقع ہوا
وہ کہتا ہے کہ جب ہرقل نے مجھے اپنے دربار میں بلایا تو میرے ساتھیوں کو میرے پیچھے
کھڑا کر دیا۔ اور انکو کہا کہ میں اس شخص کے بارہ میں جو تمہارے ملک میں نبوت کا دعوے
کرتا ہے۔ تمہارے اس ساتھی (ابوسفیان) سے کچھ سوال کرونگا۔ اگر یہ شخص اپنے جوابوں میں
کوئی بات خلاف واقعہ بیان کرے تو تم نے اسکی فوراً تردید کر دینا۔ ابوسفیان کہتا ہے کہ اگر مجھے
یہ خوف نہ ہوتا کہ اگر میں جھوٹ کہونگا تو میرے ساتھی میری تردید کر دینگے اور اس طرح
مجھے اس بادشاہ کے دربار میں شرمندہ ہونا پڑیگا تو میں اپنے جوابات میں ضرور جھوٹ
سے کام لیتا۔ اور میں نے بہت کوشش کی کہ میں اپنے جوابات میں کوئی ایسی بات بھی ملا دوں جو
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو۔ مگر مجھے کوئی ایسا موقعہ نہ ملا سوائے ایک
بات کے اور وہ یہ تھی کہ جب اس نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ یہ نبی اپنے عہد میں کیسا ہے؟
تو میں نے جواب دیا کہ ابتک تو اسنے ہمارے ساتھ کوئی عہد شکنی نہیں کی۔ ہاں اب ایک
تازہ معاہدہ اس سے ہوا ہے دیکھئے اب وہ کیسا معاملہ کرتا ہے؟ اپنے عہد پر قائم رہتا
ہے یا نہیں۔ ابوسفیان کہتا ہے کہ صرف یہ الفاظ تھے جو میں اپنے جوابات میں اپنی طرف
سے بڑھا سکا۔ اور کوئی موقعہ مجھے ایسا نہ ملا کہ میں کوئی ایسی بات کہہ سکوں جو آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف پڑتی۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ جو سوالات ہرقل قیصر روم نے اپنے دربار میں ابوسفیان سے
کئے ان میں ایک سوال ارتداد کے متعلق بھی تھا۔ ہرقل نے ابوسفیان سے سوال کیا

کہ کیا لوگ اس نبی کا دین قبول کرنے کے بعد مرتد ہوتے ہیں یا نہیں؟ تو اسنے جواب دیا
کہ نہیں جناب اگر یہ امر واقعہ ہے کہ ارتداد کو روکنے کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے
یہ حکم دے رکھا تھا کہ ہر ایک شخص جو اسلام لانے کے بعد ارتداد اختیار کرے اسکو
قتل کردو۔ تو ابوسفیان ضرور اس امر کا ذکر ہرقل سے کرتا۔ وہ تو اس تاڑ میں لگا ہوا
تھا کہ کوئی مفید مطلب بات مجھے ملجائے تو میں اسے بیان کروں۔ بھلا وہ ایسے
موقعہ کو کیوں اپنے ہاتھ سے جانے دیتا۔ وہ ضرور کہتا کہ ہاں صاحب! مرتد تو نہیں
ہوتے مگر اسکی یہ وجہ ہے کہ اسنے حکم دے رکھا ہے کہ جو شخص اسکے دین سے ارتداد
اختیار کریگا اسکو قتل کیا جائیگا۔

پس ہرقل قیصر روم کے ساتھ ابوسفیان کا تاریخی مکالمہ بھی اس امر کی ایک قوی
دلیل ہے کہ ارتداد کے لئے مرتدین کو قتل کرنیکا کوئی حکم اسلام میں جاری نہ تھا۔

چوتھا ثبوت۔ میں خداتعالےٰ کا ہزار ہزار شکر کرتا ہوں کہ اسنے اپنے فضل
اور رحم سے اس دعوے کے پاش پاش کرنے کے لئے کہ اسلام میں مرتد کے لئے قتل
کی شرعی حد مقرر کی گئی ہے ایک ایسا حربہ عطا فرمایا ہے کہ اس سے بڑھکر کوئی کاری
حربہ خیال میں لانا بھی مشکل ہے۔ یہ ایسا تیز حربہ ہے کہ اسکے سامنے قتل مرتد کا عقیدہ
ایک طرفۃ العین کے لئے بھی ٹھہر نہیں سکتا۔

ان زبردست دلائل میں سے ایک دلیل جو اس غلط عقیدہ کو اسطرح اڑا دیتی ہے
جسطرح کہ ایک تنکا تیز ہوا کے سامنے اڑ جاتا ہے۔ میں ذیل میں پیش کرتا ہوں۔ اور
ناظرین کو معلوم ہوگا کہ کسطرح وہ واقعہ جسکو میں ابھی بیان کرونگا روز روشن کی طرح
اس امر کو ثابت کردیتا ہے اور اس میں ذرہ بھی شک نہیں رہتا کہ ارتداد کے
لئے اسلام میں کوئی شرعی حد مقرر نہیں کی گئی۔

یہ واقعہ عبداللہ بن ابی سرح کا ہے۔ وہ مدینہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کا کاتب وحی تھا مرتد ہوکر کفار سے جا ملا۔ فتح مکہ کے وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
نے سب کو معافی دیدی سوائے چند آدمیوں کے جن کی تعداد دس بارہ سے زیادہ نہ
تھی۔ ان چند آدمیوں کی نسبت آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قتل کا حکم دیا۔ انمیں عبداللہ
بن ابی سرح کا نام بھی تھا۔ یہ حضرت عثمان بن عفان رض کا رضاعی بھائی تھا۔ حضرت

عثمان رض نے اسکو اپنے ہاں پناہ دیدی اور وہ انکے گھر میں چھپا رہا۔ جب امن ہو گیا۔ تو حضرت عثمان رض نے اسکی سفارش کی۔ ان کی سفارش پر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم دیر تک خاموش رہے۔ اسکے بعد آپ ؐ نے اسکو معاف کر دیا۔

جب عبداللہ بن ابی سرح چلا گیا تو آپ ؐ نے صحابہ رض کو فرمایا کہ جب میں نے معافی دینے میں دیر کی تھی تو تم نے اسکو قتل کیوں نہ کر دیا؟ صحابہ رض نے عرض کیا۔ آپ ؐ اشارہ فرما دیتے تو ہم اسکو قتل کر دیتے۔ آپ ؐ نے فرمایا۔ ان النبی لا ینبغی ان تکون لہ خائنۃ الاعین۔ یعنی یہ نبی کی شان سے بعید ہے کہ وہ آنکھوں کی خیانت سے کام لے۔

تفسیر کبیر میں عبداللہ بن ابی سرح کی نسبت لکھا ہے۔

"فلما کان یوم الفتح امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقتلہ فاستجار لہ عثمان فاجارہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ثم انہ اسلم وحسن اسلامہ" (تفسیر کبیر جلد ۵ ص۲۷)

یعنی فتح مکہ کے دن آپ نے عبداللہ بن ابی سرح کے قتل کا حکم دیا۔ حضرت عثمان رض نے اسکو اپنی پناہ میں لے لیا۔ اس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسکو پناہ دیدی اور معاف کر دیا۔

روح المعانی جلد ۷ صفحہ ۲۴۳ پر لکھا ہے:۔

"کان یکتب لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فازلہ الشیطن فلحق بالکفار فامر بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقتل یوم فتح مکۃ فاستجار لہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فاجارہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم"۔

یعنی وہ پہلے کاتب وحی تھا۔ پھر شیطان نے اسکو بہکا دیا اور وہ کافروں سے جا ملا۔ فتح مکہ کے دن آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ حضرت عثمان رض نے اس کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ پھر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اسکو پناہ دیدی۔

اب عبداللہ بن ابی سرح کا واقعہ صاف طور پر ظاہر کرتا ہے کہ اسلام میں ارتداد کے لئے کوئی شرعی حد مقرر نہیں کیگئی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی سرح کے قتل کا حکم اسلئے نہیں دیا تھا کہ وہ مرتد تھا بلکہ اسلئے کہ وہ ایک پولیٹکل مجرم تھا۔ کیونکہ

(۱) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا عبداللہ بن ابی سرح کو اپنے گھر میں پناہ دینا بھی ظاہر کرتا ہے کہ اسکو پولیٹکل جرم کی وجہ سے قتل کا حکم دیا گیا تھا۔ نہ ارتداد کی وجہ سے۔

کیونکہ اگر قتل کے حکم کی وجہ ارتداد ہوتا اور ارتداد کے لئے قتل شرعی حد ہوتی تو حضرت عثمان رض کبھی اس کو شرعی حد سے بچانے کے لئے کوشش نہ کرتے۔ کیا ناظرین خیال کر سکتے ہیں کہ مثلاً ایک شخص زنا کا ارتکاب کرتا یا سرقہ کا مرتکب ہوتا تو حضرت عثمان رض ایسے شخص کو شرعی حد سے بچانے کے لئے اپنے ہاں پناہ دیتے؟ ہرگز نہیں۔ پس اگر عبد اللہ بن سرح کو ارتداد کی وجہ سے قتل کا حکم دیا گیا تھا۔ اور ارتداد کے لئے شرعی حد قتل مقرر تھی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسا انسان کبھی ایسے شخص کو شرعی حد سے بچانے کے لئے اپنے گھر میں پناہ نہ دیتا۔ اور کبھی آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ سفارش نہ کرتے۔ کہ اس مرتد پر شرعی حد جاری نہ کی جائے۔

(۲) اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے ایک ایسے شخص کو اپنے ہاں پناہ دی جو ایک شرعی حد کا سزاوار ہو چکا تھا۔ اور اسکو شرعی حد سے بچانے کے لئے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کی سفارش کی۔ تو یہ کبھی بھی گمان میں نہیں آسکتا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم شرعی حد کے متعلق کسی کی بھی سفارش قبول فرماتے۔ یہ ایک ثابت شدہ اور یقینی امر ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم شرعی حد کے نفاذ کے وقت کسی کی بھی سفارش نہیں سنتے تھے۔ اور اگر کوئی شخص کسی ایسے مجرم کی سفارش کرتا جس پر شریعت کی حد وارد ہوتی تو ایسے سفارش کرنے والے پر بھی آپ ناراض ہوتے۔ اس مخزومی عورت کا واقعہ یاد کرو جس نے چوری کا ارتکاب کیا۔ میں یہاں اس واقعہ کو حضرت عائشہ رض کے الفاظ میں صحیح بخاری سے نقل کرتا ہوں:-

"عن عائشۃ ان قریشا اھمتھم المرأۃ المخزومیۃ التی سرقت۔ قالوا من یکلم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ومن یجترئ الیہ الا اسامۃ ابن زید حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکلم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقال اتشفع فی حد من حدود اللہ ثم قام فخطب فقال ایھا الناس انما ضل من قبلکم انھم کانوا اذا سرق الشریف ترکوہ واذا سرق الضعیف فیھم اقاموا علیہ الحد وایم اللہ لو ان فاطمۃ بنت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سرقت لقطعت یدھا" (بخاری ہندی صلنا)

یعنے قریش کو اس مخزومی عورت کی وجہ سے بہت فکر ہوا جس نے چوری کی تھی۔ انہوں

نے آپس میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کون بات کر سکتا ہے اور کس کو آپ سے گفتگو کرنے کی جرأت ہو سکتی ہے سوائے اسامہ بن زید رضؓ کے جس کے ساتھ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو محبت ہی پس حضرت اسامہ رضؓ نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں سفارش کی۔ آپ نے فرمایا أتشفع فی حد من حدود الله کیا تو خدا تعالیٰ کے حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتا ہے؟ پھر آپ کھڑے ہوئے اور آپ نے ایک تقریر فرمائی۔ اور سب صحابہ رضؓ کو مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے لوگو! تم سے پہلی امتیں اس لئے گمراہ ہو گئیں کہ جب کوئی شریف خاندان کا آدمی ان میں سے چوری کرتا تو اسکو چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اسپر شرعی حد جاری کرتے۔ خدا تعالیٰ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) چوری کرتی تو میں اسکا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

اس واقعہ سے ناظرین نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شرعی حدود کے معاملہ میں کیا رویہ تھا۔ کیا ناظرین ایک طرفۃ العین کے لئے بھی یہ گمان کر سکتے ہیں کہ حضرت عثمان رضؓ یا کسی اور شخص کی سفارش پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کسی شرعی حد کو ترک کر سکتے تھے؟ اگر عبد اللہ ابن ابی سرح پر بوجہ ارتداد کے کوئی شرعی حد وارد ہو سکتی تھی تو کس طرح ممکن تھا کہ آپ حضرت عثمان رضؓ کی سفارش کا لحاظ کر کے اسکو معاف کر دیتے۔ لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کی سفارش پر دیر تک آپ خاموش رہے اس خیال پر کہ صحابہ رضؓ میں سے کوئی شخص اسے تلوار کی گھاٹ اتار دیگا۔ اگر عبد اللہ ابن ابی سرح ایک شرعی حد کا مستوجب تھا تو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کیا ضرورت تھی کہ اسطرح خاموشی اختیار کرتے اور صحابہ رضؓ کا انتظار فرماتے کہ ان میں سے کوئی شخص عبد اللہ بن ابی سرح کو قتل کرتا؟ ایسی صورت میں آپ حضرت عثمان رضؓ کو وہی جواب دیتے جو آپ نے اسامہ رضؓ کو دیا تھا۔ أتشفع فی حد من حدود الله؟ یعنی کیا تو حدود اللہ کے متعلق سفارش کرتا ہے؟ آپ اس قسم کی سفارشوں کو سخت کراہت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اور آپ نے مخزومیہ عورت کے واقعہ میں صحابہ رضؓ کے سامنے اس مضمون پر ایک خاص تقریر فرمائی۔ اور انکو متنبہ کیا کہ شرعی حدود کے اجراء میں کسی شخص کے ساتھ رعایت کرنا ہلاکت کی راہ ہے اس سے ہمیشہ بچتے رہو۔ تم سے پہلی قومیں اسی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی یہی طریق اختیار کر کے ہلاک ہو جاؤ۔

پس جس امر سے آپؐ نے لوگوں کو ایسی سختی سے ڈرایا یہ کس طرح گمان میں آسکتا ہے کہ آپؐ نے خود وہی کام کیا؟ اور نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نسبت یہ گمان ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ایسی جرأت کی کہ ایک شرعی مجرم کو شریعت کی حد سے بچانے کے لئے اپنے گھر میں کئی دن تک چھپائے رکھا۔ اور پھر اسکے متعلق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سفارش کی کہ اسپر شرعی حد جاری نہ کی جائے۔ پس حضرت عثمان رض کا عبداللہ بن ابی سرح کو اپنے ہاں پناہ دینا اور پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا باوجود ناپسندیدگی کے محض عثمان رضی اللہ عنہ کی پاس خاطر اسکو معاف کر دینا صاف ظاہر کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی سرح کے قتل کا حکم اسکے ارتداد کی سزا میں نہیں دیا تھا بلکہ اسکے متعلق بھی اس حکم کی اسی قسم کی وجوہات تھیں جو اسکے ساتھ کے دوسرے دس بارہ آدمیوں کی صورت میں تھیں آپؐ نے صرف عبداللہ ابن ابی سرح کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ ان کے ساتھ بعض اور آدمی بھی تھے جن کے متعلق آپؐ نے ایسا ہی حکم دیا تھا مگر ان میں سے صرف چار ہی مارے گئے۔ باقی سب کو عبداللہ ابن ابی سرح کی طرح معافی دیدی گئی۔ میں ان کی فہرست ذیل میں نقل کرتا ہوں تا ناظرین کو معلوم ہو کہ اسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکے متعلق قتل کا حکم ارتداد کی وجہ سے نہ تھا بلکہ ان کے دوسرے جرموں کی وجہ سے تھا۔

(۱) ابن خطل مسلمان ہونے کے بعد ایک صحابی کو قتل کر کے بھاگ آیا تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں شعر کہا کرتا تھا اور اپنی لونڈیوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں شعر کہلوا کر لوگوں کو سنوایا کرتا تھا۔ مسلمانوں کو ہر طرح دکھ دیتا تھا۔ اس کو قتل کیا گیا۔ (زرقانی شرح مواہب جلد ۲ صہ ۳۲۲)

(۲ و ۳) ابن خطل کی دو لونڈیاں جو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں شعر کہکر لوگوں میں مشہور کرتی تھیں (ایضاً جلد ۲ صہ ۳۱۲) ایک نے معافی حاصل کی دوسری کو قتل کر دیا گیا۔

(۴) عکرمہ بن ابی جہل اپنے باپ کی زندگی میں اور اسکے بعد مسلمانوں سے لڑتا رہا فتح مکہ کے وقت مسلمانوں پر حملہ کیا۔ فتح مکہ کے بعد اطاعت اختیار نہ کی بلکہ بھاگ گیا۔ اسکی بیوی نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اسکے لئے معافی حاصل کی۔

(۵) حویرث بن نقیذ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت ہجو کیا کرتا تھا اور اشعار بناتا تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دو لڑکیوں فاطمہ اور ام کلثوم کو حضرت عباس رض اپنے

ساتھ مدینہ لے جا رہے تھے تو حویرث بن نقید نے اونٹ کو نیزہ مار کر لڑکیوں کو نیچے گرا دیا۔ ہبار بن الاسود جس نے حضرت زینب بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اونٹ کو نیزہ مار کر حضرت زینب رض کو زمین پر گرایا اسکے ساتھ یہ بھی شریک تھا (زرقانی علی مواہب اللدنیہ جلد ۲ صفحہ ۳۱۵) حویرث کو قتل کیا گیا۔

(۶) مقیس بن صبابة ۔ یہ شخص ایک انصاری کو قتل کرکے بھاگ آیا تھا اور مرتد ہو گیا تھا۔ اسکو قتل کیا گیا۔

(۷) ہبار بن الاسود۔ اسنے حضرت زینب رض کو ہجرت کے وقت اونٹ سے ایک چٹان پر گرایا جسکی وجہ سے انکا اسقاط ہوگیا۔ اسکو بعد میں معاف کر دیا گیا۔

(۸) کعب بن زہیر۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اشعار میں ہجو کرتا تھا۔ اسکو بعد میں معافی دیدی گئی۔

(۹) ہند بنت عتبہ زوجہ ابو سفیان۔ جسنے حضرت حمزہ رض کا مثلہ کیا۔ کلیجہ نکال کر دانتوں میں چبایا۔ اور انکے بدن کے ٹکڑوں کے ہار بنا کر بازوؤں اور پاؤں پر پہنے۔ اسکو بھی بعد میں معافی دیدی گئی۔

(۱۰) وحشی بن حرب۔ ہند بنت عتبہ کا غلام۔ اسنے ہند کے کہنے پر حضرت حمزہ رض کو شہید کیا۔ اسکو بھی معافی دیدی گئی۔

مندرجہ بالا فہرست سے ناظرین دیکھ سکتے ہیں کہ انمیں ایک بھی ایسا نہ تھا جسکی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارتداد کے لئے قتل کا حکم دیا۔ اس فہرست میں دو مرتد بھی شامل ہیں۔ مگر ارتداد کے جرم کی وجہ سے ان کی نسبت قتل کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ ان کے دوسرے جرموں کی وجہ سے۔ اور یہ سب مفسد لوگ تھے۔ بعض انمیں سے قاتل تھے بعض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سخت عناد رکھنے والے اور لوگوں کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہجو آمیز شعروں کے ذریعہ اکساتے والے تھے۔ یہ سب لوگ اپنی رویہ سے واجب القتل تھے۔ مگر پھر بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کمال رحمدلی سے اکثر کو معاف کر دیا۔ صرف چار کو قتل کیا گیا جنمیں سے دو قاتل تھے۔ تیسری ایک مفسدہ عورت تھی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہجویہ شعر کہکر لوگوں کو اکساتی تھی۔ چوتھا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرنے والا۔ لوگوں میں شر پھیلانے والا اور مفسد تھا۔ اور اسنے دو

دفعہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازکی بعض کو ہجرت کیوقت اونٹ سے گرا دینے کا ارتکاب کیا۔
ان چاروں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی حاصل کرنیکا موقعہ نہیں ملا۔ اور مختلف موقعوں پر صحابہ رض کے ہاتھوں سے قتل کئے گئے۔ اگر انکو بھی معافی مانگنے کا موقعہ ملجاتا تو ممکن تھا کہ اگر سب کو نہیں تو کم از کم بعض کو انمیں سے اسی طرح معافی ملجاتی جس طرح کہ ان کے باقی ساتھیوں کو مل گئی تھی۔

دو آدمیوں کی نسبت لکھا ہے کہ ام ہانی رض نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض کی کہ میں نے انکو پناہ دی ہے مگر علی رض انکو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ م نے فرمایا کہ جسکو ام ہانی نے پناہ دی میں بھی اسکو پناہ دیتا ہوں۔ پس چار ہی بدقسمت تھے جو اس موقعہ پر قتل کئے گئے۔ اور کسی کو ارتداد کی وجہ سے قتل نہیں کیا گیا

پانچواں ثبوت۔ اس امر کا پانچواں ثبوت کہ اسلام میں محض ارتداد کے لیے کوئی شرعی حد مقرر نہیں کی گئی۔ خود وہ روایات ہیں جنکو قتل مرتد کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے۔ ان تمام روایات پر جب یکجائی طور پر نظر کیجاتی ہے تو ان سے بھی یہی امر ثابت ہوتا ہے کہ محض ارتداد کے لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فرد واحد کو بھی قتل تو الگ رہا کوئی اور سزا بھی نہیں دی۔ اب میں ذیل میں ان روایات کو نقل کرتا ہوں۔ جنکو قتل مرتد کی حمائت کرنے والے مولویصاحبان نے پیش کیا ہے۔

(۱) "عن ابی قلابة عن انس قال قدم اناس من عکل او عرینة فاجتووا المدینة فامرھم النبی صلعم بلقاح وان یشربوا من ابوالھا والبانھا فانطلقوا فلما صحوا قتلوا راعی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واستاقوا النعم فجاء الخبر فی اول النھار فبعث فی آثارھم فلما ارتفع النھار جیٔ بھم فقطع ایدیھم وارجلھم وسمرت اعینھم والقوا فی الحرة" (بخاری۔ ترمذی۔ کتاب الطھارة۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ کتاب المحاربة۔ بتغائر الالفاظ)

(۲) "حدثنا ابوالنعمان محمد بن الفضل حدثنا حماد بن زید عن ایوب عن عکرمة قال اتی علی بزنادقة فاحرقھم فبلغ ذلك ابن عباس فقال لو کنت انا لم احرقھم لنھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تعذبوا بعذاب اللہ ولقتلتھم لقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بدل

دینہ فاقتلوہ" (بخاری جلد ۴ - کتاب استتابۃ المرتدین)

(۳) "عن مالک عن زید بن اسلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من غیّر دینہ فاضربوا عنقہ" (موطا)

(۴) "عن ابن عمر ان عثمان قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یحل دم امرئ مسلم الا باحدی ثلاث - رجل زنی بعد احصانہ فعلیہ الرجم او قتل عمدا فعلیہ القود او ارتد بعد اسلامہ فعلیہ القتل" (نسائی) نسائی کی ایک روایت میں ہے "کفر بعد اسلامہ"

(۵) "عن مسروق عن عبد اللہ (ابن مسعود) قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل دم رجل مسلم یشہد ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ الا باحدی ثلث - الثیب الزانی والنفس بالنفس والتارک لدینہ المفارق للجماعۃ" (ابوداؤد و مسلم - ترمذی - ابن ماجہ) ایک روایت میں ہے "والمارق لدینہ المفارق للجماعۃ"

(۶) "من خالف دینہ دین الاسلام فاضربوا عنقہ" (طبرانی)

یہ وہ احادیث ہیں جنکو حامیان قتل مرتد نے پیش کیا ہے - انہیں سے بعض احادیث دوسرے الفاظ کے ساتھ بھی آئی ہیں مگر چونکہ ان دوسری احادیث سے پیش کردہ احادیث پر روشنی پڑتی تھی اور انکے صحیح معنے سمجھنے میں مدد ملتی تھی اسلئے ان احادیث کا نقل کرنا خلاف مصلحت سمجھکر انکو نظر انداز کر دیا گیا ہے - مگر چونکہ اس بحث میں انکا پیش کرنا ضروری ہے اسلئے میں انکو ذیل میں درج کرتا ہوں :-

(۱) "عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل دم امرئ مسلم یشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ الا فی احدی ثلاث رجل زنی بعد احصان فانہ یرجم ورجل خرج محاربا للہ ورسولہ فانہ یقتل او یصلب او ینفی او یقتل نفسا فیقتل بہا" (ابوداؤد کتاب الحدود باب الحکم فی من ارتد)

(۲) "عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یحل دم امرئ مسلم الا باحدی ثلث خصال زان محصن یرجم او رجل قتل رجلا متعمدا فیقتل او رجل یخرج من الاسلام فیحارب اللہ عز وجل ورسولہ فیقتل او یصلب او ینفی من الارض"

(نسائی۔ کتاب المحاربۃ۔ باب الصلب)

(۳) "حدثنا ابو قلابۃ (فی حدیث طویل) فواللہ ما قتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احدًا قط الا فی احدی ثلاث خصال۔ رجل قتل بجریرۃ نفسہ فقتل او رجل زنی بعد احصانٍ او رجل حارب اللہ ورسولہ وارتد من الاسلام" (بخاری۔ کتاب الدیات۔ باب القسامۃ)

(۴) "حدثنی سلمان ابو رجاء مولی ابی قلابۃ عن ابی قلابۃ ..... فقال (عمر بن عبد العزیز) ما تقول یا عبد اللہ بن زید قلت ما علمت نفسا حل قتلہا فی الاسلام الا رجل زنی بعد احصانٍ او قتل نفسا بغیر نفس او حارب اللہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم"

(صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر۔ باب انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ الآیۃ)

جو احادیث اوپر نقل کی گئی ہیں انمیں سے ایک فعلی حدیث ہے جس میں ایک خاص واقعہ کا ذکر ہے۔ ایک حدیث ایسی ہے جسمیں ایک صحابی قسم کھا کر بیان کرتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صرف تین قسم کے لوگوں کو قتل کروایا ہے۔ اسکے سوا کسی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قتل نہیں کیا گیا۔ ایک اور حدیث میں بھی اسی مضمون کی شہادت ہے۔ باقی قولی احادیث ہیں۔

اب یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے شرعی احکام کو صرف زبانی طور پر ہی بیان نہیں فرمایا بلکہ شریعت اسلامی کے تمام حدود کو خود عملی طور پر نافذ بھی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسے حالات پیدا کر دئے جبکہ ان شرعی احکام اور حدود کے جاری کرنیکی ضرورت پیش آئی۔ اسطرح آپ نے نہ صرف شرعی حدود کا زبانی طور پر اعلان کیا بلکہ عملاً انکو جاری کر کے بھی دکھا دیا۔ اور اسطرح دونوں پہلوؤں سے یعنے قولی و عملی طور پر آپ نے شریعت کی تکمیل فرما دی۔ اب ہمارے لئے یہ نہایت خوشی کا مقام ہے کہ موجودہ بحث میں مخالفین کیطرف سے صرف قولی روایات ہی نقل نہیں کیگئیں بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فعل کو بھی اپنے دعویٰ کی تائید میں پیش کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا یہ ایک مشہور واقعہ ہے جبکہ مرتدین کو قتل کرنے کا موقعہ پیش آیا۔ اور یہی واقعہ ہمارے درمیان اور فریق ثانی کے درمیان اس بحث کا فیصلہ کر دیگا۔ مخالفین کا یہ دعویٰ ہے کہ اسلام میں ارتداد اور تنہا ارتداد کی شرعی سزا مقرر کی گئی ہے۔ اور ہمارا دعویٰ ہے کہ ارتداد کی سزا صرف جہنم ہے محض ارتداد کیلئے اس دنیا میں شریعت اسلام نے کوئی سزا مقرر نہیں کی۔ آؤ اب ہم اسی مثال کو دیکھیں جسکو قتل مرتد کے حامیوں نے اپنے دعویٰ کی تائید میں پیش کیا ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عملی مثال سے

مخالفین کا دعویٰ ثابت ہو جائیگا یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل انکے اس دعوای کو ثابت کردے
کہ شریعت اسلام میں محض ارتداد اور تنہا ارتداد کی سزا قتل مقرر کیگئی ہی تو ہم اپنی غلطی کا اقرار کرلینگے لیکن
اگر اس مثال سے جسکو انہوں نے خود اپنے دعوای کی تائید میں پیش کیا ہی ہمارے ہی دعوای کی تائید
ہوئی کہ ارتداد اور تنہا ارتداد کیلئے شریعت اسلام میں کوئی سزا مقرر نہیں کیگئی ہے اور اگر کبھی کسی مرتد کو قتل
کیا گیا تو ارتداد کیوجہ سے نہیں بلکہ اسکے کسی دوسرے جرم کیوجہ سے قتل کیا گیا۔ تو پھر حامیان قتل
مرتد پر واجب اور لازم ہوگا کہ وہ بھی اپنی غلطی کا اقرار کریں اور اس بات کا اعلان کریں کہ اسلام
میں محض ارتداد کیلئے قتل کی سزا مقرر نہیں کیگئی ہی۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کوئی
ایک بھی ایسا ثابت شدہ واقعہ نہیں جب کہ کسی مرتد کو محض ارتداد کیلئے قتل کی یا اور کسی قسم کی
سزا دیگئی ہو بلکہ اگر کسی مرتد کو سزا دیگئی تو وہ اسکے ارتداد کیوجہ سے نہ تھی بلکہ اسکے دوسرے
جرموں کی وجہ سے تھی۔ جس واقعہ کو قتل مرتد کے دعویداروں نے اپنی حمایت میں پیش کیا ہی وہ صحیح
بخاری اور دیگر کتب حدیث میں موجود ہی اور وہ اس حدیث میں مذکور ہی جو مندرجہ بالا فہرست
میں نمبر (۱) میں دیگئی ہی اسکا ترجمہ حسب ذیل ہے :۔

"ابی قلابہ انس سے روایت کرتے ہیں کہ عکل یا عرینہ قبیلے کے کچھ آدمی آئے۔ مدینہ کی آب
وہوا انکو موافق نہ آئی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انکو حکم دیا کہ وہ شیر دار اونٹنیوں میں جا کر رہیں
اور انکا دودھ اور پیشاب پئیں۔ وہ اونٹنیوں میں جا کر رہنے لگے۔ جب وہ تندرست ہو گئے تو
انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو قتل کردیا اور اونٹ ہانک کر لیگئے۔ آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم کو دن کے ابتدائی حصہ میں اس واقعہ کی خبر پہونچی آپ نے انکے پیچھے آدمی بھیجے اور جب سورج اونچا
ہوگیا۔ انکو پکڑ کر لے آئے آپ نے انکے ہاتھ اور پاؤں کٹوا دئے اور انکی آنکھوں میں گرم لوہے کی
سلائی پھیری گئی اور انکو پتھریلی زمین میں پھینک دیا گیا۔"

اب میں ناظرین کے آگے اس حدیث کے الفاظ رکھتا ہوں اور انہی سے انصاف چاہتا
ہوں وہ اس حدیث کے الفاظ کو پڑہیں اور بتائیں کہ یہاں جن لوگوں کا ذکر ہی کیا انسے صرف ارتداد
کا جرم سرزد ہوا تھا یا انہوں نے کچھ اور بھی کیا تہا؟ وہ بار بار اس حدیث کو پڑہیں اور مجھے بتائیں
کہ انکو کیوں سزا دیگئی؟ حدیث ہمیں کیا بتلاتی ہی؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے پیچھے
اسلئے آدمی دوڑائے تھے کہ وہ اسلام سے منحرف ہو گئے تھے اور اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
چاہتے تھے کہ انکو پکڑ کر ارتداد کی عبرتناک سزا دیجائے تا آیندہ کوئی شخص اسلام قبول کرنیکے

بعد ارتداد کا خیال نہ کرے؟ یا اسلئے انکے پیچھے آدمی بھیجے تھے کہ انہوں نے ایسی شرارت کی کہ اسکو سنکر
بدن پر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ وہ بیمار تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑا احسان کیا۔ شیر دار
اونٹنیاں دیں کہ وہ انکا دودھ پئیں مگر وہ ایسے خبیث باطن اور بدمعاش تھے کہ انہوں نے
اس احسان کا بدلہ دیا کہ جب تندرست ہوگئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آدمیوں کو قتل کردیا
اور اونٹوں کو لیکر بھاگ گئے۔ میں نہیں سمجھ سکتا اس سے بدتر کیا شرارت ہوسکتی ہے؟ حیوانوں پر
بھی احسان کا اثر ہوتا ہے بھیڑیوں اور درندوں پر بھی احسان کر وہ بھی احسان کا احساس رکھتے ہیں
کتے بھی اپنے محسن کیلئے جان قربان کردیتے ہیں جنگل کے درندے اور ہوا کے پرندے بھی احسان کو قدر
کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ لوگ جنکا حدیث مذکورہ بالا میں ذکر ہے انسانیت کے تمام احساسات سے
ہی خالی نہ تھے بلکہ درندوں سے بھی بدتر ثابت ہوئے۔ انہوں نے نہ صرف ایک انسان کو قتل کیا اور ڈاکہ
مارا بلکہ اپنے محسن کا کھلم کھلا مقابلہ کیا اور یحاربوا اللہ ورسولہ کا اپنے تئیں مصداق ثابت کیا۔
اسلئے وہ اس قابل تھے کہ انکو حسب فحوائے آیہ کریمہ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی
الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْہِمْ وَاَرْجُلُہُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا
مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِکَ لَہُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَہُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (المائدۃ ع)
قتل کی سزا ایک عبرتناک رنگ میں دیجاتی۔ مگر حامیان قتل مرتد کی رائے ہے کہ انکا فعل اس قابل نہ
تھا کہ انکو ایسی سخت سزا دیجاتی۔ انکو ایسی عبرتناک سزا دینے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اسلام لاکر پھر مرتد
ہوگئے تھے اسوجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر سخت غصہ آیا۔

واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ عکل کے لوگوں کو یہ سخت سزا اسلئے نہیں دیگئی تھی کہ انہوں نے ارتداد
اختیار کیا تھا بلکہ اس سختی کی اصل وجہ انکے جرائم کی وحشیانہ کیفیت تھی۔ مگر حامیان قتل مرتد اس سختی کو
انکے ارتداد کیطرف منسوب کرکے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک تنگ ظرف اور تنگ خیال مُلّا کی
شکل میں پیش کرتے ہیں کہ آپ نعوذ باللہ اس بات کو برداشت نہیں کرسکتے تھے کہ کوئی شخص
آپ کے مذہب کو ایکدفعہ قبول کرکے پھر اسکو ترک کردے۔ اسوجہ سے آپ کا غضب عکل کے لوگوں
کے خلاف بھڑکا اور آپ نے سادہ قتل پر اکتفا نہ کیا بلکہ سخت عذاب دیکر انکو مارا اور سخت عذاب
دینے کی اصل وجہ انکا ارتداد ہی تھا۔

افسوس ہے ان لوگوں پر کہ کسطرح یہ لوگ اپنے نفسانی جذبات کی پیروی کرکے آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم کو ایک قابل اعتراض پیرایہ میں پیش کرنے سے باز نہیں آتے جس وحشیانہ رنگ میں

عکل کے لوگوں نے ان جرائم کا ارتکاب کیا وہ ہر ایک انصاف پسند انسان کے نزدیک انکو اس عبرتناک سزا کا مستحق بنانیکے لئے کافی سے بھی زیادہ ہی اور اس امر کی ہرگز ضرورت نہیں کہ انکی سختی کو انکے ارتداد کیطرف منسوب کیا جائے لیکن اگر حامیان قتل مرتد کو اس سے تسلی نہیں ہوتی تو میں عکل کے لوگوں کے متعلق کچھ مزید حوالے ذیل میں درج کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ان حوالجات کے بعد ان لوگوں کو تشفی حاصل ہو جائیگی۔

(۱) ابو داؤد میں آیا ہی کہ انہوں نے صرف ایک چرواہے کو قتل نہیں کیا تھا بلکہ وہ چرواہے کئی تھے جنہیں قتل کیا گیا۔ (۲) مسلم۔ ترمذی۔ نسائی اور دار قطنی میں حضرت انس رض کی روایت ہے انما سمل النبی صلعم اعین اولٰئک لانہم سملوا اعین الرعاۃ یعنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی آنکھوں میں اسلئے گرم لوہے کی سلائی پھروائی تھی کہ انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے چرواہوں سے یہی سلوک کیا تھا اور ان کی آنکھوں میں گرم لوہے کی سلائیاں پھیری تھیں۔ (۳) ابو داؤد کے حاشیہ پر بحوالہ لمعات لکھا ہی انما فعل صلعم قصاصًا لانہم کذالک فعلوا بالرعاۃ فانہ قد روی انہم سملوا اعین الرعاۃ وقطعوا ایدیہم وارجلہم وغرزوا الشوک فی السنتہم واعینہم حتی ماتوا یعنی آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ انسے سلوک کیا وہ قصاص کے طور پر کیا کیونکہ یہ روایت کیا گیا ہی کہ انہوں نے چرواہوں کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری تھیں انکے ہاتھ اور پاؤں کو کاٹا تھا اور انکی زبانوں اور آنکھوں میں کانٹے گاڑے تھے یہانتک کہ وہ اس عذاب کو سہتے سہتے مر گئے

(۴) روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۲۴۵ پر لکھا ہی "وقیل ہم العرنیون الذین اغاروا علے السرح واخذوا یسار راعی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ومثلوا بہ فقطعوا یدیہ ورجلیہ وغرزوا الشوک فی لسانہ وعینیہ حتی مات" کہا گیا ہی وہ عرنی لوگ تھے جنہوں نے چرنیوالے اونٹوں پر ڈاکہ مارا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے یسار کو پکڑا اور قتل کرنیسے پہلے اسکا مثلہ کیا اسکے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کاٹ ڈالے اور اسکی زبان میں اور اسکی دونوں آنکھوں میں کانٹے گاڑے یہانتک کہ وہ اس تکلیف کیوجہ سے مر گیا۔

ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں سے چار فعل سرزد ہوئے قطع ایدی۔ قطع رجل۔ سمل اعین۔ غرز الشوک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سزا دیتے وقت تین سزائیں دیں یعنی ہاتھوں کا کاٹنا۔ پاؤں کا کاٹنا آنکھوں میں سلائی پھیرنا انکے چوتھے فعل کی سزا نہیں دیگئی یعنی انکی زبانوں میں کانٹے نہیں گاڑے گئے تعجب ہے کہ حامیان قتل مرتد کھڑی تو اسلئے ہوئے تھے کہ ثابت کریں کہ اسلام میں محض ارتداد کی سزا قتل ہی لیکن ثبوت میں ایسے لوگوں کی مثال پیش کی جنہوں نے ایک جرم کا نہیں بلکہ کئی جرموں کا ارتکاب کیا اور ارتکاب بھی نہایت ہی وحشیانہ طور پر کسی روایت میں یہ تصریح نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہو کہ انکو ارتداد کیوجہ سے سزا دیجاتی ہی نہ حضرت انس رض جو اس واقعہ کے راوی ہیں بیان کرتے ہیں کہ انکو ارتداد کیوجہ سے سزا دیگئی یا اس سزا میں انکے ارتداد کا کچھ دخل تھا۔ بلکہ

نقایت سے صاف ظاہر ہی کہ انکو انکے وحشیانہ جرائم کی سزا دیگئی تاریخی واقعہ سی تو ہمارا دعویٰ ثابت ہوتا ہی نہ کہ حامیان قتل مرتد کا۔ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فرد کو بھی محض ارتداد کیوجہ سی کوئی سزا نہیں دی اگر دی ہے تو ارتداد کیوجہ سی نہیں بلکہ دیگر وجوہات سی۔ اور جو واقعہ ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہی اس سی ہمارے ہی دعویٰ کی تائید ہوتی ہی نہ کہ حامیان قتل مرتد کی کیونکہ یہاں جن لوگونکو قتل کیا گیا انکے وہ جرائم صراحت کیساتھ مذکور ہیں جنکی وجہ سے انکو سزا دیگئی پس یہ واقعہ ہماری تائید میں ہی نہ حامیان قتل مرتد کی تائید میں۔

دوسرا تاریخی واقعہ جو قتل مرتد کی تائید میں پیش کیا جاتا ہی وہ ابن خطل کا واقعہ ہی جسکو فتح مکہ کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم سے قتل کیا گیا۔ افسوس ہی کہ صرف مرتد کا لفظ دیکھ لیا جاتا ہے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ آیا وہ صرف ارتداد کا ہی مرتکب ہوا تھا یا کوئی اور جرم بھی اس سی سرزد ہوا تھا اسی ابن خطل کی نسبت مواہب اللدنیہ میں لکھا ہی "وانما امر بقتل ابن خطل لانہ کان مسلما فبعثہ صلی اللہ علیہ وسلم مصدقا وبعث معہ رجل من الانصار وکان معہ مولی یخدمہ وکان مسلما فنزل منزلا فامر المولی ان یذبح تیسا ویصنع لہ طعاما ونام فاستیقظ ولم یصنع لہ شیئا فعدا علیہ فقتلہ ثم ارتد مشرکا وکانت لہ قینتان تغنیان بھجاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابن خطل کے قتل کرنیکا حکم دیا کیونکہ وہ مسلمان تہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو زکوٰۃ جمع کرنیکے لئے بھیجا اور اسکے ساتھ ایک انصاری کو بھی بھیجا گیا اور اسکے ساتھ ایک آزاد شدہ غلام تہا جو اسکی خدمت کرتا تہا اور وہ مسلمان تہا۔ وہ ایک منزل پر اترا اور غلام کو حکم دیا کہ ایک بکرا ذبح کری اُسکے لئے کھانا تیار کری۔ یہ کہکر سو گیا۔ جب جاگا تو ابھی تک غلام نے کوئی کام نہیں کیا تہا پس اسنے اسپر حملہ کیا اور اسکو قتل کر دیا اور پھر مرتد ہو کر مشرک ہو گیا۔ اور اسکی دو لونڈیاں تھیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کے شعر گایا کرتی تہیں + یہ ہیں حالات ابن خطل کے۔ اب مولویصاحبان خود ہی فرما دیں کہ کیا اسکے واقعہ سی یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں محض ارتداد کی سزا قتل ہی؟ اس واقعہ نے تو ہمارے ہی دعویٰ کی تصدیق کی ہی کہ اسلام میں محض ارتداد کی سزا قتل نہیں ہی اور یہ کہ اگر کسی مرتد کو قتل کیا گیا تو اسے ارتداد کیوجہ سی نہیں بلکہ اسکے دوسری جرمونکی وجہ سی۔

تیسرا تاریخی واقعہ جسکو قتل مرتد کی تائید میں پیش کیا جاتا ہی وہ مقیس بن صبابہ کا واقعہ ہی جسکو فتح مکہ کے موقع پر قتل کیا گیا اسکی نسبت زرقانی مواہب اللدنیہ کی شرح میں لکھتا ہی "کان اسلم ثم اتی علی انصاری فقتلہ وکان الانصاری قتل اخاہ ھشاما خطأ فی غزوۃ ذی قرد ظنہ من العدو فجاء مقیس فاخذ الدیۃ ثم قتل الانصاری ثم ارتد ورجع الی قریش"۔ یہ مسلمان ہوا پھر جا کر ایک انصاری کو قتل کر دیا اس انصاری نے غلطی سی اسکے بھائی ہشام کو غزوہ ذی قرد میں دشمن سمجھ کر قتل کر دیا تھا مقیس نے

پہلے دیت لی اسکے بعد مقیس کو قتل کر دیا پھر مرتد ہو کر قریش کیساتھ جاکر شامل ہو گیا ۔ اب حامیان قتل مرتد خود ہی انصاف کے ساتھ فیصلہ فرماویں کہ اگر بالفرض یہ شخص مرتد نہ ہوتا تو کیا اسکو چھوڑ دیا جاتا ؟ کیا اسکا جرم اس قابل نہ تھا کہ اسکو قتل کی سزا دیجاتی ؟ ایک صحابی نے غلطی سے اسکے بھائی کو ایک لڑائی میں دشمن سمجھکر قتل کر دیا اور اسکا خون بہا ادا کر دیا مگر اسنے دیت لینے کے بعد پھر اس صحابی کو قتل کر دیا جیسا کہ زمانہ ہذا میں ریاست کابل نے پہلے اپنے مقتول سپاہی کے عوض میں سلطنت اٹلی سے دیت لے لی پھر دیت لینے کے بعد سلطنت اٹلی کے آدمی کو قتل بھی کر دیا چنانچہ اپنے اس فعل کی پاداش انکو بھگتنی پڑی ۔ غرض مقیس بن صبابہ کے واقعہ سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسلام میں محض ارتداد کی سزا قتل ہی بلکہ اس سے ہمارے ہی دعوی کی تائید ہوتی ہے کہ اسلام میں محض ارتداد کیلئے کوئی سزا مقرر نہیں کیگئی اور جن مرتدین کو قتل کیا گیا انکو ارتداد کی سزا میں قتل نہیں کیا گیا بلکہ انکے دیگر جرائم کیوجہ سے انکو قتل کی سزا دیگئی عکل یا عرینہ کے لوگوں اور ابن خطل اور مقیس ابن صبابہ کے واقعات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے ارتداد کیوجہ انکے اپنے جرائم تھے وہ ایسے جرائم کے مرتکب ہوئے جنکی یقینی سزا قتل تھی اسلئے ان جرائم کے ارتکاب کے بعد وہ دشمنوں سے جا ملے یہی انکا ارتداد تھا انہوں نے مسلمانوں کو قتل کیا اور اسکے بعد مسلمانوں کے دشمنوں میں جاکر شامل ہو گئے یا شامل ہونیکی کوشش کی انکے اس فعل کا نام مورخین نے ارتداد رکھا ہے اور صاف ظاہر ہے کہ اگر ارتداد اسی چیز کا نام ہے تو ہمیں اس امر سے ذرا بھی اختلاف نہیں کہ ایسے مرتد کی سزا بیشک قتل ہے ایک شخص پہلے مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہے یہاں قتل کا جرم کرکے دشمن کے لشکر کیطرف بھاگتا ہے اور آئندہ وہ ہر موقعہ پر مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے اور موقعہ پاکر مسلمانوں کو قتل کرنیکے لئے تیار ہے اور مسلمانوں کا کھلم کھلا دشمن ہے ایسا مرتد بیشک اس قابل ہے کہ اسکو قتل کیا جاوے لیکن اگر یہ کہا جاوے کہ ایک شخص شیطانی وسوسوں کا شکار ہو کر اسلام سے منحرف ہوتا ہے اور کوئی اور دین اپنے لئے اختیار کرتا ہے مگر اختلاف رائے سے بڑھکر اسکو اسلام کیساتھ کوئی مخالفت نہیں ایسے مرتد کی سزا بھی اسلام میں قتل مقرر کیگئی ہے تو ہم ایسے عقیدہ کی بڑے زور کے ساتھ مخالفت کرینگے کیونکہ یہ عقیدہ سراسر باطل اور جھوٹ ہے اور اسلام کے پاک دین کو بدنام کرنیوالا ہے اور ہم ڈنکے کی چوٹ کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ آنحضرت صلعم نے محض ارتداد اور تنہا ارتداد کیلئے کسی کو قتل کی سزا دی ہو اس باطل عقیدہ کے حامی بیشک ایڑیوں تک زور لگالیں وہ اسلامی تاریخ سے ایک بھی ایسا ثابت شدہ واقعہ پیش نہیں کر سکتے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو محض اسلئے قتل کی سزا دی کہ وہ شیطانی وسوسوں کا شکار ہو کر اسلام سے مرتد ہو گیا اور اختلاف رائے سے بڑھکر اسکو اسلام کیساتھ کوئی مخالفت نہیں تھی حامیان قتل مرتد اپنے تمام اعوان و انصار کیساتھ ملکر جسقدر چاہیں تاریخ اسلام کے اوراق کی ورق گردانی کریں انکو ایک بھی ایسی مثال نہیں ملیگی جس سے یہ امر قطعی اور حتمی طور پر پایہ ثبوت تک

پہنچ جائے کہ آپ نے کبھی کسی ایسے شخص کو قتل کرایا جس سے سوائے ارتداد کے سوا اور کوئی شر نہ سرزد ہوا اور نہ اس سے متوقع تھا۔ اس تلاش میں انکو ایسی مثالیں تو ضرور ملینگی جب کہ آپ نے مرتدین کو انکے حال پر چھوڑ دیا اور ان سے کسی قسم کا تعارض نہ کیا۔ اور ایسے مرتدین کی مثالیں بھی انکو ملیں گی جبکہ آپ نے بعض مرتدین کو قتل کرایا مگر نہ انکے ارتداد کیوجہ سے بلکہ انکے دوسرے جرائم کیوجہ سے لیکن انکو ایک بھی ایسی مثال نہ ملیگی جس سے یقینی طور پر یہ ثابت ہو کہ آپ نے کسی ایک فرد واحد کو بھی اسلئے قتل کی سزا دی ہو کہ اسنے محض ارتداد کا ارتکاب کیا اور اسکے وجود سے کسی قسم کا خطرہ اسلام کو اور مسلمانوں کو نہیں تھا یہ میری طرف سے ایک چیلنج ہے اگر حامیان قتل مرتد میں طاقت ہے تو اٹھیں اور میرے اس چیلنج کو قبول کریں۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتے تو پھر وہ کیوں اپنے خیالات باطلہ کی بنا پر اسلام جیسے پاکیزہ دین اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جیسے مبارک وجود کو بدنام کر رہے ہیں۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کیوقت گیارہ یا بارہ آدمیوں کے قتل کا حکم دیا جنمیں سے تین مرتد تھے لیکن انکے قتل کے حکم کی یہ وجہ نہ تھی کہ وہ مرتد تھے بلکہ آپ نے یہ حکم کیوجہ انکی دوسری شرارتیں تھیں۔ ان مرتدین اور ایک چوتھے شخص حویرث کے قتل کے حکم کا ذکر کرتے ہوئے زرقانی لکھتا ہے خصہم بالذکر لشدۃ ما وقع منہم من اذی الاسلام واہلہ (صفحہ ۳۲۱ جلد ۲) یعنی (جیسا کہ ایک روایت میں ہے) آنحضرت صلعم نے ان چار شخصوں کا خصوصیت سے اسلئے ذکر فرمایا کہ انکی طرف سے اسلام کو اور مسلمانوں کو سخت تکلیف پہنچی تھی پس معلوم ہوا کہ جب دوسروں کے ساتھ ان تین مرتدین کے قتل کا حکم دیا گیا تو اسکی وجہ انکا ارتداد نہ تھا بلکہ اس حکم کی یہ وجہ تھی کہ انکی طرف سے اسلام کو اور مسلمانوں کو خصوصیت کیساتھ بہت تکلیف اور دکھ پہنچ چکا تھا۔

ممکن ہے کہ کسی کو یہ وہم ہو کہ آنحضرت صلعم نے عبداللہ بن ابی سرح کو اسلئے معاف کیا کہ وہ تائب ہو کر دوبارہ اسلام میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ مگر یہ عذر بالکل غلط ہے کیونکہ اول تو آپ نے ان تینوں میں سے کسی کو موقع ہی نہیں دیا کہ وہ تائب ہو کر اپنی جان بچالے۔ اگر آپ ایسا موقع دیتے تو یقیناً تینوں بڑی خوشی سے ایسے موقعہ سے فائدہ اٹھاتے پس آپکا انکے متعلق قطعی حکم نافذ کرنا اور استثنا یہ کیطرف رجوع نہ کرنا ظاہر کرتا ہے کہ ارتداد انکا جرم نہ تھا بلکہ جیسا کہ زرقانی نے لکھا ہے انکا جرم یہ تھا کہ ان تینوں نے بھی اسلام کو اور اہل اسلام کو اسیطرح تکلیف اور دکھ دیا تھا جیسا کہ حویرث نے جسکو آپ نے انکے ساتھ شامل کیا۔ دوسری اگر آپ نے اسکی توبہ کیوجہ سے معاف کیا تھا تو پھر آپ معافی دینے سے پہلے بہت دیر تک کیوں خاموش رہے؟ اور آپ کیوں اس امر کا انتظار فرماتے رہے کہ آپ کے صحابہ رض میں سے کوئی شخص اٹھے اور اسکا سر تلوار سے کاٹ دے؟ آپ کو چاہیئے تھا کہ فوراً اسکو معاف کر دیتے۔ اور اگر کوئی صحابی اس کو قتل کرنے کے لئے اٹھتا تو اس پر سخت ناراض ہوتے (جیسا کہ ایسے موقعوں پر آپ ہمیشہ قتل کرنیوالوں پر سخت ناراضگی کا اظہار فرماتے) نہ یہ کہ خود انتظار فرماتے کہ کوئی صحابی اسکو قتل کر دے۔

آپ نے قتل کا حکم صرف ارتداد کی وجہ سے دیا تھا اور اس نے اور کوئی شرط ظاہر نہیں ہوئی تھی تو پھر تو چاہیئے تھا کہ آپ اسکے تائب ہونے پر فوراً اس کو معاف کر دیتے اور اگر کوئی صحابی اسے قتل کرنا چاہتا بھی تو آپ سخت ناراض ہوتے نہ یہ کہ آپ بہت دیر خاموش رہتے اور اس امر کی انتظار میں رہتے کہ کوئی صحابی اُٹھے اور اسے قتل کر دے ۔

اگر عبداللہ بن ابی سرح اور اُسکے ساتھیوں سے صرف ارتداد کا ہی ظہور ہوا تھا اور یوں وہ بالکل بے قصور تھے تو پھر تو چاہئے تھا کہ حسب قول حامیان قتل مرتد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو یہ حکم دیتے کہ ان کو توبہ کیلئے ترغیب دی جائے اور اسلام کی خوبیوں کی انکو تلقین کیجائے اور ان کو بتایا جائے کہ اگر تم دوبارہ اسلام میں داخل نہیں ہوگے تو تمہیں قتل کیا جائیگا لیکن ایسا نہیں کیا گیا بلکہ بغیر کسی شرط کے اُن کے متعلق قتل کا حکم جاری کیا گیا پس معلوم ہوا کہ ان کا جرم جس کی وجہ سے اُنکے متعلق ایسا حکم نافذ کیا گیا ارتداد نہ تھا بلکہ وہ اپنے دوسرے افعال اور ردیہ کی وجہ سے مستوجب قتل ہو چکے تھے ۔ اور عبداللہ ابن ابی سرح کو اسلئے معاف نہیں کیا گیا کہ وہ تائب ہو کر آیا تھا بلکہ اسلئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُسکو پناہ دی تھی اور اُسکے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی کی درخواست کی تھی ۔ جیسا کہ لکھا ہے ۔ فاستجار له عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فاجارہ النبی صلے اللہ علیہ وسلم (روح المعانی جلد ۴ صفحہ ۲۸۴)۔

عبداللہ ابن ابی سرح کی ایک شرارت کا روایات کے رو سے قرآن شریف میں بھی ذکر ہے کیونکہ آیت مثل ما انزل اللہ کا شان نزول یہی عبداللہ ابن ابی سرح بتایا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے خلاف پراپگنڈا جاری رکھتا تھا ۔ اور اسلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے نفرت اور حقارت کو ملک میں پھیلاتا تھا ۔ اور اسلامی حکومت کے خلاف ایجی ٹیشن کرتا تھا ۔

حامیان قتل مرتد اس بات سے تو عاجز آگئے ہیں کہ کوئی ثابت شدہ تاریخی واقعہ ایسا پیش کریں جس سے یہ ظاہر ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محض ارتداد کیوجہ سے کسی کو قتل کروایا ۔ مگر مرتا کیا نہ کرتا ۔ ڈوبنے والا انسان ایک تنکہ پر بھی ہاتھ مارتا ہے کہ شائد اسی کے سہارے سے وہ غرق ہونے سے بچ جائے ۔ چنانچہ موجودہ صورت میں بھی حامیان قتل مرتد نے بھی ایسا ہی اضطراب دکھایا ہے اور اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کیلئے جو چیز بھی سامنے آئی ہے اسی پر ہاتھ مارا ہے ۔ اور یہ نہیں دیکھا کہ وہ اس قابل ہے بھی یا نہیں کہ ان کے لئے کسی سہارے کا موجب ہو سکے ۔ کسی مرد کے متعلق

تو ان کو ضعیف سے ضعیف روایت بھی نہیں ملی جس میں یہ بیان کیا گیا ہو کہ محض ارتداد کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو قتل کی سزا دی۔ ایک دو ناقابل اعتبار روایات کسی بے نام و نشان عورت کے متعلق حامیان قتل کو کہیں سے مل گئی ہیں اور انہی کو غنیمت سمجھا ہے اور بغیر چھان بین کے صرف رعب ڈالنے کیلئے انکو پیش کر دیا ہے۔ وہ روایات یہ ہیں:۔

اول۔ عن جابر قال ارتدت امرءة عن الاسلام فامر النبی صلعم ان یعرضوا علیہا الاسلام فان اسلمت والا قتلت فعرض علیہا الاسلام فابت ان تسلم فقتلت۔

دوم۔ عن عائشۃ قالت ارتدت امرأۃ یوم احد فامر النبی صلعم ان تستتاب فان تابت والا قتلت۔

ان روایات کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہ دونوں روایات ضعیف الاسناد ہیں۔

لان فی حدیث جابر عبد اللہ بن اذینہ جرحہ ابن حبان وقال لا یجوز الاحتجاج بہ بحال وقال الدار قطنی فی الموتلف والمختلف متروک رواہ ابن عدی فی کاملہ وقال عبد اللہ بن اذینہ منکر الحدیث (حاشیہ ہدایہ ص۳۵۵) مطبع لکھنؤ محشی بحاشیہ نووی

وفی حدیث عائشۃ محمد بن عبد الملک الانصاری قال عبد اللہ بن احمد عن ابیہ انی قد رأیت ھذا وکان اعمی یضع الحدیث ویکذب وقال البخاری منکر الحدیث وقال النسائی متروک۔ حاشیہ ہدایہ جلد ۴ ص۳۵۵۔

یعنی پہلی حدیث کے راویوں کے سلسلہ میں عبد اللہ بن اذینہ ہے جس پر ابن حبان نے جرح کی ہے اور کہا ہے کہ کسی صورت میں بھی جائز نہیں کہ ایسی حدیث کو دلیل کے طور پر پیش کیا جائے جسکے راویوں کے سلسلہ میں عبد اللہ بن اذینہ ہو۔ اور دار قطنی نے اس الموتلف اور المختلف میں عبد اللہ بن اذینہ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ متروک ہے۔ ابن عدی نے اپنی کتاب کامل میں اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے کہ عبد اللہ بن اذینہ منکر الحدیث ہے۔ اور جو حدیث حضرت عائشہ کی طرف منسوب کر کے بیان کی گئی ہے اسکے راویوں کے سلسلہ میں محمد بن عبد الملک انصاری ہے اور اسکے متعلق عبد اللہ بن احمد نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ اسنے کہا کہ میں نے اس شخص کو دیکھا کہ وہ اندھا تھا اور حدیثیں خود گھڑا کرتا تھا اور جھوٹ بولا کرتا تھا۔ اور بخاری نے اسکو منکر الحدیث قرار دیا ہے۔ اور نسائی نے اسکو متروک کہا ہے۔ حاشیہ ہدایہ جلد ۴ ص۳۵۵۔

پس آپ نے دیکھ لیا کہ یہ حال ہے ان روایات کا جنکو قرآن شریف کی تعلیم کو رد کرنے کیلئے پیش کیا جاتا ہے۔

ایسی روایات کا پیش کرنا ہی ظاہر کرتا ہے کہ ان لوگوں کے ہاتھ میں کوئی مضبوط چیز نہیں۔ اسلئے ایسے چھوٹے ہتھیاروں پر اتر آئے ہیں۔

اسکے مقابل میں بخاری کی حدیث کو دیکھو جسمیں ایک صحابی قسم کھا کر کہتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے محارب۔ زانی محصن۔ قاتل نفس کے سوا اور کسی شخص کو قتل نہیں کروایا۔ یہ حدیث میں اوپر نقل کر چکا ہوں۔ پھر تعلیق المغنی شرح دارقطنی صفحہ ۳۳۹ میں لکھا ہے۔

ونقل ابن طلاع فی الاحکام انہ لم ینقل عن النبی صلعم انہ قتل مرتدۃ۔

یعنے ابن طلاع نے احکام میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ مروی نہیں کہ آپ نے کبھی کسی مرتد عورت کو قتل کروایا ہو۔ اور جن مرتد مردوں کی نسبت ایسا بیان کیا گیا ہے اُن کی نسبت میں ثابت کر چکا ہوں کہ ان کو ارتداد کیلئے نہیں بلکہ اُن کے دوسرے جرموں کی وجہ سے قتل کیا گیا۔

یہاں یہ بیان کر دینا بھی خالی از فائدہ نہ ہوگا کہ جابر کی ایک روایت میں اُس مرتدہ کا نام بھی بیان کیا گیا ہے کہ اسکا نام ام مروان تھا۔ اور اس ام مروان کی نسبت مبسوط جلد ۱۰ صفحہ ۱۱۰ میں لکھا ہے:۔

فان ام مروان کانت تقاتل وتحرض علی القتال وکانت مطاعۃ فیہم

یعنے ام مروان مسلمانوں کے ساتھ جنگ کیا کرتی تھی اور دوسری لوگوں کو جنگ کیلئے اکسایا کرتی تھی۔ اور وہ اپنی قوم کی لیڈر تھی۔ پس اگر ہم مان بھی لیں کہ ام مروان کو قتل کیا گیا تو اسکو ارتداد کیلئے قتل نہیں کیا گیا بلکہ اسلئے کہ وہ محاربہ تھی۔

اب ناظرین نے دیکھ لیا کہ قتل مرتد کے حامی تاریخ اسلام سے ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کر سکتے جس میں یہ ثابت ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مرتد مرد یا مرتدہ عورت کو محض ارتداد کیلئے قتل کیا ہو۔ بلکہ اگر کسی مرتد یا مرتدہ کو قتل کیا ہے تو اُس کو ارتداد کی وجہ سے قتل نہیں کیا بلکہ اسلئے قتل کیا کہ وہ محارب تھے۔ غرض اس میدان سے تو قتل مرتد کے حامی خائب و خاسر لوٹتے ہیں اور فتح کا جھنڈا ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اب ہم دوسرے میدان میں آجاتے ہیں یعنے قولی احادیث کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اس میدان میں بھی وہ ہماری اسی طرح (بلکہ اس سے بھی بڑھ کر) یاوری فرماوے جس طرح کہ اسوقت تک اپنے فضل و رحم سے ہماری دستگیری فرماتا رہا ہے۔

قولی احادیث کے متعلق یہ بات نوٹ کرنیکے قابل ہے کہ ہمارے مخالفوں نے اس مضمون کی تمام احادیث کو یکجائی طور پر نہیں لیا بلکہ صرف ایک حصہ نقل کیا ہے۔ اور دوسرا حصہ نظر انداز کر دیا ہے۔ اور اس کی یہ وجہ نہیں کہ دوسری احادیث اُن کی نظر سے مخفی تھیں۔ بلکہ اسلئے کہ اُن کے نقل کرنے سے حقیقت منکشف ہو جاتی تھی۔ اور حقیقت کا انکشاف اُنکا تمام تانا باتا درہم برہم کر دیتا تھا۔ اسلئے اُنہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ تصویر کا ایک رُخ ناظرین کو دکھائیں۔ اور دوسرا رُخ اُن کی آنکھوں سے اوجھل کر دیں تاکہ وہ تصویر کا صحیح نقشہ اپنی آنکھوں کے سامنے نہ لاسکیں۔

قتل مرتد کے متعلق قولی احادیث کو میں اوپر نقل کر چکا ہوں۔ ان تمام احادیث میں جو جو الفاظ راویوں نے استعمال کئے ہیں اُن کی فہرست میں ذیل میں درج کرتا ہوں تا ناظرین اُس ساری فہرست پر یکجائی نظر ڈال کر خود ہی فیصلہ فرما لیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے مرتدین کے متعلق قتل کا حکم دیا۔ وہ فہرست یہ ہے:۔

(۱) من بدّل دینہ۔ (۲) من خالف دینہ دین الاسلام (۳) من غیّر دینہ۔ (۴) ارتد عن الاسلام (۵) کفر بعد الاسلام (۶) المارق لدینہ الفارق للجماعۃ۔ (۷) رجل خرج محاربًا للّٰہ ورسولہ (۸) رجل یخرج من الاسلام فیحارب اللہ عزوجل ورسولہ۔ (۹) رجل حارب اللہ ورسولہ وارتد عن الاسلام (۱۰) حارب اللہ ورسولہ صلے اللہ علیہ وسلم (۱۱) التارک لدینہ المفارق للجماعۃ۔

مندرجہ بالا فہرست میں بعض احادیث میں تو صرف کفر بعد اسلام یا تبدیلی دین یا ارتداد کا لفظ بیان کیا گیا ہے اور بعض میں ان الفاظ کے ساتھ مزید شرط بھی بڑھائی گئی ہے۔ کسی حدیث میں الفارق للجماعۃ کے الفاظ بڑھائی ہیں کسی میں حارب اللہ ورسولہ کے الفاظ بڑھائے ہیں کسی میں صرف حارب اللہ ورسولہ کے الفاظ ہیں۔ اور یہ صحیح بخاری کی حدیث ہے۔ کسی میں خالف دین الاسلام کے الفاظ ہیں۔ مگر جب ہم حامیان قتل مرتد کی پیش کردہ فہرست پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے نہایت احتیاط سے ان احادیث کو نظر انداز کر دیا ہے جن میں محاربہ کا ذکر ہے حالانکہ یہ احادیث صحیح بخاری میں موجود ہیں اور اُن کی نظر سے مخفی نہیں تھیں۔ اُن کا ان احادیث کو قطعًا نظر انداز کر دینا صاف ظاہر کرتا ہے کہ اُنہوں نے اس بحث میں دیانتداری سے کام نہیں لیا۔ بلکہ ان احادیث کو اپنے مطلب کے مخالف ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا ہے۔

حامیان قتل مرتد کی اس دیانتداری کی طرف اشارہ کرنے کے بعد میں اب ان احادیث

کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اور ناظرین کی خدمت میں التماس کرتا ہوں کہ ان سب پر یکجائی نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ ان سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ اگر ان سب احادیث میں صرف کفر بعد اسلام یا تبدیلی دین یا ارتداد کا ہی ذکر ہوتا اور کسی صحیح حدیث میں کوئی اور شرط نہ ہوتی مثلاً الفارق للجماعۃ کے الفاظ یا خالف دین الاسلام یا خرج محاربا للہ و رسولہ یا یخرج من الاسلام فیحارب اللہ عز وجل و رسولہ یا حارب اللہ و رسولہ۔ اور حالات بھی اس قسم کے ہوتے کہ اس زمانہ میں ایک شخص کا ارتداد صرف تبدیلی دین تک ہی محدود ہوتا اور اُس کے وجود سے اور کسی قسم کا خطرہ متوقع نہ ہو سکتا تب ہم اس بات کو تسلیم کر لیتے کہ بے شک ان احادیث سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ محض ارتداد کی سزا قتل ہے۔ اور پھر اس حالت میں قرآن شریف کی کھلی کھلی تعلیم کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ دیکھتے کہ آیا قتل کا کوئی ایسا مفہوم ہو سکتا ہے جو قرآن شریف کی تعلیم کے مخالف نہ ہو۔ مگر یہاں تو صورت ہی دگرگوں ہے۔ اگر بعض احادیث میں محض ارتداد کا ذکر ہے تو اُسکے ساتھ دوسری احادیث بھی جو صحیح بخاری اور دوسری کتب صحاح میں موجود ہیں اور اُن میں ارتداد کے ساتھ محاربہ کی شرط موجود ہے۔ کسی میں الفارق للجماعۃ یا المفارق للجماعۃ کے الفاظ ہیں۔ کسی میں خالف دین الاسلام کے الفاظ ہیں۔ کسی میں صرف حارب اللہ و رسولہ کے ہی الفاظ ہیں۔ اب ہم نے دیکھنا یہ ہے کہ اگر ایک امر کے متعلق دو قسم کی روایات ہوں بعض روایات میں قید ہو اور بعض میں قید کا ذکر نہ ہو تو ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیئے اسکے فیصلہ کیلئے میں خود اپنی طرف سے کوئی قاعدہ پیش نہیں کرتا بلکہ وہی قاعدہ پیش کرتا ہوں جو علماء اسلام میں مسلّم چلا آتا ہے اس امر کے فیصلہ کیلئے اصول فقہ کا ایک مسلّم قاعدہ ہے جو ذیل میں نقل کرتا ہوں۔ نورالانوار میں لکھا ہے:-

وعندنا لا یحمل المطلق علی المقید وان کانا فی حادثۃ واحدۃ لامکان العمل بھما الا ان یکونا فی حکم واحد مثل صوم فی قولہ تعالیٰ فمن لم یجد فصیام ثلاثۃ ایام فان قراءۃ العامۃ مطلقۃ وقراءۃ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فصیام ثلاثۃ ایام متتابعات مقیدۃ بالتتابع والقراءتان بمنزلۃ الآیتین فی حق العمل فیجب ھھنا ان تقید قراءۃ العامۃ ایضا بالتتابع لان الحکم وھو الصوم لا یقبل وصفین متضادین فاذا ثبت تقیدہ بطل اطلاقہ (نورالانوار شرح المنار بحث کشف الاسرار شرح المصنف علی المنار فی الاصول جلد ۱ صفحہ ۳۷۸ مطبوعہ مصر)

ترجمہ یہ کہ ہمارے نزدیک مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جاتا اگرچہ حادثہ ایک ہو لیکن اگر حکم ایک ہو جیسا کہ قرآن کریم میں کفارۂ یمین کے تین روزوں کا ذکر آیا ہے۔ کہ اس میں عام قرأۃ مطلق ہے جس کے ساتھ کوئی قید نہیں لگی ہوئی۔ کہ وہ روزے یکے بعد دیگرے مسلسل ہوں۔ یا کہ درمیان میں وقفہ بھی آجانا جائز ہے۔ مگر حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأۃ میں یکے بعد دیگرے مسلسل بغیر وقفہ کے ان روزوں کے رکھنے کا ذکر آیا ہے۔ اسواسطے اس عام قرأۃ کو اس دوسری قرأۃ کے ساتھ جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ہے مقید کرنا ضروری سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ روزہ رکھنے کا یہ حکم ان دو متضاد صفتوں کے ساتھ متصف نہیں ہو سکتا کہ وہی تین روزے پے درپے بلا وقفہ بھی رکھے جائیں اور وقفہ کرنا بھی ان میں جائز ہو۔

اب حامیان قتل مرتد اس مسلمہ اصول کو ان روایات پر چسپاں کر کے دیکھیں جو قتل مرتد کے بارہ میں دو قسم کی احادیث میں موجود ہیں اور بتائیں کہ اس اصول کے رو سے ہمیں کیا فیصلہ کرنا چاہیئے۔ کیا اُن روایات کو لینا چاہیئے جنمیں کسی قید کا ذکر نہیں یا اُن روایات کی پیروی کرنی چاہیئے جن میں محاربہ کی شرط موجود ہے۔ پس ان احادیث سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ کیا یہی نتیجہ نہیں نکلتا کہ ہر ایک مرتد کے قتل کا حکم نہیں بلکہ صرف ایسے مرتد کا جو محارب بھی ہو۔ خالص سونا وہ ہوتا ہے جو کسوٹی پر پرکھنے سے خالص ثابت ہو۔ اس نتیجہ کو بھی جس کسوٹی پر چاہو پرکھ کر دیکھ لو۔ یہ ہر رنگ میں صحیح اور درست ثابت ہوگا۔ اس نتیجہ کی صحت کی پہلی کسوٹی یہ ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بالکل مطابق ہے۔ تاریخ اسلام سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک مرتد کو قتل کی سزا نہیں دی بلکہ صرف ایسے مرتدین کو قتل کی سزا دی جو محارب تھے جیسے عکل یا عرینہ کے لوگ۔ ابن خطل۔ مقیس بن صبابہ۔ پس یہ نتیجہ اسلئے درست ہے کہ یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل کے عین مطابق ہے۔ اس نتیجہ کی صحت کی دوسری کسوٹی یہ ہے کہ یہ قرآن شریف کی عام تعلیم اور روح کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ جیسا میں مفصل طور پر ثابت کر چکا ہوں کسی شخص کو محض ارتداد کیلئے قتل کرنا قرآن شریف کی تمام تعلیم کے خلاف ہے۔ اس نتیجہ کی صحت کی تیسری کسوٹی یہ ہے کہ اگر مرتد کے قتل کیلئے محارب کی شرط کو لازم ٹھہرایا جائے تو یہ حکم قرآن شریف کی ایک صریح آیت کے ماتحت آجاتا ہے۔ جو اسکے صحیح ہونے کا ایک یقینی ثبوت ہے۔ اور ہمیں حامیان قتل مرتد کی طرح یہ نہیں کہنا پڑتا کہ قرآن شریف اس مسئلہ پر ساکت ہے۔ اور وہ آیت جس سے مرتد کا محارب ہونے کی وجہ سے قتل ثابت ہوتا ہے یہ ہے۔ انما

جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادًا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض (مائدہ ع ۵)۔ اور یہ کہ قرآن شریف کے رو سے محارب کسے کہتے ہیں اسکے لئے ہمیں کسی لمبی بحث کی ضرورت نہیں۔ قرآن شریف نے خود اس کا فیصلہ فرما دیا ہے۔ سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ ایک محارب کا ذکر کرتا ہے۔ اس مثال سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ محارب کا کیا مفہوم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ والذین اتخذوا مسجدًا ضرارًا وکفرًا وتفریقًا بین المؤمنین وارصادًا لمن حارب اللہ ورسولہ من قبل ولیحلفن ان اردنا الا الحسنیٰ۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ جس شخص کا آیت کریمہ میں ذکر ہے اور جس کو من حارب اللہ ورسولہ کا خطاب دیا گیا ہے وہ ابو عامر راہب تھا۔ درمنثور جلد ۳ صفحہ ۲۷۶ میں لکھا ہے عن مجاھد فی قولہ والذین اتخذوا مسجدًا قال المنافقون وفی قولہ وارصادًا لمن حارب اللہ ورسولہ قال لابی عامر الراھب۔ یہ ابی عامر راہب کیسا شخص تھا۔ اسکے لئے بحر المحیط جلد ۵ صفحہ ۹۸ کی مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ فرماویں۔ وحرضھم ابو عمرو الفاسق علی بنائہ حین نزل الشام ھاربًا من وقعۃ حنین فراسلھم فی بنائہ وقال ابنوا الی مسجدًا فانی ذاھب الی قیصر اتی بجند من الروم فاخرج محمدًا واصحابہ۔ ابو عمرو فاسق جب حنین کی لڑائی کے بعد بھاگ کر شام میں گیا تو اس نے مدینہ کے منافقوں کو اس مسجد کے بنانے کی ترغیب دی اور اسکے متعلق ان سے خط وکتابت کی اور کہا کہ میرے لئے ایک مسجد بناؤ میں قیصر کے پاس جاتا ہوں اور روم سے ایک لشکر لاکر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور اسکے ساتھیوں کو نکال دوں گا۔

پس ابو عامر کی مثال سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ محارب سے یہ مراد نہیں کہ ایک شخص اسلام کو ترک کر دے اور مسلمانوں سے کوئی سروکار نہ رکھے اور نہ کسی مسلمان کو اذیت پہونچائے بلکہ محارب سے مراد ایسا شخص ہے جو مسلمانوں کے مقابلہ کیلئے کھڑا ہو جائے اور ان کی تخریب کے درپے ہو۔ پس ایسا شخص قرآن شریف کے حکم کے مطابق تین سزاؤں میں سے ایک کا مستحق ہے۔ اسے قتل کیا جاوے یا صلیب دیا جاوے یا اس ملک میں سے اسے نکال دیا جاوے۔ حالات اور جرم کی کیفیت کے مطابق اسکو سزا دی جاوے۔

حامیان قتل مرتد کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ نفس ارتداد ہی کا نام محاربہ ہے یعنی جو شخص اسلام لانے کے بعد پھر کفر اختیار کرتا ہے وہ خواہ کسی مسلمان کو اذیت نہ پہنچائے اور ایک بے ضرر انسان کی طرح زندگی بسر کرے پھر بھی وہ محارب ہی کہلائیگا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر محض ارتداد یعنی اسلام لانے کے بعد

کفر اختیار کرنا محاربہ ہے تو کیا وجہ ہے کہ عام کفر کو محاربہ نہ کہا جاوے۔ مرتد بھی ارتداد کے بعد ایک کافر کی زندگی اختیار کر لیتا ہے اور دونو کفر کے لحاظ سے ایک ہی حالت میں ہو جاتے ہیں پس اگر محض مرتد محارب ہے تو عام کافر بھی محارب ہے کیونکہ موجودہ صورت میں دونوں مساوی ہیں۔ دونو کفر کی حالت میں ہیں اور دونوں مسلمانوں کو کسی قسم کی اذیت نہیں پہنچاتے بلکہ اُن کے ساتھ صلح کی حالت میں رہنا چاہتے ہیں پس کوئی وجہ نہیں کہ ایک کو اُس کے کفر کی وجہ سے قتل کیا جائے اور دوسرے کو قتل نہ کیا جاوے۔ محض ارتداد کو محاربہ قرار دینا ایک زبردستی ہے۔ جتبک اُس سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جو محاربہ کہلا سکے اس کو محارب نہیں کہہ سکتے۔ بحر المحیط میں لکھا ہے وقول ابن عباس المحاربۃ ھنا الشرک وقول عروۃ الارتداد غیر صحیح عند الجمھور یعنی حضرت ابن عباس کا یہ قول کہ اس آیت کریمہ میں محاربہ سے مراد شرک ہے اور عروہ کا یہ قول کہ اس آیت کریمہ میں محاربہ سے مراد ارتداد ہے۔ جمہور کے نزدیک صحیح نہیں (بحر المحیط جلد ۳ صفحہ ۴۷)۔

بندہ کی رائے میں حامیان قتل مرتد کے اس قول کی تردید میں کہ محاربہ سے مراد محض ارتداد ہے بحر المحیط کی مندرجہ بالا عبارت ہی کافی ہے۔

احادیث متعلق قتل مرتد کو یکجائی نظر سے دیکھنے سے جو نتیجہ نکلتا ہے یعنی یہ کہ صرف ایسے مرتد کے قتل کا حکم ہے جو محارب ہو اس نتیجہ کی صحت کی چوتھی کسوٹی یہ ہے کہ قرآن شریف کی اس آیت کریمہ کی تفسیر کہ ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق اُن احادیث کے ذریعہ کی جاتی ہے جن میں تین قسم کے لوگوں کے قتل کا حکم ہے اور جن کو میں اوپر نقل کر چکا ہوں اور اس آیت کریمہ کی تفسیر اللہ تعالیٰ خود بھی کرتا ہے جب کہ فرماتا ہے۔ من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا۔ یہ دوسری آیت پہلی آیت کی تفسیر کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ بالحق سے کیا مطلب ہے یعنی دو ہی صورتوں میں کسی انسان کا قتل کرنا جائز ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ کسی انسان کو قصاص میں قتل کیا جاوے دوسرے یہ کہ وہ اس درجہ کے فساد کا مرتکب ہو جو اس کو قتل کا مستوجب بنا دے اور ظاہر ہے کہ محض ارتداد ایسا فساد نہیں کہلا سکتا جو کسی کو مستوجب قتل بنا دے۔ کیونکہ اگر محض ارتداد ہی کسی انسان کو مستوجب قتل بنا دیتا ہو تو پھر ایک کافر بھی مستوجب قتل ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ دونوں کفر کے لحاظ سے یکساں ہیں۔ ایک مرتد اسی صورت میں فساد کا مرتکب کہلا سکتا ہے جبکہ وہ محارب ہو جیسا کہ بعض احادیث میں تصریح کے ساتھ اس شرط کا ذکر کیا گیا ہے۔ پس قرآن شریف کا جواز قتل کو صرف دو صورتوں میں محصور کر دینا یعنی ایک قصاص کی صورت اور دوسری فساد فی الارض کی صورت

ظاہر کرتا ہے کہ وہی مرتد واجب القتل ٹھہر سکتا ہے جو محارب ہو اور جو نتیجہ احادیث کو یکجائی نظر سے دیکھنے پر نکالا گیا ہے وہی نتیجہ صحیح اور درست ہے۔ اس جگہ یہ امر بھی ذکر کر دینے کے قابل ہے کہ آیت کریمہ لا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق کی آیت ہے، اور مفسرین بالحق کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ قول نقل کرتے ہیں جس میں تین قسم کے لوگوں کے قتل کا ذکر ہے اور جن میں سے ایک مرتد محارب ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مرتد محارب کے قتل کا حکم گویا مکہ میں ہی نازل ہو چکا تھا۔ اسلئے جن مرتدین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں قتل نہیں کیا، ان کی نسبت یہ عذر نہیں ہو سکتا کہ ابھی قتل مرتد کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

اس نتیجہ کی صحت کی پانچویں کسوٹی یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ مرتدہ کو قتل نہ کیا جاوے۔

روی ابو حنیفة عن عاصم عن ابی رزین عن ابن عباس لا تقتل النساء اذا هن ارتددن (عینی شرح بخاری جلد ۱۱ صـ ۲۳۲)

اگر محض ارتداد قتل کا موجب ہوتا تو عورت و مرد دونو مساوی سمجھے جانے چاہئے تھے کیونکہ ارتداد میں دونو یکساں ہیں عورت کو قتل سے مستثنے کرنا ظاہر کرتا ہے کہ محض ارتداد کی سزا قتل نہیں بلکہ قتل کی سزا محارب ہونے کی وجہ سے دیجاتی تھی اور چونکہ عورتیں عموماً محارب نہیں ہوتیں اسلئے ان کو قتل سے مستثنے کیا گیا۔ جس طرح عام جنگ کی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو مستثنے فرمایا۔ آپ جب کسی لشکر کو لڑائی کیلئے روانہ فرماتے تو رخصت کرتے وقت آپ فرماتے۔ اغزوا بسم اللہ فی سبیل اللہ تقاتلون من کفر باللہ لا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدا ولا امرءة (موطا مالک کتاب الجهاد۔ باب النهی عن قتل النساء والولدان فی الغزو)۔

یعنی خدا تعالیٰ کے نام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرو۔ خیانت نہ کرو، نہ بد عہدی کرو نہ کسی مقتول کے ہاتھ پاؤں ناک کان وغیرہ کاٹو اور نہ کسی بچے کو قتل کرو اور نہ کسی عورت کو قتل کرو۔

پس مرتدہ عورت کو نہ قتل کرنے کا حکم بھی ظاہر کرتا ہے کہ یہاں بھی وہی صورت ہی جو عام جنگ میں ہوتی ہے اور مرتدہ کو اسلئے مستثنے کیا ہے کہ وہ محارب نہیں ہو سکتی۔ پس ثابت ہوا کہ صرف مرتد محارب کو قتل کرنے کا حکم ہے نہ عام مرتدین کو۔

یہاں یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص حدیث مندرجہ بالا پر ابو حنیفہ رح کے متفرد

ہونے کا اعتراض کرے تو غلط ہے کیونکہ (۱) اس حدیث کو عبد الرزاق نے الثوری عن عاصم کے طریق سے بیان کیا ہے (ملاحظہ ہو مصنف عبد الرزاق کتاب القصاص)۔

(۲) دار قطنی نے بھی اس حدیث کو ابی مالک النخعی عن عاصم کے طریق سے نقل کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو کتاب الحدود صفحہ ۳۳۸)۔

(۳) دار قطنی نے اس حدیث کو شیبہ عن عاصم کے طریق سے بھی بیان کیا ہے (کتاب الحدود صفحہ ۳۳۸)

(۴) نیز ابن ابی شیبہ نے اسی حدیث کو روایت کیا ہے عن وکیع عن ابی حنیفہ (تعلیق المغنی شرح دار قطنی صفحہ ۳۳۸)

نتیجہ مذکورہ بالا کی صحت کی چھٹی کسوٹی یہ ہے کہ جیسے قتل مرتد کے متعلق بعض احادیث موجود ہیں جنکے ساتھ محاربہ کی شرط ہے ایسا ہی بعض ایسی احادیث بھی موجود ہیں جن میں مرتد کی قتل کی ممانعت کیگئی ہے۔ عبد الرزاق نے مختلف احادیث عدم قتل مرتد کے بارہ میں عطاء، حسن اور ابراہیم النخعی سے نقل کی ہیں (دیکھو ہدایہ حاشیہ صفحہ ۳۵۴)۔ اور ابراہیم نخعی جو ایک مشہور فقیہ ہیں بعض دیگر علماء کی طرح قتل مرتد کے مخالف ہیں۔

پس جب دونوں قسم کی احادیث موجود ہیں تو ان میں تطبیق کی راہ یہی ہے کہ قتل مرتد کو اس شرط کے ساتھ مشروط کیا جائے جو بعض احادیث میں صراحتًا موجود ہے یعنی محارب ہونے کی شرط۔ میں ناظرین کی توجہ کو ان احادیث کی طرف خصوصیت کے ساتھ پھیرتا ہوں۔ جو عبد الرزاق نے عدم قتل مرتد کے بارہ میں نقل کی ہیں۔ کیونکہ یہ احادیث حامیان قتل مرتد کے اس دعوٰی کو پاش پاش کر دیتی ہیں جو کہتے ہیں کہ احادیث میں ہر ایک مرتد کے قتل کا حکم دیا گیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب احادیث پر بھی یکجائی نظر ڈالی جائے تو اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ محض ارتداد کی سزا قتل نہیں ہے بلکہ صرف ایسی مرتدین کے قتل کا حکم ہے۔ جو محارب ہوں اور اُن کے قتل کی سزا ارتداد کی وجہ سے مقرر نہیں کیگئی بلکہ محارب ہونے کی وجہ سے۔ اور تاریخ کے دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عملدرآمد بھی اسی کے مطابق تھا اور یہی راہ قرآن شریف کی تعلیم کے مطابق ہے۔ اب بھی اگر کوئی شخص اپنے اسی اصرار پر قائم رہے کہ محض ارتداد اور تنہا ارتداد کی سزا قتل ہے تو ایسا شخص انصاف سے کام نہیں لیتا بلکہ ضد سے کام لیتا ہے اور ایسے شخص کو ہم خدا کے حوالہ کرتے ہیں۔ حق کھل جانے کے بعد بھی جو شخص اس غلط عقیدہ پر قائم رہتا ہے تو وہ عمدًا اسلام کو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کرتا ہے۔

ہم پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ہم قرآن شریف کو مقدم ٹھہرا کر اور اسکو معیار صحت قرار دیکر

مدوّادینِ حدیث کی ہتک کرتے ہیں۔ ہم مدوّادینِ حدیث کی ہتک نہیں کرتے بلکہ اُن کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ دیکھو یہ مدوّادینِ حدیث ہی کی برکت ہے کہ ہمنے حدیث کے میدان میں بھی مدعیان قتل مرتد کو شکست دی۔ جن ہتھیاروں سے ہمنے اس میدان میں مولوی صاحبان کو شکست دی ہے وہ اسی اسلحہ خانہ سے ہمیں میسر ہوئے ہیں جو مدونین حدیث نے ہمارے لئے تیار کر رکھا ہے پس ہم ان محدثین کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے اس قدر محنت اور تکلیف اُٹھا کر احادیث کی چھان بین کی اور اُن کو مدوّن کیا۔ آج انہی کی محنت اور جانفشانی کے طفیل ہم حامیان قتل مرتد پر فتح حاصل کر رہے ہیں۔ اگر یہ بزرگ ہمارے لئے یہ ہتھیار نہ چھوڑ جاتے تو ہم مولوی صاحبان کی غلطی کا حدیث کے ذریعہ کس طرح ازالہ کرتے۔ اگر مدوّادینِ حدیث میں یہ الفاظ آج موجود نہ ہوتے کہ رجل خرج محاربًا للہ و رسولہ اور رجل یخرج من الاسلام فیحارب اللہ عزوجل و رسولہ اور رجل حارب اللہ و رسولہ وارتد عن الاسلام۔ اور حارب اللہ و رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم اور التارک لدینہ المفارق للجماعۃ اور المارق لدینہ الفارق للجماعۃ اور لا تقتل النساء اذا ھن ارتددن اور اگر عدم قتل مرتد کے متعلق احادیث موجود نہ ہوتیں اور اگر ایسے مرتدین کے واقعات موجود نہ ہوتے جنکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باوجود قدرت کے قتل نہ کیا۔ اگر صلح حدیبیہ کے شرائط احادیث میں موجود نہ ہوتیں جنکے رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد کیا کہ اگر کوئی مسلمان مرتد ہو کر مشرکین سے جا ملے گا تو اس کا مطالبہ نہ کیا جائے گا۔ اگر احادیث میں عبد اللہ ابن ابی سرح مرتد کی حضرت عثمانؓ کی سفارش پر معافی کا ذکر نہ ہوتا اگر احادیث سے یہ ثابت نہ ہوتا کہ جن مرتدین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کروایا اُن کو ارتداد کی وجہ سے نہیں بلکہ اُن کے جرائم کی وجہ سے قتل کروایا۔ اگر یہ سب زبردست دلائل آج ہمیں مدوّادینِ حدیث میں لکھے ہوئے نہ ملتے تو ہم کس طرح قتل مرتد کے دعویداروں پر خود ان احادیث کے ذریعہ اُن کی غلطی واضح کر سکتے۔ پس ہم مدوّادینِ حدیث کو نہایت عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ کیونکہ اُن کے ذریعہ ہمیں اس بحث میں بہت مدد ملی ہے۔

اسی طرح ہم مدوّادینِ فقہ کو بھی نہایت ادب اور احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اُن فقہاء کے ہم شکر گزار ہیں جنہوں نے تحقیق حق کیلئے نہایت ہی قیمتی اصول قائم کئے ہیں۔ دیکھئے ان بزرگوں کے قائم کردہ اصول سے ہمیں کیسی مدد ملی۔ مدوّادینِ حدیث میں قتل مرتد کے متعلق تین دو قسم کی احادیث ملیں ایک وہ جن میں صرف ارتداد کا ذکر تھا یعنے ایسے الفاظ تھے کہ من بدّل

دینہ ۔ من غیّر دینہ ۔ ارتد عن الاسلام ۔ کفر بعد الاسلام اور دوسری وہ جنمیں ارتداد کے ساتھ محاربہ کی بھی شرط تھی ۔ اب ان دو قسم کی احادیث کے متعلق فیصلہ کرنے میں فقہاء نے ہمیں کیسا زرین اصول بتایا کہ ایسی صورت میں جن احادیث کے ساتھ شرط مذکور نہیں ہے وہاں بھی شرط کا وجود قرار دینا چاہئے اور مطلق کو مقید کے تابع کرنا چاہئے ۔ دیکھو ہمیں فقہاء کے اس مسلمہ اصول سے کیسی مدد ملی اور کس طرح ان تمام احادیث کے متعلق صحیح فیصلہ کی راہ ہم پر کھولی گئی جو ہر ایک طالب حق کو تسلی بخشتی ہے اور قرآن شریف کی تعلیم کے عین مطابق ہے ۔ پس خدا تعالےٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ جیسا قرآن کے میدان میں قتل مرتد کے دعویداروں نے ہزیمت اُٹھائی ایسا ہی احادیث کے میدان میں بھی اُن کو خدا تعالےٰ کے فضل سے ہزیمت ہی اُٹھانی پڑی اور ہم اُن تمام ائمہ حدیث و فقہ کیلئے دعا کرتے ہیں جن کی مدد سے ہمیں یہ فتح نصیب ہوئی ۔ اللھم اغفرلھم وارحمھم وادخلھم فی عبادک المقربین ۔

اب میں حامیان قتل مرتد کی خدمت میں ایک اور عرض کرتا ہوں ۔ اگر اُن کو باوجود ان تمام شہادتوں کے جو میں نے اوپر پیش کی ہیں اسی بات پر اصرار ہے کہ ارتداد کیلئے بلا کسی شرط کے قتل کی سزا دینی چاہیئے تو میں ان کو ایک اور راہ بتاتا ہوں ۔ اگر وہ اُس راہ پر چلیں گے تو ان کا حدیث من بدل دینہ فاقتلوہ پر عمل بھی ہو جائیگا اور اُن کو اس بات کی بھی ضرورت پیش نہیں آئیگی کہ تمام قرآن شریف کو منسوخ قرار دیں ۔ اور وہ راہ یہ ہے کہ قتل کے معنی صرف جان سے مار ڈالنا نہیں ہیں بلکہ اس کے یہ بھی معنے ہیں کہ کالمقتول قرار دینا اور مردوں میں شمار کرنا ۔ حضرت عمر نے سقیفہ کے دن سعد کی نسبت جسنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر خلافت حاصل کرنیکی کوشش کی ۔ فرمایا اقتلوا سعدا قتلہ اللہ یہاں اقتلوا کے معنے یہ کئے گئے ہیں ای اجعلوہ کمن قتل واحسبوہ کمن مات وھلک ولا تعتدّوا بمشھدہ ولا تعرجوا علی قولہ (اقرب الموارد و نہایہ لابن کثیر) ۔ اسی طرح حضرت عمر نے فرمایا ۔ من دعا الی امارۃ نفسہ او غیرہ من المسلمین فاقتلوہ ۔ یہاں بھی فاقتلوہ کے یہ معنی کئے گئے ہیں ۔ ای اجعلوہ کمن قتل ومات بان لا تقبلوا لہ قولا وتقیموا لہ دعوۃ (نہایہ لابن کثیر) ۔ اسیطرح ایک اور حدیث ہے اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الاخر منھما ۔ یہاں بھی اقتلوا کے یہ معنی کئے گئے ہیں ای ابطلوا دعوتہ واجعلوہ کمن مات (اقرب الموارد و نہایہ لابن کثیر) ۔

پس اگر ہمارے مخالف مولوی صاحبان کو اسی بات پر اصرار ہے کہ باقی تمام امور کو بالکل نظر انداز

کر دیں اور الفاظ من بدل دینہ فاقتلوہ پر عمل کریں اور ان الفاظ میں کسی قسم کی شرط کو داخل کرنا گناہ سمجھیں یہاں تک کہ استتابہ کی شرط کو بھی ان الفاظ کی پیروی کر کے چھوڑ دیں (حالانکہ استتابہ کی شرط باوجود ان الفاظ میں مذکور نہ ہونے کے اُن کے نزدیک مسلمہ ہے اور یہ امر ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ استتابہ کی شرط کو تو وہ اس حدیث کے الفاظ میں اپنی طرف سے بڑھانا جائز قرار دیتے ہیں مگر محاربہ کی شرط جو قتل مرتد کی دوسری احادیث میں صراحتہً موجود ہے اور قرآن شریف کی آیت کے رو سے ضروری ہے اس کا بڑھانا حرام سمجھتے ہیں) تو اُن کیلئے دوسری راہ یہ کھلی ہے کہ فاقتلوہ کے وہ معنی لیلیں جو احادیث مندرجہ بالا میں قتل کیلئے گئے ہیں اس طرح اُن کا اس حدیث پر بھی عمل ہو جائے گا اور قرآن شریف کو بھی کالعدم قرار نہیں دینا پڑیگا۔

قتل مرتد اور صحابہ رضی اللہ عنہم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حامیان قتل مرتد نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوانح میں ایسی مثالوں کی تلاش کی ہے جن سے یہ ثابت ہو کہ صحابہ بھی لوگوں کو محض ارتداد کی سزا میں قتل کر دیا کرتے تھے اور نہایت خوشی کی بات ہے کہ جیسا کہ ابھی انشاء اللہ تعالےٰ ناظرین پر روشن ہو جائے گا اس کوشش میں بھی اُنکو ایسی ہی تلخ ناکامی حاصل ہوئی ہے جیسی کہ قرآن شریف اور سنت رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے دایرہ میں۔

میں ذیل میں وہ مثالیں نقل کرتا ہوں جو ان لوگوں نے صحابہ کے سوانح سے پیش کی ہیں

(۱) حضرت ابوبکر نے مرتدین کے ساتھ جنگ کیا۔

(۲) مسیلمہ کذاب کے ساتھ جنگ کی گئی۔

(۳) طلیحہ مدعی نبوت کے ساتھ جنگ ہوا۔

(۴) حضرت ابوبکر کے زمانہ میں ام قرفہ کو بوجہ ارتداد قتل کیا گیا۔

(۵) حضرت علی نے زنادقہ کو جلا دیا۔

(۶) حضرت علی نے خوارج کے ساتھ جنگ کی۔

(۷) حضرت معاذ نے ایک مرتد یہودی کو قتل کرایا۔

صحابہ کے متعلق بحث کرنے سے پہلے میں حامیان قتل مرتد سے ایک سوال کرنا ضروری سمجھتا ہوں

اور وہ سوال یہ ہے کہ جن دواوین حدیث و فقہ پر وہ لوگ اسقدر زور دیتے ہیں اُن کا کسی صحابی کے قول یا فعل کے متعلق کیا فتویٰ ہے۔ کیا کسی صحابی کا قول یا فعل شریعت اسلام میں متفقہ طور پر حجت شرعیہ سمجھا گیا ہے اسکے متعلق میں کسی قیمتی رائے کا اظہار نہیں کرتا۔ صرف ان علماء سے پوچھتا ہوں کہ وہ خود بتائیں کہ اُن کے دواوین مسلمہ و مقبولہ میں صحابی کے قول یا فعل کے متعلق کیا فتویٰ دیا گیا ہے۔ اگر ان دواوین سے متفقہ طور پر یہ ثابت ہو کہ ہر ایک صحابی کلیۃً ایک قول اور ہر ایک فعل ایک حجت شرعی ہے تب تو صحابہ کے افعال و اقوال کی بحث ایک نہایت ضروری بحث سمجھی جائیگی۔ لیکن اگر ان دواوین کے متفقہ فتویٰ سے ایسا ثابت نہ ہو تو پھر یہ بحث ہمارے علماء کیلئے چنداں مفید نہ ہوگی۔ کیونکہ اگر بفرض محال وہ یہ ثابت بھی کر سکیں کہ کسی صحابہ کا عمل اور قول قتل مرتد کی تائید میں ہے تو اس کا وہ قول یا فعل حجت نہیں سمجھا جائیگا۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اسکے متعلق دواوین حدیث و فقہ کا کیا فتوےٰ ہے۔ سو واضح ہو کہ اہلحدیث کے نزدیک صحابی کا قول یا فعل کوئی حجت نہیں۔ جیسا کہ اصول حدیث کے رسالہ موسومہ بہ مختصر الجرجانی میں السید الشریف الجرجانی نے تحریر فرمایا ہے "ما روی عن الصحابی من قول او فعل متصلاً کان او منقطعاً لیس بحجۃ علی الاصح"۔ اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قول یا فعل صحابی قطعاً کوئی حجت نہیں۔ کتاب کشف الاسرار شرح المنار جو اصول فقہ کی ایک مستند کتاب ہے اسکی جلد ۲ صفحہ ۹۹ پر لکھا ہے:۔

وانما قلدنا الانبیاء علیہم السلام لانا عرفنا عصمتہم عن الکذب والخطاء بدلالۃ المعجزۃ فاتبعنا ھم لقیام دلالۃ العصمۃ وقد فقدت ھذہ الدلالۃ فی غیرہم فلا یجب اتباعہم ولہذا قال الشافعی لا نقلد الصحابی لان قول الصحابی لیس بحجۃ اذ لو کان قولہ حجۃ فدعا الناس الی قولہ کالنبی علیہ السلام۔

یعنے ہم انبیاء علیہم السلام کی اسلئے تقلید کرتے ہیں کہ ہمنے اُن کے معجزات کے ذریعہ یہ پہچان لیا ہے کہ وہ کذب اور خطا سے محفوظ تھے۔ پس ہم اُن کے معصوم ہونے کی وجہ سے اُن کی اتباع کرتے ہیں۔ اور یہ بات دوسروں میں نہیں پائی جاتی۔ پس اُن کا اتباع واجب نہیں اور یہی وجہ ہے کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہم صحابی کی تقلید نہیں کرتے۔ کیونکہ صحابی کا قول حجت نہیں۔ کیونکہ اگر صحابی کا قول حجت ہوتا تو وہ اپنے قول کی طرف لوگوں کو اسی طرح دعوت دیتا جس طرح کہ نبی علیہ السلام اپنے قول کی طرف دعوت دیتا ہے۔ پھر اسی کتاب کے صفحہ ۱۰۰ پر لکھا ہے:۔

وروی عن عمرؓ کتب الی شریح ان اقض بکتاب الله ثم بسنۃ رسول الله ثم برأیک ولم یقل بقولی۔

یعنے حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے شریح کو لکھا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ فیصلہ کرنا اسکے بعد سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور اسکے بعد اپنی رائے کے ساتھ اور یہ نہیں فرمایا کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میرے قول کے ساتھ فیصلہ کر۔

اور احناف کے نزدیک جو امر قیاس سے معلوم ہو سکتا ہے اس میں صحابی کی تقلید ہرگز ضروری نہیں۔ اور قتل مرتد ایک ایسا مسئلہ ہے جو قیاس کے ذریعہ سمجھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ہم قرآن شریف کی آیات سے یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ اسلام میں قتل مرتد جائز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ قرآن شریف کی کئی آیات کے صریح خلاف ہے۔ پس جو امر قرآن شریف سے قیاس کیا جا سکتا ہے اس میں فقہ حنفیہ بھی صحابی کے قول یا فعل کو ضروری قرار نہیں دیتی اور جن امور میں صحابی کی تقلید کا جواز بیان کیا گیا ہے ان میں بھی اس جواز کی بنیاد یہ ٹھہرائی گئی ہے کہ احتمال ہے کہ اس صحابی نے یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔ اور اس میں بھی خود حنفی مذہب کے علماء صحابی کی تقلید واجب قرار نہیں دیتے۔ قمر الاقمار شرح نور الانوار میں لکھا ہے۔

وفیہ علی ما افاد بحر العلوم ان احتمال السماع لیس بموجب والقیاس حجۃ شرعیۃ موجبۃ للعمل فکیف یترک بمجرد الاحتمال۔

یعنے علامہ بحر العلوم نے اس بارہ میں یہ مفید بات کہی ہے کہ یہ احتمال کہ صحابی نے آنحضرتؐ سے سنا ہوگا اس بات کو واجب نہیں کرتا کہ صحابی کے قول کی تقلید کیجائے۔ کیونکہ قیاس ایک شرعی حجت ہے جس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ پس ایسی چیز کو جس پر عمل کرنا واجب اور ضروری ہے محض اس احتمال سے کہ شاید صحابی نے سنا ہو چھوڑا نہیں جا سکتا۔ قمر الاقمار کا فاضل مصنف لکھتا ہے۔

ولو کان ما قال الصحابی مسموعا من الرسول صلی اللہ علیہ وسلم لرفعہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ... ولما لم یرفعہ علم انہ من اجتہادہ واجتہادہ واجتہاد غیرہ متساویان فی احتمال الخطأ لعدم عصمتہم فلا یکون حجۃ وھذا فیما یدرک بالقیاس واما ما فیما لا یدرک بالقیاس فیجوز ان الصحابی انما افتی بہ بخبر ظنہ دلیلا ولا یکون کذلک فمع جواز ان لا یکون دلیلا کیف یلزم غیرہ فلا یکون حجۃ۔

یعنے صحابی جو بات کہتا ہے اگر وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی ہوتی تو وہ اس بات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع کرتا اور جب اس نے ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے اجتہاد سے ایسا کہتا ہے اور صحابی اور غیر صحابی کا اجتہاد اس امر میں برابر ہیں کہ دونوں میں خطا کا احتمال ہے کیونکہ وہ معصوم نہیں پس اس کا قول حجت نہیں یہ ایسے امور کے متعلق ہے جو قیاس سے معلوم ہو سکتے ہوں اور جو امر قیاس سے معلوم نہیں ہو سکتا اس میں ممکن ہے کہ صحابی نے اس بات کا فتویٰ ایسی خبر کی بنا پر دیا ہو جس کو اس نے دلیل خیال کر لیا حالانکہ وہ دلیل نہ ہو پس جب یہ ممکن ہے کہ جس چیز کو اس نے دلیل خیال کیا ہے وہ حقیقت میں دلیل نہ ہو تو اس صورت میں اس بات کا ماننا کسی دوسرے پر کیونکر لازمی ہو سکتا ہے۔

نور الانوار میں لکھا ہے۔ وقال الشافعی رحمہ اللہ لا یقلد احد منہم سواء کان مدرکا بالقیاس او لا لان الصحابۃ کان یخالف بعضہم بعضا ولیس احدہم اولی من الآخر فتعین البطلان۔

یعنے شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی صحابی کی تقلید ضروری نہیں۔ خواہ وہ امور ایسے ہوں جو قیاس کے ذریعہ معلوم ہو سکتے ہوں یا ایسے ہوں جو قیاس کے ذریعہ معلوم نہ ہو سکتے ہوں کیونکہ صحابہ کا خود ایک دوسرے کے ساتھ اختلاف ہوا کرتا تھا۔ اور اس معاملہ میں ایک کو دوسرے پر کوئی ترجیح نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ان کی تقلید لازمی نہیں ہے۔

مندرجہ بالا حوالجات اس امر کے ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ دواوین فقہ و حدیث کا اس امر پر اتفاق نہیں ہے کہ صحابی کا قول یا فعل حجت شرعیہ ہے۔ اسلئے اگر مولوی صاحبان یہ ثابت بھی کر دیتے کہ کسی صحابی کا قول یا فعل اس امر کی تائید کرتا ہے کہ مرتد کو محض ارتداد کی وجہ سے قتل کر دیا جائے تب بھی خود انہی کے مسلمہ دواوین کے رو سے ان کی غرض پوری نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن موجودہ بحث میں اعمال صحابہ کی جو مثالیں حامیان قتل مرتد نے اپنے دعویٰ کی تائید میں پیش کی ہیں جب ان پر واقعات کی روشنی میں نظر کی جائے تو وہ مثالیں حامیان قتل مرتد کی تائید نہیں کرتیں بلکہ تردید کرتی ہیں۔

قتل مرتد کے دعویداروں نے اپنے زعم میں سب سے زیادہ زبردست مثال جو اپنے دعویٰ کی تائید میں پیش کی ہے وہ اس ارتداد کی مثال ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت وقوع میں آیا ان کے نزدیک حضرت ابوبکر کا اپنے عہد خلافت کے مرتدین کے ساتھ

جنگ کرنا اس امر کا قطعی اور یقینی ثبوت ہے کہ اسلام میں محض ارتداد کی سزا قتل ہے۔
ہمارے بھولے بھالے مولوی صاحبان عرب کے قبائل کی طبیعت سے بالکل ناواقف ہیں۔ وہ ارتداد کے لفظ کو سنکر یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ مرتدین بالکل بے ضرر لوگ تھے۔ اُن کا اس سے زیادہ کوئی قصور نہ تھا کہ وہ زکوٰۃ خلیفہ وقت کو ادا کرنا ضروری نہیں سمجھتے تھے اور نماز پڑھنا چھوڑ بیٹھے تھے۔ اس سے زیادہ اُن کا کوئی قصور نہ تھا۔ نہ وہ مسلمانوں سے لڑتے تھے اور نہ کسی کو کوئی گزند پہنچاتے تھے۔ اُن کو حکومت اسلامی سے کوئی پرخاش نہ تھی بلکہ وہ خلیفہ وقت کے تابعدار اور معاون و مددگار تھے اور اسلامی حکومت کے ماتحت وہ امن اور فرمانبرداری سے زندگی بسر کرنے کے خواہاں تھے۔ پس اگر اُن کا کوئی قصور تھا تو یہی تھا کہ زکوٰۃ اور نماز کو وہ ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ اگر مولوی صاحبان کا ایسا خیال ہے تو یہ اُن کا بھولاپن ہے۔ وہ اُس زمانہ کے تمدن اور اُن لوگوں کے طرز سے بے خبر ہیں۔ اُن کی ارتداد کے یہ معنی نہ تھے کہ اُن کو صرف مذہبی اختلاف تھا۔ ورنہ اپنی ملکی زندگی میں وہ اُس سلطنت اسلامی کے خیرخواہ اور تابعدار تھے جس کی رعایا ہونے کا وہ مدینہ میں اپنی نمائندوں اور وفود کے ذریعہ اعلان کر چکے تھے۔ بلکہ اُن کے ارتداد کے عملی رنگ میں یہ معنے تھے کہ اُنہوں نے اُس سلطنت اسلامی سے جس کی ماتحتی کا جوا وہ اپنی گردنوں پر رکھ چکے تھے بغاوت اختیار کی۔ یہی وجہ ہے کہ ارتداد کے ساتھ ہی اُنہوں نے اسلام کے خلاف تلوار اُٹھا لی اور جو لوگ اُن میں سے اسلام پر قائم رہے اُن کو قتل کیا۔ اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کیلئے لشکر جمع کرنے شروع کردیئے۔ اسلامی سلطنت سے اپنے آپ کو آزاد کرلیا اور خود دارالسلطنت اسلامیہ پر حملہ کیا اور اُس کا محاصرہ کیا۔ اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دینا چاہا۔ اگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایسے لوگوں کے ساتھ جنگ کیا اور اُن کو تلوار کے ساتھ زیر کیا اور باغیوں کی سرکوبی کی تو اس سے یہ استدلال نہیں ہوسکتا کہ اسلام میں محض ارتداد کی سزا قتل ہے۔ اگر ملک میں امن تھا اور مرتدین کو صرف مذہبی اختلاف تھا اور بغاوت کا کوئی ارادہ نہ تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت اُسامہ بن زید کے لشکر کی روانگی کے وقت عمائد مہاجرین و انصار حضرت صدیق اکبرؓ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ایسے خطرہ کے وقت میں اس لشکر کا روانہ کرنا مصلحت کے خلاف ہے۔

میں پوچھتا ہوں کہ اگر وہ ارتداد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قبائل عرب

میں ممنوع ہو تو بالکل ایک بے ضرر تحریک تھی تو پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے روانگی سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر رض کے پاس بھیجا اور مع لشکر واپس آنے کی اجازت مانگی اور وجہ یہ پیش کی کہ ان معی وجوہ الناس وجلتہم ولا آمن علی خلیفۃ رسول اللہ وحرم رسول اللہ والمسلمین ان یتخطفہم المشرکون یعنی میرے ساتھ بڑے بڑے آدمی ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ ایسا نہ ہو کہ مشرکین خلیفہ وقت اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم اور دوسرے مسلمانوں پر حملہ نہ کر دیں۔

میرے خیال میں حامیان قتل مرتد کو اس امر کے یقین دلانے کا کہ وہ مرتدین کی جماعت جن کے خلاف حضرت ابوبکر رض نے قتال کیا ایک بے ضرر جماعت نہ تھی سہل ترین طریق یہ ہے کہ ان مرتدین کے حالات میں سے کچھ صفحات تاریخ سے نقل کر کے ان کی خدمت میں پیش کیا جائے تا ان کو معلوم ہو کہ یہ لوگ بے ضرر بکرے نہ تھے جیسا مولوی صاحبان نے اپنی سادگی سے سمجھ رکھا ہے بلکہ وہ خونخوار بھیڑیے اور وحشی درندے تھے اور اگر ان کے خلاف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تلوار اٹھائی تو اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسلام میں محض ارتداد اور تنہا ارتداد کی سزا قتل ہے۔ (۱) جیسا کہ خوف کیا گیا تھا لشکر اسامہ کی روانگی کے بعد مدینہ کے قرب وجوار کے مرتدین نے مدینہ پر حملہ کیا اور کئی دن تک محاصرہ کئے ہوئے پڑے رہے۔ حضرت ابو بکر رض نے اپنی تھوڑے سے آدمیوں کو جو لشکر اسامہ سے بچ رہے تھے ساتھ لیکر محاصرین پر حملہ کر کے ان کو منتشر کیا۔

طبری میں لکھا ہے۔ وکان اول من صادم عبس وذبیان عاجلوہ فقاتلہم قبل رجوع اسامۃ (طبری ج۴ ص۱۸۷۲) یعنی سب سے پہلے جن قبیلوں نے مدینہ پر حملہ کیا وہ عبس وذبیان تھے انہوں نے پہلے حضرت ابو بکر رض پر حملہ کیا اور اسامہ کی واپسی سے پہلے حضرت ابو بکر رض نے ان کے ساتھ جنگ کی۔

ابن خلدون میں لکھا ہے۔ فعاجلتہ عبس وذبیان ونزل الاخرون (بنو اسد۔ فزارہ۔ غطفان۔ طی۔ ثعلبہ۔ بنو کنانہ وغیرہم۔ طبری جلد ۴ ص۱۸۷۳ الی ص۱۸۷۶) بذی القصۃ (ابن خلدون جلد ۲ ص۶۵) یعنے عبس وذبیان قبیلوں نے پہلے حضرت ابو بکر رض پر حملہ کیا اور دوسری قومیں یعنے بنو اسد۔ فزارہ۔ غطفان۔ طی۔ ثعلبہ۔ بنو کنانہ وغیرہم ذی القصۃ میں آکر جمع ہو گئے تھے۔

خمیس میں لکھا ہے سوا قبل خارجہ بن حصن بن حذیفہ بن بدر او کان ممن ارتد فی خیل من قومہ الی المدینۃ مریدا ان یحذل الناس عن الخروج او یصیب غرۃ فیغیر فاغار علی ابی بکر ومن معہ وھم غافلون (خمیس جلد ۲ ص ۲۲۳)

یعنے خارجہ بن حصن جو مرتدین میں سے تھا اپنی قوم کے کچھ سوار لے کر مدینہ کیطرف بڑھا تاکہ صحابہ کے نکلنے سے قبل ہی غفلت میں چھاپہ مارے اس لئے اس نے حضرت ابو بکر اور آپ کے ساتھی مسلمانوں پر چھاپہ مارا جب کہ مسلمان بے خبر تھے۔

بعض مرتدین نے مدینہ میں وفود بھیجے تا نماز و زکوٰۃ میں معافی مل جائے اور جب حضرت ابو بکرؓ نے صاف جواب دیا تو ان لوگوں نے مدینہ پر حملہ کیا۔ ادہر حضرت ابو بکرؓ نے ان وفود کے چلے جانے کے بعد مسلمانان مدینہ کو اکٹھا کر کے یوں خطاب کیا:۔

ان الارض کافرۃ وقد رأی وفدھم منکم قلۃ وانکم لا تدرون الیلا تؤتون ام نھارا وادناھم منکم علی برید وقد کان القوم یاملون ان نقبل منھم ونوادعھم وقد ابینا علیھم ونبذنا الیھم عھدھم فاستعدوا واعدوا فما لبثوا الا ثلاثا حتی طرقوا المدینۃ غارۃ مع اللیل وخلفوا بعضھم بذی حسی لیکونوا لھم ردأ (طبری جلد ۴ ص ۱۸۷۵)

یعنے تمام ملک اب کافر ہے اور ان کے وفد نے تمہاری قلت تعداد کو دیکھ لیا ہے تمہیں معلوم نہیں کہ رات کے وقت تم پر حملہ کریں یا دن کو اور ان میں سے قریب ترین لوگ تم سے صرف ایک منزل کے فاصلہ پر ہیں۔ وہ چاہتے تھے کہ ہم ان کی بات قبول کر کے ان سے معاہدہ کر لیں۔ اور ہم نے اس سے انکار کیا۔ پس تم ان کے حملہ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اور تین دن ہی گذرے تھے کہ انہوں نے رات کے وقت مدینہ پر آ کر چھاپہ مارا اور ایک جماعت کو ذی حسی میں چھوڑ آئے تا وہ ان کے مددگار ہوں۔

علامیاں قتل مرتد نوٹ کریں کہ یہ چھاپہ مارنے والی جماعت وہی لوگ تھے جو زکوٰۃ معاف کرانے کیلئے مدینہ آئے تھے۔ جب درخواست نامنظور ہوئی تو تین دن کے اندر مدینہ پر حملہ کر دیا۔

مندرجہ بالا حوالجات سے ناظرین نے دیکھ لیا ہے کہ مرتدین نے مسلمانوں پر حملہ کرنے میں پیشدستی کی اور ان کو قلیل اور کمزور دیکھکر سمجھا کہ ہم مدینہ کو فتح کر لیں گے اور اسلامی

اسلامی سلطنت کے پایۂ تخت پر قابض ہو جائینگے۔ مگر خدا تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق خلیفہ وقت کی تائید کی اور دشمنوں کو خائب و خاسر لوٹا دیا۔

مرتدین نے صرف مدینہ ہی پر حملے نہیں کئے تھے بلکہ انہوں نے مرتد ہوتے ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد معًا اُن صادق الایمان مسلمانوں کو بھی تہ تیغ کر دیا جو ان قوموں میں بستے تھے۔ اور جو باوجود اپنی قوم کے مرتد ہو جانے کے اسلام پر قائم رہے تھے چنانچہ ابن خلدون میں لکھا ہے:۔ فوثب بنو ذبیان وعبس علی من فیھم من المسلمین وفعل ذالک غیرھم من المرتدین (ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۶۶) یعنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سنتے ہی بنو ذبیان اور عبس نے ان لوگوں پر حملہ کر دیا۔ جو اُن میں مسلمان تھے۔ اور یہ کام صرف بنو ذبیان اور عبس نے ہی نہ کیا بلکہ اُن کے سوا جو دوسری مرتد قومیں تھیں اُنہوں نے بھی اسی طرح اُن مسلمانوں کو قتل کر دیا جو اُن میں آباد تھے۔

طبری نے لکھا ہے۔ فوثب بنو ذبیان وعبس علی من فیھم من المسلمین وقتلوھم کل قتلۃ وفعل من وراءھم فعلھم (طبری جلد ۴ صفحہ ۱۸۷۰)۔ یعنی جونہی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر پہنچی بنو ذبیان اور عبس اُن مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے جو اُن میں رہتے تھے اور اُن کو ہر ایک طریق سے قتل کیا اور جو قومیں ان کے علاوہ بستی تھیں اُنہوں نے بھی ایسا ہی کیا“ یعنے اُنہوں نے بھی ایسے لوگوں کو قتل کر دیا جو اسلام پر قائم رہے۔

اب حامیان قتل مرتد فرماویں کہ کیا اُن لوگوں کا جرم صرف یہی تھا کہ اُنہوں نے ارتداد اختیار کیا اور کیا اِن لوگوں کے واقعات سے اُن کا یہ دعویٰ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں محض ارتداد اور تنہا ارتداد کی سزا قتل ہے۔ اگر ان لوگوں کا جرم محض ارتداد نہ تھا بلکہ اُنہوں نے کھلم کھلی بغاوت اختیار کی اور مسلمانوں کو قتل کیا اور اس بات کی کوشش کی کہ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیں اور اسلامی سلطنت کو جڑ سے اکھیڑ ڈالیں اور اسلام کو نابود کریں۔ تو پھر اے حامیان قتل مرتد کیا یہ افسوس کا مقام نہیں کہ آپ ایسے لوگوں کی مثال پیش کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام میں محض ارتداد اور تنہا ارتداد کی سزا قتل ہے کیا ایسی مثالوں کے پیش کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ لوگوں کے ہاتھ میں کوئی ثبوت نہیں اس لئے واہیات باتیں پیش کر رہے ہو اور کچھ تو اپنی مولویت کے نام کی شرم کرنی چاہئے میں اوپر ذکر کر چکا ہوں کہ پیشتر اسکے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسی قوموں کی گوشمالی

کے لشکر مختلف اطراف میں روانہ کریں ان میں سے بعض نے بغیر حضرت ابوبکرؓ کے حملہ کے خود بخود مدینہ پر حملہ کیا۔ اس سے ناظرین ان مرتدین کے ارادوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں لیکن دو وجہوں سے عام طور پر مرتدین مدینہ پر چڑھائی کرنے سے رُکے رہے۔ ایک وجہ یہ تھی کہ جن اقوام نے مدینہ پر حملہ کیا اُن پر حضرت ابوبکرؓ اور آپ کے ساتھیوں نے نہایت شجاعت اور دلیری سے حملہ کر کے اُن کو منتشر کر دیا۔ اس سے دوسری قوموں پر مسلمانوں کا رُعب قائم ہو گیا۔ دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر معاً لشکر اسامہ کے روانہ ہو جانے سے یہ ایک بڑا بھاری فائدہ پہنچا کہ عرب کی اقوام نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ مسلمانوں کی طاقت بہت زبردست اور قوی ہے تبھی تو انہوں نے عرب کے مرتدین کی کچھ پرواہ نہیں کی اور بلاکسی خوف کے ایک بھاری لشکر ملک شام کی طرف روانہ کر دیا ہے۔

صاحب تاریخ الکامل لکھتے ہیں۔ وکان انفاذ جیش اسامۃ اعظم الامور نفعا للمسلمین فان العرب قالوا لو لم یکن بہم قوۃ لما ارسلوا ھذا الجیش فکفوا عن کثیر مما کانوا یریدون ان یفعلوہ (تاریخ الکامل جلد ۲ صفحہ ۱۳۹) یعنی لشکر اسامہ کے بھیجا جانے سے مسلمانوں کو بہت ہی بڑا فائدہ پہنچا کیونکہ عرب کی قوموں نے کہا کہ اگر مسلمانوں میں طاقت اور قوت نہ ہوتی تو وہ ایسے وقت میں اس لشکر کو روانہ نہ کرتے۔ پس اس خیال سے وہ اپنے بہت سے بدارادوں سے رُک گئے۔

اس حوالہ سے بھی صاف ظاہر ہے کہ تمام مرتد قبائل مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ اور صرف اس وجہ سے رُک گئے کہ لشکر اسامہ کی روانگی سے انہوں نے نتیجہ نکالا کہ مسلمانوں میں بہت بڑی طاقت اور قوت ہے۔ اگر ناظرین تفصیل وار اُن قوموں کے حالات جن پر حضرت ابوبکرؓ نے لشکر اسامہ کی واپسی کے بعد فوج کشی کی کتب تاریخ میں مطالعہ فرماویں تو اُن پر روز روشن کی طرح یہ امر ظاہر ہو جائیگا کہ یہ قومیں صرف ارتداد اور محض ارتداد کی مرتکب نہیں ہوئی تھیں بلکہ ان سب قوموں نے سلطنت اسلام کے خلاف بغاوت اختیار کی تھی اور اگر ان پر فوج کشی نہ کی جاتی تو یہ لوگ اس بات پر تلے ہوئے تھے کہ مسلمانوں کا نام و نشان دنیا سے مٹا دیں۔ روز بروز ان کی جمعیت بڑھتی جاتی تھی اور اگر ان اقوام کو کچھ مزید مہلت مل جاتی تو ان کی جمعیت اس قدر مضبوط ہو جاتی اور ان کا حوصلہ اس قدر بڑھ جاتا کہ تمام گرد و نواح کے مسلمانوں کو تہ تیغ کر کے آخر مدینہ پر حملہ آور ہوتے۔ یہ لوگ

مرتدین کا تھا کہ بجائے ان پر حملہ آور ہو کر ان کی جمعیت کو توڑتے اور اس آگ کو جو تمام اطراف میں پھیل کر مسلمانوں کی ہستی کو خطرہ میں ڈال رہی تھی بجھا دیتے۔ ہر ایک شخص جو تاریخ سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے اس بات کو تسلیم کریگا کہ اگر اسوقت حضرت ابوبکرؓ ان مرتد اقوام کے ساتھ قتال نہ کرتے تو آج نہ اسلام نظر آتا اور نہ مسلمانوں کا وجود پایا جاتا۔

میں یہاں ان تمام قبائل کی کارروائیاں الگ الگ نقل نہیں کر سکتا۔ صرف عینی کی شہادت پر اکتفا کرتا ہوں جو اُسنے تمام قبائل کے متعلق مجموعی طور پر دی ہے۔ عینی میں لکھا ہے۔ وانما قاتل الصدیق مانعی الزکوٰۃ لانھم امتنعوا بالسیف ونصبوا الحرب للامۃ (عینی جلد ۱۱ ص ۲۳۶) یعنے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ سے اسلئے قتال کیا کہ اُنہوں نے تلوار کے ذریعہ سے زکوٰۃ کو روکا اور مسلمانوں کے لیے جنگ برپا کی۔

اس شہادت سے ظاہر ہے کہ جنگ کی ابتداء مانعین زکوٰۃ کی طرف سے ہوئی۔ یعنے نہ صرف ان لوگوں نے زکوٰۃ کے ادا کرنے سے انکار کیا۔ بلکہ مسلمانوں کے خلاف خود ہی تلوار اُٹھائی اور جنگ کی بنیاد ڈالی۔

جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر جن قبائل نے ارتداد اختیار کیا اُن کا ارتداد مذہبی اختلاف تک محدود نہ تھا بلکہ اُنہوں نے سلطنت اسلامی سے بغاوت اختیار کی۔ تلوار کو ہاتھ میں لیا۔ مدینہ منورہ پر حملہ کیا اپنی اپنی قوم کے مسلمانوں کو قتل کیا۔ آگ میں ڈالا اور اُن کا مثلہ کیا۔ جیسا کہ طبری کی مندرجہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے۔

ولم یقبل خالد (بعد ھزیمتھم) من احد من اسد وغطفان ولا ھوازن ولا سلیم ولا طیٔ الا ان یأتوہ بالذین حرقوا ومثلوا وعدوا علی اھل الاسلام فی حال ردتھم (طبری جلد ۴ ص ۱۹ وایضاً ابن خلدون جلد ۲ ص ۶۶ وتاریخ الکامل جلد ۲ ص ۱۴۹ بتغایر الالفاظ)۔

یعنے جب بنی اسد اور غطفان اور ہوازن اور بنی سلیم اور بنی طی کو شکست ہوئی تو خالد رضی اللہ عنہ نے ان کو معافی دینے سے انکار کیا جب تک وہ ان لوگوں کو پیش نہ کریں جنہوں نے مرتد ہونے کے بعد مسلمانوں کو آگ میں ڈال کر جلایا اور اُن کے ہاتھ پاؤں ناک وغیرہ کاٹے یا بعد ازاں ان پر ظلم کئے۔

اسی طرح تاریخ سے ثابت ہے کہ مرتدین نے اپنے اپنے علاقوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال کو نکالدیا اور بعض جگہ مرتدین نے جداگانہ بادشاہت بھی قایم کر لی یا قایم کرنے کی کوشش کی۔ مثلاً ابن خلدون نے لکھا ہے۔ "وارتدت ربیعۃ ونصبوا المنذر بن النعمان بن المنذر وکان یسمی المغرور فاقاموہ ملکا کما کان قومہ بالحیرۃ (ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۷۴ و طبری جلد ۴ صفحہ ۱۹۶۱) یعنے بنو ربیعہ نے (جو بحرین کا ایک قبیلہ تھا) ارتداد اختیار کیا اور مرتد ہونے کے بعد المنذر بن النعمان کو کھڑا کیا جو مغرور کے خطاب سے مشہور تھا اور اس کو اپنا بادشاہ بنالیا۔

پس ان حالات میں یہ کہنا کہ عہد خلافت اولے میں مسلمانوں کا مرتدین سے قتال کرنا یہ ثابت کرتا ہے کہ اسلام میں محض ارتداد کے لئے قتل کی سزا مقرر کی گئی ہے ایک باطل دعویٰ ہے اور جو شخص ایسا دعویٰ کرتا ہے وہ یا تو تاریخ اسلام سے قطعاً ناواقف یا عمداً دنیا کو دہوکہ دینا چاہتا ہے۔

مسیلمہ کذاب اسی طرح قائلین قتل مرتد نے مسیلمہ کذاب کے واقعہ کو پیش کر کے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ اسلام میں محض ارتداد کی سزا قتل ہے۔ اور اعتراض کیا ہے کہ اگر لا اکراہ فی الدین کے یہی معنے درست ہیں کہ دین کے بارہ میں کسی پر جبر نہیں کرنا چاہئے تو مسیلمہ کذاب سے کیوں جنگ کی گئی اور اس کو کیوں آزاد نہ چھوڑا گیا؟

اقول اگر اس کا صرف رسالت کا ہی دعویٰ ہوتا اور ملکی معاملات میں وہ کوئی دخل نہ دیتا تب تو بے شک حامیان قتل مرتد کا اعتراض قابل غور ہوتا۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی برعکس ہے۔ ان بزرگان کو اگر تاریخ اسلام سے کچھ بھی آگاہی ہو تو ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ مسیلمہ کذاب کی اصل غرض حکومت سے تھی۔ نبوت کا دعویٰ تو صرف ایک ذریعہ تھا جو اس غرض کے حاصل کرنے کیلئے استعمال کیا گیا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بنو حنیفہ کے وفد کے ساتھ مل کر مدینہ میں آیا اور یہ شرط پیش کی کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد مجھے اپنا خلیفہ بنادیں تو میں آپکی اتباع کر لونگا۔ آپ نے ایک کھجور کی چھڑی اٹھا کر فرمایا کہ تجھے اس چھڑی کے برابر بھی نہیں دیا جائیگا۔ یہ کہکر آپ اس کے پاس سے چلے آئے واپس جاکر اس نے نبوت کا دعویٰ کیا اور کہا کہ نصف ملک ہمارا ہے اور نصف ملک قریش کیلئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مندرجہ ذیل مضمون کا خط لکھا ہے۔

من مسیلمۃ رسول اللہ الی محمد رسول اللہ۔ سلام علیک فانی قد اشرکت فی الامر معک وان لنا نصف الارض ولقریش نصف الارض ولکن قریشا قوم یعتدون (ملاحظہ ہو طبری جلد ۴ صفحہ ۱۹۴۹)

یعنے میں آپ کے ساتھ اس امر میں شریک کیا گیا ہوں۔ نصف ملک ہمارا ہے اور نصف قریش کا۔ آپ نے جواب میں لکھوایا ان الارض للہ یورثها من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین۔ بعد دعویٰ نبوت حجر اور الیمامہ پر حاکم بن گیا۔ اور نبی کریم صلعم کے مقرر کردہ والی ثمامہ بن اثال کو نکال دیا (خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۷۷)۔ سجاح باغیہ کے ساتھ جو مسلمانوں سے لڑنے کا ارادہ رکھتی تھی اتحاد کر لیا۔ اور اسے کہا اکل بقومی وقومک العرب یعنے اپنی اور تیری قوم کی مدد سے تمام عرب کو فتح کر لونگا (طبری جلد ۴ صفحہ ۱۹۱۸)۔ اسکو بعد از دعوے نبوت دو مدنی صحابی ملے۔ حبیب بن زید اور عبداللہ بن وہب الاسلمی اس نے ان دونوں کو پکڑ کر اپنی نبوت منوانی چاہی۔ عبداللہ تو مرتد ہو گیا مگر حبیب نے نہ مانا تو اُسے عضو عضو کاٹ کر آگ میں جلا دیا (خمیس جلد ۲ صفحہ ۲۴۱)۔

کیا ان حالات میں حامیان قتل مرتد کہہ سکتے ہیں کہ مسیلمہ سے محض ارتداد کی وجہ سے قتال کیا گیا اور یہ کہ اسکے واقعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں محض ارتداد کی سزا قتل ہے۔ مسیلمہ کے ساتھ اس قدر جمعیت اکٹھی ہو گئی تھی کہ جب یمامہ میں خالد بن ولید کے ساتھ اس کی جنگ ہوئی تو صرف بنو حنیفہ کے چالیس ہزار سپاہی اسکے ساتھ موجود تھے اور ایسی خونریز لڑائی ہوئی کہ مسلمانوں نے ایسی سخت لڑائی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ مگر حامیان قتل مرتد مسیلمہ کو صرف ایک بے ضرر انسان ظاہر کرتے ہیں۔ اور اعتراض کرتے ہیں کہ لا اکراہ فی الدین کے منشاء کے ماتحت اُسکو بالکل آزاد چھوڑ دینا چاہیئے تھا۔

اسی طرح حامیان قتل مرتد نے طلیحہ مدعی نبوت کی مثال کو پیش کیا ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اسلام میں محض ارتداد کی سزا قتل ہے۔

یا تو یہ مولوی صاحبان خود تاریخ سے قطعاً ناواقف ہیں یا دوسروں کو ناواقف سمجھکر دنیا کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر ان دونوں باتوں میں سے ایک بات بھی درست ہو تو پھر یہ سمجھ میں نہیں آسکتا کہ کیوں مسیلمہ اور طلیحہ کی مثالوں کو اس دعوے کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے کہ اسلام میں محض ارتداد کی سزا قتل ہے۔ کیونکہ یہ لوگ محض مرتد ہی نہیں تھے

بلکہ انہوں نے اسلام کے خلاف تلوار اٹھائی اور مسلمانوں کی جماعت کو نابود کرکے خود ملک عرب پر قبضہ کرنا چاہا۔ مسیلمہ کے حالات میں مختصراً اوپر بیان کرچکا ہوں۔ اب طلیحہ کے حالات سنیئے!

طلیحہ بن خویلد اسدی آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہی مرتد ہوگیا تھا۔ سمیرا مقام میں قیام پذیر ہوا اور وہاں اس نے اپنے گرد ایک لشکر جمع کیا۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ اور بھی مضبوط ہوگیا۔ قبائل غطفان و ہوازن و طے اسکے ساتھ ہوگئے۔ جن لوگوں نے مدینہ پر پیش دستی کرکے چھاپہ مارا تھا انکے دو حصے تھے۔ ایک وہ جو ابرق میں مقیم تھے اور دوسرے جو ذی القصہ میں تھے طلیحہ نے اپنی بھائی کو مؤخرالذکر لوگوں پر افسر مقرر کرکے بھیجا۔ عبس و ذبیان کو جب حضرت ابوبکرؓ نے مدینہ کے پاس شکست دی تو وہ بھی طلیحہ سے آکر ملے اور اسی طرح بنو فزارہ نے مسلمانوں کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں بعض کا مثلہ کیا بعض کو آگ میں جلادیا۔ جیسا کہ طبری کے مندرجہ ذیل اقتباس سے ظاہر ہے:۔

"ولم یقبل (خالد بعد هزیمتهم) من احد من اسد و غطفان ولا هوازن ولا سلیم ولا طئ الا ان یاتوه بالذین حرقوا و مثلوا و عدوا علی اهل الاسلام فی حال ردتهم"۔ (طبری جلد ۴ صفحہ ۱۹۰۔ ایضاً ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۷۱۔ تاریخ الکامل جلد ۲ صفحہ ۱۳۹ بتغایر الالفاظ)۔

مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے کہ بنی اسد اور غطفان اور ہوازن اور سلیم اور بنی طے کے لوگوں نے مسلمانوں کو آگ میں ڈال کر جلایا اور انکا مثلہ کیا۔ اور یہ سب قبائل وہ ہیں جو مرتد ہوکر طلیحہ کے ساتھ مل گئے تھے۔

اسی طرح عکاشہ بن محصن اور ثابت بن اقرم انصاری گرد و نواح کی گشت اور ادھر ادھر کی نگاہ دو کو نکلے تو انکی غفلت میں طلیحہ اور اسکے بھائی نے انہیں قتل کردیا اور مسلمانوں نے انکی لاشوں کو روندا ہوا پایا۔ مندرجہ بالا واقعات کی تصدیق کے لئے ملاحظہ ہوں۔ طبری جلد ۴۔ تاریخ الکامل جلد ۲ اور خمیس جلد ۲۔

اب ناظرین خود ہی فیصلہ فرمادیں کہ کیا طلیحہ کا جرم صرف یہی تھا کہ اسنے ارتداد اختیار کیا یا وہ دوسرے جرموں کا بھی مرتکب ہوچکا تھا؟ وہ صرف خود باغی تھا بلکہ وہ دوسری باغیوں کا ملجا اور ماویٰ بنا ہوا تھا۔ اور اسکے لوگوں نے اور خود اسنے مسلمانوں کو قتل کیا۔ کیا ان حالات میں یہ ضروری نہ تھا کہ اس سے قتال کیا جاوے؟ اور پھر طرفہ یہ کہ لڑائی کرنے سے پہلے حضرت خالدؓ

نے اپنا ایلچی خلیفہ کے پاس بھیجا جو خونریزی کو روکنا چاہا اور بہت سمجھایا مگر اُسنے حضرت خالدؓ کے پند و نصائح کو کسی طرح نہیں سنا جب سلمان عاجز آگئے اور کسی نصیحت نے بھی اثر نہ دکھایا تو ہار کے لڑائی کی ٹھہری

ابتدائے اسلام میں جن لوگوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب دعویٰ نبوت کیا وہ صرف مسیلمہ اور طلیحہ ہی نہیں تھے بلکہ انکے سوا اور بھی کئی اشخاص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور سب کی غرض دعویٰ نبوت سے صرف یہی تھی کہ حکومت حاصل ہو اور ملک عرب کے کسی نہ کسی حصہ پر انکو قبضہ حاصل ہو جائے۔ چنانچہ مدعیان نبوت میں سے ایک اسود عنسی تھا اسنے مرتد ہوتے ہی علم بغاوت کھڑا کیا۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف سے جو عاملین صدقات تھے انکو صدقات واپس کر دینے کا حکم دیا۔ عمال ابھی تردد میں تھے کہ قبائل مذحج و نجران کو لیکر یمن کے مسلمان حاکم شہر بن باذان پر حملہ کر کے اسکو قتل کر دیا اور اسکی جورو سے جبراً نکاح کر کے سارے ملک یمن کا حاکم بن بیٹھا۔ اسود کی بغاوت کی خبر سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وبر بن یحنس کے ہاتھ حضرت معاذ بن جبلؓ اور اسکے ساتھی مسلمانوں کو خط بھیجا کہ اسود عنسی کا مقابلہ کرو۔ چنانچہ شہر بن باذان کی بیوی کی مدد سے اسود عنسی کو اسکی خوابگاہ میں قتل کیا گیا۔ اور اسکے قتل کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ایک دن اور ایک رات بعد مدینہ میں پہونچی۔

اسی طرح نبوت کا دعویٰ کرنیوالی تمیم سجاح بنت حارث بن سوید ایک نصرانیہ عورت بھی تھی وہ بھی دعویٰ نبوت کرتے ہی ایک بڑی فوج ساتھ لیکر مدینہ پر چڑھ آئی۔ راستہ میں اسکو خبر ملی کہ مسیلمہ نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا ہے اسلئے بعد مشورہ یہ رائے ٹھہری کہ مدینہ پر حملہ کرنے سے پہلے مسیلمہ کا قلع قمع کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ اس نے یمامہ کیطرف رخ کیا یہاں اسنے مسیلمہ سے اتحاد کر لیا۔ اور یہ تجویز ٹھہری کہ مسیلمہ اور سجاح کی فوجوں کے ذریعہ کل عرب فتح کیا جائے۔ اسکے بعد خالدؓ نے سجاح کو شکست دی اور سجاح بھاگ کر جزیرہ میں بنی تغلب کے پاس جا چھپی۔

اسی طرح اہل عمان میں سے ایک شخص لقیط بن مالک ازدی نے مرتد ہو کر دعویٰ نبوت کیا۔ اور نبوت کا دعویٰ کرتے ہی جمعیت اکٹھی کر کے علاقہ عمان پر حاکم و متصرف بن بیٹھا اور وہاں کے اصلی عمال جیفر اور عباد کو نکالدیا۔ (طبری جلد ۴ صفحہ ۱۹۷۔ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۴۷ و تاریخ الکامل جلد ۲ صفحہ ۱۵۶)

ان تمام واقعات سے ظاہر ہے کہ ان مدعیان نبوت کو نبوت سے کوئی غرض نہ تھی۔ ان کا منشاء صرف حکومت کا حاصل کرنا تھا۔ اسلئے یہ سب سلطنت کے باغی تھے۔ اور انکی اسی بغاوت کیوجہ سے ان کے ساتھ قتال کیا گیا۔ پس انکی مثال سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسلام میں محض

ارتداد کی سزا قتل ہی مدعیان نبوت کیساتھ بھی قتال کی وہی وجہ تھی جو دوسرے مرتدین کے ساتھ قتال کرنیکی وجہ تھی یعنی ان سب نے اسلامی سلطنت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا مسلمانوں کو قتل کیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ عمال کو اپنے اپنے علاقوں سے نکالکر خود حاکم اور متصرف بن بیٹھے۔ اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنیکے لئے جمعیت اکٹھی کی اور بعض نے مدینہ پر چڑھائی بھی کردی اور مدینہ کا محاصرہ کیا۔ پس یہ وجوہات تھیں جنکی وجہ سے ضروری تھا کہ ان باغیوں سے قتال کیا جاتا۔

لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر یہ مرتدین ان جرائم کے مرتکب نہ بھی ہوتے جو انسے ارتداد کے بعد سرزد ہوئے اور جنکی وجہ سے حفاظت اسلام کیلئے انسے قتال کرنا واجب ہوگیا اور انکا جرم صرف اسی قدر ہوتا کہ وہ اپنے آپکو مسلمان کہتے ہوئے زکوٰۃ دینے سے انکار کرتے تو انکا یہ اکیلا انکار اس بات کے لئے کافی تھا کہ انسے قتال کیا جاتا اور اسکی وجہ انہی الفاظ میں موجود ہی جو حضرت ابو بکر رضؓ نے صحابہ رضؓ کے مشورہ کیوقت فرمائے کہ خدا کی قسم! جبتک یہ تلوار میرے ہاتھ میں ہی میں منکرین زکوٰۃ کے ساتھ ایک عقال کی کمی کیواسطے بھی جہاد کرونگا۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک بکری کا بچہ بھی بطور زکوٰۃ کے دیتے تھے اگر اب نہ دینگے تو میں اسکے نہ دینے پر انسے جہاد کرونگا۔

اس قول کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صرف روحانی معنوں میں خلیفہ نہ تھے بلکہ وہ بادشاہت میں بھی آپکے جانشین تھے۔ ملک عرب میں آنحضرت صلی اللہ کے وقت سلطنت اسلامی قائم ہوچکی تھی اور آپکے جانشین کا یہ فرض اولین تھا کہ وہ اس سلطنت کا انتظام کریں۔ اور جو اموال سرکاری خزانہ میں اس سلطنت کی رعایا کیطرف سے داخل ہوتے تھے انکی وصولی کا انتظام کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیوقت میں زکوٰۃ کی وصولی کا انتظام اسلامی حکومت کے ماتحت تھا اسلامی حکومت کیطرف سے اسکے وصول کرنیکے لئے عامل مقرر تھے جو باقاعدہ اموال کی تشخیص کرکے زکوٰۃ اسی رنگ میں وصول کرتے جسطرح دوسری حکومتیں اپنے اپنے محاصل وصول کرتی ہیں۔ یہ امر مومنین کی مرضی پر نہیں چھوڑا گیا تھا کہ جو چاہیں دیں یا جسکو چاہیں دیں یا اگر اسمیں غفلت کریں تو انسے کوئی باز پرس کرنیوالا نہ ہو بلکہ یہ سارا انتظام حکومت کے ہاتھ میں تھا۔ حکومت کے آدمی زکوٰۃ کی تشخیص کرتے اور وہی اس مال کو انتخاب کرتے جو انہوں نے زکوٰۃ کے طور پر لینا ہوتا تھا محصلین زکوٰۃ کو ہدایت تھی کہ وہ لوگوں کا بہترین مال زکوٰۃ کے لئے نہ لیں بلکہ درمیانی درجہ کا مال لیں مثلاً اگر کسی کے ذمہ ایک اونٹ نکلتا تو محصل کو ہدایت تھی کہ وہ ایسا بکری

کہ کسی شخص کے اونٹوں میں سے بہترین اونٹ چن کرلے بلکہ اسکو یہ ہدایت تھی کہ درمیانی درجہ کا اونٹ انتخاب کرے۔ اس ہدایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس امر میں عامل کے تاکون کا کوئی اختیار نہ تھا بلکہ تمام اختیار اس محصل کے ہاتھ میں تھا جو حکومت کی ہدایت کے ماتحت کام کرتا تھا۔ پس اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ زکوٰۃ کا مال رعایا سے اسی طرح وصول کیا جاتا تھا جس طرح کہ دوسری گورنمنٹیں اپنی اپنی رعایا سے سرکاری مالیہ وصول کرتی ہیں یعنی زکوٰۃ مسلمانوں پر ایک قسم کا ٹیکس تھا جو وہ حکومت اسلامی کو ادا کرتے تھے جسطرح کہ دوسری قومیں اپنے اپنے بادشاہوں کو ٹکس ادا کرتی ہیں۔

اور اس میں کچھ شک نہیں کہ یہی زکوٰۃ ہی وہ مال تھا جس کے ذریعہ سلطنت اسلامی اسوقت کے اکثر اخراجات کو پورا کرتی۔ فوجی ضروریات اسی مال میں سے پوری کیجاتیں۔ اسلحہ جنگ۔ سپاہیوں کے لئے سواری اور دیگر سامان جنگ اسی زکوٰۃ کے مال سے مہیا کیا جاتا نیز سلطنت کا فرض ہوتا ہے کہ اپنی رعایا کی بہبودی کا ہر ایک رنگ میں خیال رکھے۔ جو لوگ بے روزگار ہیں یا کمانے کی طاقت نہیں رکھتے انکی خبرگیری کرے۔ جو لوگ کوئی فن جانتے ہیں مگر انکے پاس سامان نہیں۔ کہ وہ اس فن سے فائدہ اٹھاسکیں سلطنت کا فرض ہے کہ ان لوگوں کی مدد کرے اور اس طرح اپنی ملک میں حرفت وصنعت وتجارت کو ترقی دے۔ نیز سلطنت کا فرض ہے کہ جہاں سڑکوں اور سراؤں کی ضرورت ہے وہاں مسافروں کی سہولت کیلئے سڑکیں تیار کرائے اور مسافروں کے آرام کے لئے سرائیں بنوائے۔ دریاؤں اور ندیوں پر پل تیار کرائے۔ اور یہ سارے اخراجات اس قسم کے ہیں کہ جن کے پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کا ٹیکس مسلمانوں پر لگایا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات حکومت کو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ اگر انکی رعایا میں کوئی فرد بعض مجبوریوں کی وجہ سے قرض کے بوجھ کے نیچے دب گیا ہے یا اسپر کوئی ایسا تاوان پڑ گیا ہے جو اسکی طاقت سے بڑھ کر ہے تو ایسے شخص کی امداد کرے۔ اور یہ غرض بھی زکوٰۃ کے مال سے ہی پوری ہوسکتی ہے

اسی طرح اسلامی سلطنت چونکہ محض ایک دنیوی سلطنت نہیں اسلئے اس کے فرائض میں اشاعت اسلام بھی داخل ہے اور اسکا فرض ہے کہ وہ دین اسلام میں داخل ہونے والوں کی مدد کرے اور انکی تالیف قلب کے لئے مال خرچ کرے۔ اور یہ ضرورت بھی زکوٰۃ کے مال سے ہی پوری ہوسکتی ہے۔

جو ضروریات میں نے اوپر بیان کی ہیں اور جو ہر ایک اسلامی سلطنت کو پیش آتی ہیں۔ یہ وہی مصارف ہیں جو اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے اموال کے لئے اپنی پاک کتاب قرآن شریف میں مقرر

فرماتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ۔ اس آیت کریمہ میں صدقات سے مراد زکوٰۃ ہے اور اسکے مصرف وہی بیان کئے گئے ہیں جو میں نے اوپر بیان کئے ہیں۔ اور یہ تمام مصارف ایسے ہیں جو ہر ایک اسلامی سلطنت کا فرض ہے کہ وہ انکا انتظام کرے۔ اور یہ تمام ضروریات ایسی ہیں جو ایک اسلامی سلطنت کو پیش آتی ہیں۔ پس ہر ایک اسلامی سلطنت کا حق ہے کہ رعایا سے زکوٰۃ کا مال مندرجہ بالا مصارف کیلئے وصول کرے۔

فریضہ زکوٰۃ اور فریضہ صلوٰۃ میں یہ فرق ہے کہ مؤخر الذکر کا تعلق صرف افراد سے ہے اور اول الذکر کا تعلق محض افراد سے نہیں بلکہ حکومت کو بھی اس میں دخل ہے۔ اور اس کی ادائگی کا انتظام کرنا حکومت کے ذمہ ہے۔ بلکہ اس آیت کریمہ میں حکومت کے لئے یہ ہدایت بھی ہو گئی ہے کہ وہ اس کی وصولی کے لئے الگ محکمہ مقرر کریں اور اس محکمہ کے تمام اخراجات اور کارکنوں کی تنخواہیں اور سفر خرچ وغیرہ زکوٰۃ کی مد سے ادا کئے جاویں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ کی نسبت فرماتے ہیں۔ "تؤخذ من اغنیاءھم وترد الی فقراءھم" یعنی یہ ایک ٹیکس ہے جو دولتمندوں سے وصول کر کے فقراء پر خرچ کیا جاتا ہے۔ یہاں تؤخذ اور ترد کے الفاظ بھی ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ حکومت کا فرض ہے کہ زکوٰۃ کا مال صاحب نصاب لوگوں سے لیکر فقراء کے لئے اور ان کے مصارف کے لئے جنکی تفصیل قرآن شریف میں بیان کی گئی ہے خرچ کرے۔ اللہ نے خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً کہکر نہ صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بلکہ آپؐ کے جانشینوں اور اسلامی حکومتوں کے افراد کو حکم دیا ہے کہ وہ زکوٰۃ کا مال وصول کریں۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی وصولی کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور تمام علاقوں میں اپنی طرف سے عامل مقرر کئے۔ جن کا یہ فرض تھا کہ وہ زکوٰۃ کے مال کو وصول کریں اور آپؐ کے زمانہ میں زکوٰۃ ٹھیک اسی طرح وصول کی جاتی تھی جس طرح آج کل تمام حکومتیں اپنی اپنی رعایا سے مختلف قسم کے ٹیکس اور محاصل وصول کرتی ہیں۔ اور چونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپؐ کے جانشین تھے اسلئے ان کا بھی یہ فرض تھا کہ وہ ٹھیک اسی طرح زکوٰۃ کا مال مسلمانوں سے وصول کریں جس طرح آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم وصول فرمایا کرتے تھے۔ اسی لئے حضرت ابو بکر رضؓ نے فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زکوٰۃ میں ایک عقال بھی دیا کرتا تھا اور اب دینے سے انکار کرے گا تو میں تلوار کے زور سے اس سے وصول کرونگا پس اسکی وصولی اسیطرح تھی جس طرح کہ حکومتیں اپنی اپنی رعایا سے اپنے محاصل وصول کرتی ہیں۔ اور اگر کوئی رعایا میں سے ایسے محاصل کو ادا کرنے سے انکار کرے تو سلطنت اپنی تلوار کے زور سے ان محاصل کو وصول کرتی ہے۔ حضرت ابو بکر رضؓ کے وقت میں جن مسلمانوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا انکی ایسی ہی مثال ہے جیسا کہ کوئی شخص رعایا میں سے سرکاری مالیہ ادا کرنے سے انکار کرے۔ اور حضرت ابو بکر رضؓ کا فرض تھا کہ وہ تلوار کے زور سے ایسے لوگوں سے زکوٰۃ وصول فرماتے۔ وہ لوگ ایسے ہی باغی تھے جیسا کہ وہ لوگ سلطنت کے باغی سمجھے جاتے ہیں جو اپنی حکومت کو سرکاری ٹیکس ادا کرنے سے انکار کرتے ہیں پس اگر حضرت ابو بکر رضؓ نے ایسے مسلمانوں سے قتال کیا جن کا سوائے اس کے اور کوئی جرم نہ تھا کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تو اس سے ہمارے مخالفوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا کیونکہ حضرت ابو بکر رضؓ کا قتال ایسے لوگوں کے خلاف تھا جو سلطنت سے باغی تھے۔

یہ درست ہے کہ بعض صحابہ رضؓ نے خصوصاً حضرت عمر رضؓ نے مشورہ کے وقت حضرت ابو بکر رضؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کس طرح ایسے لوگوں سے جہاد کر سکتے ہیں جو لا الٰہ الا اللہ کہنے والے ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں سے کبھی جہاد نہیں کیا۔ مگر حضرت عمر رضؓ کا یہ سوال ایسا ہی تھا جیسا کہ حضرت ابو بکر رضؓ نے ایک دوسرے موقعہ پر خود حضرت عمر رضؓ سے سوال کیا۔ جب حضرت عمر رضؓ آپکی خدمت میں حاضر ہوئے کہ یمامہ کی لڑائی میں بہت سے قاری شہید ہو گئے ہیں۔ اور اگر اسی طرح کی اور لڑائیاں پیش آئیں تو خوف ہے کہ قرآن کے حفاظ کے شہید ہو جانیسے قرآن شریف کے بعض حصے معدوم نہ ہو جاویں۔ اس لئے ضروری ہے کہ اسوقت قرآن شریف کی حفاظت کا کوئی انتظام کیا جاوے اور اسکو ایک جگہ لکھ کر محفوظ کر لیا جاوے۔ اسوقت حضرت ابو بکر رضؓ نے بھی حضرت عمر رضؓ سے ایسا ہی سوال کیا جیسا کہ حضرت عمر رضؓ نے حضرت ابو بکر رضؓ سے مانعین زکوٰۃ کے سوال کے موقعہ پر کیا۔ حضرت ابو بکر رضؓ نے حضرت عمر رضؓ سے کہا کہ میں کسطرح ایسا کام کر سکتا ہوں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ پس یہ دونو سوال ایک ہی رنگ کے ہیں اور انکا ایک ہی جواب تھا اور وہ یہ ہے کہ ہر ایک کام کا ایک وقت ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے

دشمنوں سے واسطہ پڑا جو مسلمانوں کو امن سے زندگی بسر کرنے نہیں دیتے تھے۔ وہ مسلمانوں کو دکھ دیتے تھے اور چاہتے تھے کہ تلوار کے ساتھ اسلام کا نام ونشان مٹا دیں۔ آپ نے ایسے دشمنوں کا مقابلہ کیا اور ملک میں امن وامان قائم کر کے ایک اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی اور شرائع اسلام کو نافذ کیا۔ اور دوسری شرائع کے درمیان آپ نے زکوٰۃ کا فریضہ بھی تمام اہل نصاب پر قائم کیا اور اس کی وصولی کا انتظام کیا۔ آپ کے وقت میں کوئی ایسی مسلمان کہلانے والی قوم نہ اٹھی جو فریضہ زکوٰۃ کے ادا کرنے سے انکار کرے۔ اس لئے آپ کو کسی ایسی قوم سے قتال کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔ یہ ضرورت پہلی دفعہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پیش آئی۔ جو مال کا حق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر مقرر کیا اور جس کی وصولی کا انتظام آپ نے اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ اور جسکو وہ حکومت اسلامی کے بیت المال میں داخل فرما کر حکومت کی ضروریات کے لئے خرچ فرماتے تھے۔ آپکی وفات کے بعد آپکے جانشین کو ان محاصل کے دینے سے انکار کیا گیا۔ اس لئے اسکا فرض تھا کہ وہ اپنی حکومت کے زور سے سلطنت اسلامی کی رعایا سے ان محاصل کو وصول کرتا۔ اور اگر اسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے وہ بھی کبھی اس امر کی اجازت نہ دیتے کہ لوگ آپ کے عمال کو زکوٰۃ کا مال ادا نہ کریں۔

علاوہ ازیں حکومت کا ایک کام احتساب بھی ہے یعنے جو لوگ اسلام میں داخل ہو کر شرائع اسلام کی پابندی سے کنارہ کشی اختیار کریں حکومت اسلامی کا فرض ہے کہ ان کے خلاف تحذیری تدابیر عمل میں لائے اور انکو احکام شریعت کی خلاف ورزی سے روکے۔ پس احتسابی پہلو سے بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا فرض تھا کہ جو لوگ اپنے تئیں مسلمان کہلاتے تھے اور زکوٰۃ دینے سے جو اسلام کے ارکان میں داخل ہے انکار کرتے تھے انکو مجبور کرتے کہ وہ اسلام کے اس فریضہ کو ادا کریں۔

اسجگہ یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ امیر کابل نے بھی احمدی جماعت کے افراد کو احتساباً قتل کیا ہے کیونکہ احمدی جماعت نے ارکان اسلام میں سے کسی رکن کا انکار نہیں کیا اور نہ کسی شرعی حکم کی خلاف ورزی کی اور نہ ان کو مسلمان سمجھ کر سزا دی گئی۔ بلکہ انکو اسلام سے خارج قرار دیکر قتل مرتد کے فرضی حکم کے ماتحت سنگسار کیا۔ اسلئے یہ عذر یہاں درست نہیں ہو سکتا کہ ان کے خلاف احتساباً ایسی کارروائی کی گئی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تاریخ سے اول تو کسی ایسی قوم کا پتہ نہیں ملتا جنہوں نے صرف منع زکوٰۃ پر اکتفا کیا ہو۔ بلکہ جہاں تک تاریخ سے پتہ چلتا ہے جن جن قوموں کے خلاف حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فوج کشی کا حکم دیا۔ وہ سب کے سب کھلم کھلا سلطنت اسلام سے باغی ہو گئے تھے۔ انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عمال کو اپنے اپنے علاقہ سے نکال دیا۔ جو لوگ انمیں سے اسلام پر قائم رہے ان کو قتل کیا۔ بعض نے مدینہ پر چڑھائی کی۔ اور سب اپنے اپنے علاقہ پر متصرف ہو کر اور فوجیں جمع کر کے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس لئے اسلام اور حکومت اسلام کی حفاظت کے لئے ان کا مقابلہ کرنا ایسا ہی ضروری ہو گیا تھا جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مشرکین سے جنگ کرنا ضروری ہو گیا تھا۔ اور اگر کوئی قبیلے ایسے بھی تھے جن کا جرم صرف منع زکوٰۃ تک محدود تھا۔ اور وہ اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتے تھے۔ تو انکے ساتھ بھی قتال ضروری تھا۔ کیونکہ ان کی مثال ایسی ہی تھی جیسے ایک حکومت کی رعایا اپنی حکومت کو سرکاری مالیہ ادا کرنے سے انکار کر دے۔ اس لئے ضروری تھا کہ تلوار کے زور سے ان سے زکوٰۃ وصول کیجاوے۔ علاوہ ازیں احتساباً بھی حکومت اسلامیہ کا فرض تھا۔ کہ جو لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے مگر زکوٰۃ کے ادا کرنے سے انکار کرتے تھے ان کے خلاف تحذیری کارروائی کرے۔ اور ان کو شرائع اسلام کی پابندی پر مجبور کرے۔

اب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد کے متعلق صرف ایک بات باقی رہجاتی ہے جس کا جواب دیکر میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد کو ختم کرتا ہوں۔ قتل مرتد کے دعویداروں نے اپنے دعوےٰ کی تائید میں یہ بات بھی پیش کی ہے کہ حضرت ابو بکر رضؓ نے ایک مرتدہ ام قرفہ کو قتل کیا۔

مگر حامیان قتل مرتد یہ سنکر مایوس ہونگے کہ یہاں بھی خالی ارتداد کا سوال نہ تھا۔ اور اس کے قتل کی یہ وجہ نہ تھی کہ وہ مرتد ہو گئی تھی۔ بلکہ اس کے قتل کی یہ وجہ تھی کہ وہ ایک محاربہ عورت تھی جو لوگوں کو مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے اکساتی تھی۔ اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کی آگ بھڑکاتی تھی۔ چنانچہ مبسوط جلد ۱۰ صفحہ ۱۱۰ پر لکھا ہے:۔

"وام قرفہ کان لہا ثلثون ابنا وکانت تحرضہم علی قتال المسلمین وفی قتلہا کسر شوکتہم"۔

یعنے ام قرفہ کے تیس ۳۰ بیٹے تھے اور وہ ان کو مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے ابھارتی تھی۔ اور اسکے قتل میں یہ فائدہ تھا کہ اس طرح اس کے بیٹوں کی شوکت ٹوٹ

حبا تی تھی۔ پس ام قرفہ کا قتل بھی اسکے ارتداد کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اسلئے تھا کہ وہ محاربہ تھی۔ اس لئے اس کا قتل تعلیم قرآن کے عین مطابق تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جنگوں کیطرح حضرت علی رضؓ کے بعض جنگوں سے بھی قتل مرتد کے دعویداروں نے ناجائز فائدہ اٹھانیکی کوشش کی ہے چنانچہ حضرت علی رضؓ نے خارجیوں کو قتل کیا جو مرتد تھے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں ارتداد کی سزا قتل ہے لیکن حامیان قتل مرتد کیلئے یہ افسوس کا مقام ہے کہ یہاں بھی انکی غرض پوری نہیں ہوتی کیونکہ یہ ایک ثابت شدہ تاریخی واقعہ ہے کہ خارجیوں سے جو لڑائی ہوئی وہ بھی بغاوت اور فتنہ کو فرو کرنے کے لئے تھی نہ کہ محض چند مسائل کے اختلاف کیوجہ سے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل واقعات سے ظاہر ہے:-

(۱) حضرت علی رضؓ نے ان سے گفتگو کرتے وقت فرمایا۔ "فقال لهم لكم علينا ثلاث ان لا نمنعكم من المساجد ولا من رزقكم من الفئ ولا نبدؤكم بقتال ما لم تحدثوا فسادا فخرجوا شيئا بعد شئ الى ان اجتمعوا بالمدائن فراسلهم فى الرجوع فاصروا على الامتناع حتى يشهد نفسه بالكفر لرضاه بالتحكيم ويتوب ثم راسلهم ايضا فارادوا قتل رسوله ثم اجتمعوا على ان من لا يعتقد معتقدهم يكفر ويباح دمه وماله واهله وانتقلوا الى الفعل فاستعرضوا الناس فقتلوا من اجتاز بهم من المسلمين ومر عليهم عبد الله بن خباب الارت وكان واليا لعلى على بعض تلك البلاد ومعه سريته وهى حامل فقتلوه وبقروا بطن سريته عن ولد فبلغ عليا فخرج اليهم فى الجيش الذى كان هيأه للخروج فاوقع بهم بالنهروان۔" (فتح الباری جلد ۱۲ صفحہ ۲۵۱)

یعنی حضرت علی رضؓ نے ان سے کہا کہ ہم تین باتیں اپنے ذمہ لیتے ہیں۔ اول یہ کہ ہم تمکو مسجدوں سے نہیں روکیں گے۔ غنیمت کے مال سے تم کو حصہ دینگے اور تمہارے ساتھ جنگ کی ابتدا نہ کرینگے جبتک کہ تم خود فساد نہ کھڑا کرو۔ اسکے بعد وہ آہستہ آہستہ وہاں سے نکل گئے اور انہوں نے مدائن میں اجتماع کیا۔ وہاں حضرت علی رضؓ نے اُن کو پیغام بھیجا کہ وہ واپس آجاویں مگر انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ ہم واپس نہیں آئیں گے جبتک کہ تم اپنے متعلق یہ گواہی نہ دو کہ میں تحکیم پر راضی ہوجانیکی وجہ سے کافر ہوگیا اور پھر توبہ نہ کرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوبارہ پیغام بھیجا

اسلئے انہوں نے چاہا کہ آپکے ایلچی کو قتل کردیں پھر انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ جو شخص انکے عقیدہ کو قبول نہیں کرتا وہ کافر ہے اور اسکا خون بہانا اور اسکا مال لوٹ لینا اور اس کے گھروالوں کو قتل کردینا مباح ہے۔ اور انہوں نے یہ فیصلہ ہی نہ کیا بلکہ اسپر عملدرآمد بھی شروع کردیا۔ وہ لوگوں کو روک لیتے اور جو لوگ انکے پاس سے گزرتے انکو قتل کردیتے۔ انکے پاس سے اتفاقاً عبداللہ بن خباب ؓ کا گذر ہوا اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کیطرف سے ان ممالک میں سے بعض پر حاکم مقرر تھے اور انکے ساتھ انکی لونڈی تھی جو حاملہ تھی۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن خباب رض کو قتل کردیا اور انکی لونڈی کا پیٹ چیر کر اسکا بچہ نکال لیا۔ جب یہ خبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو وہ لشکر لیکر انکی طرف نکلے اور نہروان کے مقام پر انپر حملہ کیا۔

مندرجہ بالا واقعات سے جو سب تاریخ کی کتابوں میں درج ہیں صاف ظاہر ہے کہ حضرت علی رض نے خوارج کے ساتھ انکے عقائد کیوجہ سے لڑائی نہیں کی بلکہ انکی بغاوت اور فساد کیوجہ سے ان سے لڑائی کی۔

(۲) تاریخ الکامل اور دوسری کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عبداللہ بن خباب کے قتل کی خبر پہونچی اور نیز یہ کہ وہ لوگوں کو روک لیتے ہیں۔ تو حضرت علی رض نے اس امر کی تحقیق کے لئے الحرث بن مرۃ العبدی کو بھیجا۔ اور جب وہ انکے پاس اس امر کے دریافت کرنے کیلئے آیا تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ایلچی کو قتل کردیا۔ چنانچہ تاریخ الکامل جلد ۳ صفحہ ۱۴۸ پر لکھا ہے:۔

"فاضجعوہ (ای عبداللہ بن خباب) فذبحوہ فسال دمہ فی الماء واقبلوا الی المرأۃ فقالت انا امرأۃ الا تتقون۔ فبقروا بطنہا وقتلوا ثلاث نسوۃ من طی وقتل ام سنان الصیداویۃ۔ فلما بلغ علیا قتلہم عبداللہ بن خباب واعتراضہم الناس بعث الیہم الحرث بن مرۃ العبدی لیاتیہم وینظر فیما بلغہ عنہم ویکتب بہ الیہ ولا یکتمہ منہم فلما دنا منہم یسائلہم قتلوہ۔"

یعنی خارجیوں نے عبداللہ بن خباب کو لٹایا اور اسکو ذبح کیا۔ اور اسکا خون بہکر پانی میں مل گیا۔ پھر وہ اس عورت کیطرف متوجہ ہوئے۔ اسنے کہا کہ میں تو ایک عورت ہوں کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟ انہوں نے اسکا پیٹ چیر دیا۔ اور بنی طے کی تین عورتیں قتل کریں اور ام سنان الصیداویہ کو قتل کردیا۔ جب حضرت علی رض کو یہ خبر پہنچی کہ انہوں نے عبداللہ

بن خباب کو قتل کر دیا ہی اور یہ کہ وہ لوگوں کو راستہ میں روک لیتے اور انکو قتل کر دیتے ہیں تو انہوں نے الحرث بن مرۃ العبدی کو بھیجا کہ وہ انکے پاس جائیں اور دیکھیں کہ جو خبریں ان کو پہنچی ہیں وہ کہاں تک درست ہیں اور انکو صحیح صحیح حالات لکھکر بھیجیں ۔ جب الحرث بن مرۃ العبدی انسے پوچھنے کے لئے انکے قریب ہوئے تو انہوں نے اسکو قتل کر دیا۔

(۳) جب حضرت علی رض فوج لیکر اس مقام پر پہنچے تو انہوں نے جاتے ہی حملہ نہیں کر دیا بلکہ حملہ کرنے سے پہلے انکو کہلا بھیجا کہ تم ان لوگوں کو ہمارے حوالہ کر دو جنہوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا ہی تا ہم انکو قتل کر دیں ۔ ہم دوسروں سے فی الحال درگزر کرتے ہیں ۔ اور انکو مہلت دیتے ہیں تا شاید انکے خیالات میں تبدیلی پیدا ہو جائے اور انکی حالت سدھر جائے ۔ مگر انہوں نے جواب دیا۔ کلنا قتلھم و کلنا مستحل لدمائکم و دمائھم یعنی ہم سب نے انکو قتل کیا اور ہم سب تمہارے خونوں کا اور انکے خونوں کا بہانا جائز سمجھتے ہیں ۔

مندرجہ بالا حوالجات سے ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کسی مذہبی اختلاف کیوجہ سے خوارج سے نہیں لڑائی نہیں کی بلکہ اسلئے کہ انہوں نے ملک میں فتنہ و فساد برپا کر دیا ۔ اور مسلمان مردوں اور عورتوں کو قتل کر دیا ۔ اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ والی اور اسکی لونڈی کو قتل کر دیا اور نیز آپکے ایلچی کو قتل کیا ۔ اور جب حضرت علی رض نے ان سے مطالبہ کیا کہ جن آدمیوں کو تم نے قتل کیا ہی انکے قاتل میرے حوالہ کر دو ۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم سب انکے قاتل ہیں اور ہم نہ صرف ان کا خون بہانا جائز سمجھتے ہیں بلکہ تمہارا خون بہانا بھی جائز سمجھتے ہیں ۔

علاوہ ازیں خوارج کی مثال حامیان قتل مرتد کیلئے اسوجہ سے بھی مفید نہیں کہ اکثر علماء کا اتفاق ہی کہ خارجی لوگ مرتد نہیں بلکہ فرقۃ من فرق المسلمین کا حکم رکھتے ہیں ۔ فتح الباری جلد ۱۲ صفحہ ۲۶۷ میں لکھا ہے :-

"قال الخطابی اجمع علماء الاسلام علی ان الخوارج مع ضلالتھم فرقۃ من فرق المسلمین واجازوا مناکحتھم واکل ذبائحھم وانھم لا یکفرون ما داموا متمسکین باصل الاسلام"۔

یعنی خطابی کہتا ہے کہ علماء اسلام نے اتفاق کیا ہی کہ خوارج باوجود اپنی گمراہی کے مسلمان فرقوں میں سے ایک فرقہ ہیں اور انکے ساتھ مناکحت جائز ہے اور جبتک وہ اصل

اسلام پر قائم ہیں وہ کافر نہیں کہلائے جاسکتے۔ پھر اسی کتاب کے صفحہ ۲۶۸ پر لکھا ہی :-

"قال ابن بطال ذهب جمهور العلماء الى ان الخوارج غير خارجين من جملة المسلمين" یعنی ابن بطال نے لکھا ہے کہ جمہور علماء کا یہ مذہب ہے کہ خوارج مسلمانوں کی جماعت سے خارج نہیں۔ تفسیر کبیر جلد ۳ کے صفحہ ۳۱۶ پر لکھا ہے :-

"ان اسم المرتد انما يتناول من كان تاركا للشرائع الاسلامية والقوم الذين نازعوا عليا ما كانوا كذلك فى الظاهر وما كان احد يقول انه انما يحاربهم لاجل انهم خرجوا من الاسلام وعلى لم يسمهم البتة بالمرتدين"

یعنی مرتد کا نام اس شخص پر اطلاق پاتا ہی جو شرائع اسلامی کو ترک کر دے۔ اور جس قوم نے حضرت علیؓ کی مخالفت کی وہ ظاہر میں شرائع اسلامی کے تارک نہ تھے۔ اور کوئی شخص یہ نہیں کہتا تھا کہ حضرت علیؓ اسلئے ان سے جنگ کرتے ہیں کہ وہ اسلام سے خارج ہوگئے ہیں اور حضرت علیؓ نے ہرگز انکا نام مرتد نہیں رکھا۔

منہاج السنۃ مصنفہ شیخ ابن تیمیہ جلد ۲ کے صفحہ ۶۱ و ۶۲ پر لکھا ہی :-

"قال الاشعري وغيره اجمعت الخوارج على تكفير علىؓ ابن ابى طالب .... ومع هذا فقد صرح علىؓ بانهم مؤمنون ليسوا كفارا ولا منافقين ... ومما يدل على ان الصحابة لم يكفروا الخوارج انهم كانوا يصلون خلفهم وكان عبد الله بن عمر وغيره من الصحابة كانوا يصلون خلف نجدة الحرورى وكانوا ايضا يحدثونهم ويفتونهم ويخاطبونهم كما يخاطب المسلم المسلم .... فما زالت سيرة المسلمين على هذا ما جعلوهم مرتدين كالذين قاتلهم الصديق رضى الله عنه .... ومع هذا فالصحابة والتابعون لهم باحسان لم يكفروهم ولا جعلوهم مرتدين ولا اعتدوا عليهم بقول ولا فعل بل اتقوا الله فيهم وساروا فيهم السيرة العادلة"

یعنی اشعری وغیرہ نے کہا کہ حضرت علیؓ کی تکفیر پر تمام خوارج کا اجماع ہی ... مگر باوجود اسکے حضرت علیؓ نے بالصراحت بیان کیا ہی کہ وہ مومن ہیں کافر نہیں اور نہ منافق ہیں .... اور اصحابؓ کی ایک دلیل کہ صحابہؓ خوارج کو کافر نہیں کہتے تھے یہ ہی کہ وہ خوارج کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور دوسرے صحابی نجدۃ الحروری کے پیچھے نماز

پڑھا کیا کرتے تھے اور نیز انکو احادیث سناتے تھے اور انکو فتوی دیتے تھے اور ان سے اسی طرح خطاب کرتے تھے جس طرح ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے مخاطب ہوتا ہے ... اور مسلمان نسلنے ہمیشہ ایسا ہی معاملہ کرتے رہے ہیں انہوں نے ان مرتدین کیطرح نہیں سمجھا جن سے حضرت صدیق رض نے قتال کیا ... صحابہ رض اور تابعین نے انکو کافر قرار نہیں دیا اور نہ انکو مرتد ٹھہرایا اور نہ انپر زبان سے یا ہاتھ سے کسی طرح کی زیادتی کی بلکہ انکے بارے میں تقوی سے کام لیتے رہے اور انکے ساتھ عدل کا معاملہ کیا۔

اس تمام بحث سے یہ امر پایہ ثبوت پہنچ جاتا ہے کہ قتل مرتد کے دعویداروں کا خوارج کے واقعہ سے اپنے دعوی کی تائید میں استدلال کرنا ایسا ہی باطل ہے جیسا کہ انکے دوسرے تمام استدلالات باطل ہیں خوارج کو نہ حضرت علی رض نے مرتد قرار دیا اور نہ دوسرے صحابہ رض نے۔ اور حضرت علی رض نے ان کے اعتقادات کیوجہ سے انکے ساتھ لڑائی نہیں کی بلکہ انکی خونریزی کیوجہ سے۔

دوسرا واقعہ جو قتل مرتد کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت علی رض نے بعض زنادقہ کو جو انکو خدا کہتے تھے آگ میں ڈالکر جلایا اور اسکی تائید میں مندرجہ ذیل روایت پیش کیجاتی ہے "عن عکرمۃ قال اتی علی رض بزنادقۃ فاحرقھم" یعنی حضرت علی رض زنادقہ کے پاس گئے اور انکو آگ میں ڈالکر جلادیا۔ اس روایت کی بنا عکرمہ کے بیان پر ہے جو حضرت ابن عباس رض کے آزاد کردہ غلام تھے اور انہیں حضرت علی رض پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کے خلاف کہ لا تعذبوا بعذاب اللہ یعنے جس چیز کے ساتھ اللہ تم عذاب دیتا ہے اسکے ساتھ تم کسیکو عذاب نہ دو۔ بعض آدمیوں کو اسلئے آگ میں ڈالکر جلادیا کہ وہ انکو خدا کہتے تھے۔

چنانچہ اسی روایت میں عکرمہ بیان کرتا ہے کہ جب یہ خبر حضرت ابن عباس رض کو پہنچی تو انہوں نے کہا کہ اگر میں ہوتا تو ان لوگوں کو ہرگز نہ جلاتا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کسیکو آگ کے ساتھ عذاب دیا جاوے۔ پس اگر اس روایت کو درست مانا جاوے تو ماننا پڑتا ہے کہ حضرت علی رض نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نعوذ باللہ خلاف ورزی کی اور یہ امر ہم کبھی بھی حضرت علی رض جیسے انسان کیلئے ایک لحظہ کیلئے بھی تسلیم نہیں کرسکتے۔ حضرت علی رض بچپن سے آنحضرت صلعم کے ساتھ رہے اسوقت حضرت ابن عباس رض پیدا بھی نہیں ہوئے تھے جبکہ حضرت علی رض کو اللہ تعالی نے شرف قبول اسلام بخشا اور آپ نے خود حضرت علی رض کی پرورش اور تربیت فرمائی۔ اور جو قرب حضرت علی رض کو آنحضرت صلعم کیساتھ حاصل رہا وہ کبھی حضرت ابن عباس رض کو حاصل نہیں ہوا۔ پس ہم ایسی بات کو ہرگز قبول نہیں کرسکتے کہ حضرت

یعنی حضرت ابن عباس رض سے اپنی علم میں کم تھے صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق حضرت ابن عباس آنحضرت صلعم
کی وفات کے وقت صرف دس سال کے تھے حضرت علی رض وہ ہیں جنکی نسبت بیان کیا گیا ہی کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا انا
مدینۃ العلم وعلی بابہا پس حضرت علی رض کی نسبت خیال کرنا کہ انکو آنحضرت صلعم کے ارشاد لا تعذبوا بعذاب اللہ
کا علم نہ تھا اور انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کی صریح خلاف ورزی میں کئی آدمیوں کو آگ میں جلا دیا ایک
خیال باطل ہی۔ یہ تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت علی رض کو بدنام کرنیکے لئے مختلف قسم کے الزام ان پر لگائے گئے اور
یہ بھی انہی الزامات میں سے ایک الزام ہی اور ہر ایک مومن کا فرض ہی کہ حضرت علی رض پر نیک ظن کرکے ایسے
الزامات سے انکو پاک ٹھہرائے۔ اور جو شخص اس روایت کا بانی ہی اسکے حالات اسبات کی تائید کرتے ہیں کہ یہ روایت
ایک اتہام ہی جو حضرت علی رض پر لگایا گیا۔ میزان الاعتدال میں اسکی نسبت لکھا ہی کہ عکرمہ کے بارہ میں حافظہ کی وجہ سے
نہیں بلکہ خوارج کی رائے اختیار کرنیکی وجہ سے کلام ہی۔ سعید بن جبیر اگرچہ اسے اپنے سے اعلم بتاتے ہیں مگر ساتھ ہی ابن مسیب
اسکو کذاب بھی کہتے ہیں۔ عبد اللہ بن الحرث کہتا ہی کہ میں علی بن عبد اللہ بن عباس کے پاس گیا کیا دیکھتا ہوں کہ
عکرمہ حسین کے دروازہ کے پاس بندھا ہوا تھا۔ میں نے کہا کہ میاں اللہ سے تو ڈرو وہ کہنے لگے کہ یہ خبیث میری باپ
پر افترا کرتا ہے۔ حماد بن زید جب مرنے لگے تو فرمایا کہ عذاب الٰہی سے ڈر کر کہتا ہوں کہ عکرمہ کہتا ہی کہ اللہ تم نے
متشابہات اسلئے اتاری ہیں کہ انکے ذریعہ سے لوگوں کو گمراہ کرے۔ محمد بن سیرین اسکو کذاب کہتا ہی عکرمہ جب
بصرہ میں آیا تو اسکے پاس یونس اور ایوب اور سلیمان التیمی ملنے کیلئے آئے اندر سے گانے کی آواز آ رہی تھی سنکر
کہا کہ یہ لحون کیا ہی خوب گاتا ہی۔ پھر یونس اور سلیمان اسکے پاس کبھی نہیں آئے۔ ابن المدینی کہتے ہیں کہ عکرمہ ایک مسجد کے
دروازہ پر کھڑا ہو کر کہتا تھا کہ اسمیں سب کافر ہیں۔ اباحت کی رائے رکھتا تھا۔ یحیٰی بن بکر کہتا ہی کہ مغرب میں خارجی عکرمہ
کی وجہ سے پیدا ہوئے۔ ابن المدینی کہتا ہی کہ عکرمہ کی رائے نجدہ حروری سے ملتی تھی۔ مصعب الزبیری کہتے ہیں کہ عکرمہ خوارج
کی رائے رکھتا ہی۔ متولی مدینہ نے اسکو طلب کیا مگر وہ داؤد بن حصین کے گھر چھپا رہا۔ مرنے تک نہ نکلا اور انہوں نے
کہا کہ عکرمہ نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ حضرت ابن عباس خوارج کی رائے رکھتے تھے۔ سلیمان بن معید کہتے ہیں کہ عکرمہ
اور کثیر ایک ہی دن مرے مگر لوگوں نے کثیر کا جنازہ پڑھا عکرمہ کا جنازہ نہ پڑھا۔

پس ناظرین غور فرما دیں کہ اس حدیث کے راوی عکرمہ کی نسبت کس کثرت سے یہ شہادت دی گئی ہیں کہ وہ خوارج
کی رائے رکھتا تھا بلکہ یہانتک کہا گیا ہی کہ مغرب میں خوارج اسکی وجہ سے پیدا ہوئے اور یہ کہ حضرت ابن عباس رض پر بھی
افترا کرنے سے باز نہیں رہتا تھا اور انکی نسبت بھی یہی ظاہر کرتا تھا کہ وہ خوارج کی رائے رکھتے تھے پس اس شخص کی
یہ روایت حضرت علی رض کے خلاف کس طرح صحیح تسلیم کی جا سکتی ہیں؟ روایت کو غور سے پڑھو اس سے صاف راوی کا یہ منشا
معلوم ہوتا ہی کہ وہ حضرت علی رض پر یہ اس امر کا الزام لگائے کہ انہوں نے آنحضرت صلعم کے حکم کی خلاف ورزی

کرتے ہوئے بعض لوگوں کو آگ میں جلایا۔ کیونکہ وہ اپنی روایت میں بیان کرتا ہے کہ جب یہ خبر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سنی تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میں ہوتا تو ان لوگوں کو آگ میں نہ جلاتا۔ کیونکہ ایسا فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہے۔ آپ نے فرمایا لا تعذبوا بعذاب اللہ۔

پس ہم عکرمہ جیسے راوی کی بناء پر حضرت علی رضی اللہ جیسے مقدس انسان پر یہ الزام نہیں لگا سکتے کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی خلاف ورزی کی اور ایک ایسا کام کیا جو شریعت کی حد سے خارج ہے اور یہ ایسا فعل ہے کہ خواہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسکے خلاف ارشاد نہ بھی ہوتا تب بھی خود علی رضی اللہ عنہ ایسی پاکیزہ فطرت کے انسان تھے کہ انکی اپنی فطرت طبعی طور پر ایسے فعل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی جو انکے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند تھا۔

ان زنادقہ کی مثال ایک اور پہلو سے بھی قتل مرتد کے حامیوں کے لئے مفید نہیں۔ کیونکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ ان لوگوں کو دراصل حضرت علی رض کو خدا بنانے سے کوئی غرض نہ تھی۔ بلکہ ان کا اصل منشاء مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ ڈالنا تھا۔ اس پارٹی کا سرغنہ عبداللہ ابن سباء الحمیری یہودی تھا۔ عبداللہ بن سبا اور اسکے ساتھیوں کا مختصر حال میں تاریخ کی کتابوں سے ذیل میں نقل کرتا ہوں۔ تا ناظرین کو معلوم ہو کہ یہ کیسے خطرناک لوگ تھے۔

ابن حزم کی مشہور تصنیف الفصل فی الملل والاہواء والنحل کی جلد ۲ صفحہ ۱۱۵ پر لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر جو حملہ کیا گیا اور انکو شہید کیا گیا اس حملہ کا بانی مبانی یہی ملعون ابن سبا تھا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا کہنے والے اسی کے اتباع تھے۔ اسکی نسبت کتاب مذکور کا فاضل مصنف لکھتا ہے فانہ لعنہ اللہ اظہر الاسلام لکید اہلہ یعنی اس ملعون نے اپنے تئیں مسلمان ظاہر کیا اور اسکی نیت یہ تھی کہ مسلمانوں میں فتنہ و فساد پیدا کرے۔ الملل والنحل شہرستانی برحاشیہ الفصل لابن حزم کے جلد ۲ صفحہ ۱۰ پر لکھا ہے کہ ابن سبا نے حضرت علی رض کو کہا انت انت یعنی انت الالٰہ یعنی تو ہی خدا ہے۔ اسپر حضرت علی نے اسکو مدائن کی طرف جلا وطن کر دیا۔ طبری جلد ۶ صفحہ ۳۱۹۱ پر لکھا ہے کہ واقعہ جمل کے وقت حضرت عائشہ رض نے صلح کے لئے کعب کو قرآن شریف دے کر حضرت علی رض کے لشکر کی طرف بھیجا۔ حضرت علی رض کی فوج کے آگے آگے سبائی لوگ تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ حضرت عائشہ رض اور حضرت علی رض کے مابین صلح ہو۔ اسلئے جب کعب قرآن شریف لے کر آئے اور صلح کے لئے بلایا۔ تو سبائیوں نے ان کو قتل کر دیا۔ اور حضرت عائشہ رض

کہ ہندو پر تیر برسانے شروع کر دے تا مسلمانوں میں لڑائی شروع ہو جائے اور فتنہ وفساد کی آگ بجھنے نہ پائے۔

مندرجہ بالا حوالجات سے ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ عبد اللہ ابن سبا اور اس کے اتباع کیسی خطرناک قوم تھی۔ اور یہی وہ لوگ تھے جو حضرت علی رض کو خدا کہتے تھے۔ اور اسی پارٹی کے لوگوں کو مدائن کیطرف جلاوطن کر دیا۔ مگر وہ لوگ پھر بھی اپنی شرارت سے باز نہ آئے۔

اور جن لوگوں کا ذکر عکرمہ کی روایت میں ہے وہ اسی پارٹی کے آدمی تھے۔ پس اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پارٹی کے بعض افراد کو کسی رنگ میں قتل کیا تو وہ ان کے ارتداد کیوجہ سے نہ تھا بلکہ اس لئے تھا کہ یہ ایک مفسد کی جماعت تھی۔ جن کو نہ حضرت علی رض سے محبت تھی نہ اسلام سے۔ بلکہ جو در اصل مسلمانوں کی جماعت کے دشمن تھے اور ان کے عصا کو توڑنا چاہتے تھے۔

پس انکی مثال سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اگر کوئی شخص اسلام ترک کر کے ہندو یا مسیحی ہو جاوے تو اسکو قتل کر دیا جائے۔ ابن سبا اور اس کے ساتھیوں کی مثال محض مرتدین پر ہرگز چسپاں نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح خلفاء راشدین کے عہد میں کوئی بھی ایسی مثال نہیں مل سکیگی جسکی نسبت قتل مرتد کے حامی یہ ثابت کر سکیں کہ فلاں صورت میں محض ارتداد اور خالص ارتداد کے لئے کسی مرتد کو محض مذہبی بناء پر قتل کیا۔ تمام تاریخی مرتدین کی نسبت تاریخ بیان کر رہی ہے کہ ان سے قتال خالص ارتداد کیوجہ سے نہیں کیا گیا۔ اور اگر بالفرض کوئی ایسی روایت بھی ہو جسکے متعلق کوئی تاریخی ثبوت نہ مل سکے تو ایسے شاذ و نادر واقعات کو کثرت کے تابع کرنا پڑیگا اور یہی نتیجہ نکالنا پڑیگا کہ یہ صورت بھی عام صورت کے مطابق ہے۔ ہر ایک واقعہ ہمیں پوری تفصیل کیساتھ نہیں پہنچا مگر ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ زمانہ جنگ و جدال اور سیاسی کشمکش کا زمانہ تھا اور جیسا کہ تاریخ ثابت کرتی ہے اس زمانہ میں ارتداد کے معنے صرف ارتداد نہ تھے مگر اس زمانہ کے مرتد سب کے سب ہی مرتد ہوتے تھے جو اسلام کے سیاسی دشمن بن جاتے تھے اور اسلام کو ان سے اسیطرح کا خطرہ ہوتا جس طرح دوسرے دشمنوں سے۔ اب میں خداتعالیٰ کے فضل و رحم سے صحابہ کرام رض اور خلفائے راشدین رض کے عہد کے حالات سے بھی فارغ ہو گیا۔ اور ناظرین نے دیکھ لیا کہ خلفائے راشدین نے

[illegible]

بقیہ حاشیہ: حضرت [illegible]

مرتدین سے اُن کے ارتداد کی وجہ سے قتال نہیں کیا اور نہ کسی مرتد کو محض ارتداد کی وجہ سے قتل کیا بلکہ اُن کا قتال بغاوت کو روکنے اور فتنہ و فساد کو دور کرنے اور اسلام اور اہل اسلام کی حفاظت کے لیے تھا۔

اس حصہ مضمون کو ختم کرنے سے پہلے میں ایک اور روایت پر بھی نظر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو قتل مرتد کے حامیوں نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کی ہے۔ وہ روایت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو یمن کی طرف بھیجا اور ہر ایک کے لیے الگ الگ علاقہ مقرر فرما دیا۔ اور اُن کو چلتے وقت یہ وصیت فرمائی یسّرا ولا تعسّرا و بشّرا ولا تنفّرا۔ یعنی تم دونو کا فرض ہے کہ تم لوگوں کو آسانی دو اور تنگی نہ دو۔ اور لوگوں کو بشارت دو اور دین کی طرف محبت سے راغب کرو اور لوگوں کے دل میں دین سے نفرت پیدا نہ کرو۔ دونو اپنے اپنے علاقہ میں پھرتے تھے۔ اور جب اُن میں سے ایک اپنے دورہ میں دوسرے کے قریب جاتا تو اُس سے ملاقات کرتا۔ ایک دن جب حضرت معاذؓ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے ملنے کے لئے آئے تو وہاں ایک شخص دیکھا جسکو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے باندھ کر اپنے پاس بٹھایا ہوا تھا۔ حضرت معاذ نے دریافت کیا یہ شخص کون ہے۔ جواب دیا گیا کہ یہودی تھا پہلے مسلمان ہوا تھا۔ پھر مرتد ہو گیا ہے حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ یہی خدا تعالیٰ کا اور اُسکے رسول کا فیصلہ ہے (قضاء اللہ ورسولہ)

میں کہتا ہوں کہ یہ اسی قسم کا قتل ہے جس طرح کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مرتدین کو قتل کیا گیا۔ اور اسکے دلائل حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ حضرت معاذ فرماتے ہیں کہ اس شخص کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمارے پاس موجود ہے۔ اُس میں لکھا ہے کہ کسی شخص کو صرف دو صورتوں میں قتل کیا جا سکتا ہے تیسری کوئی صورت نہیں۔ اوّل قصاص میں۔ دوم فساد فی الارض۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے من قتل نفسًا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعًا (مائدہ ع ۵)

فساد فی الارض کی ایک صورت آیت مذکورہ بالا سے اگلی آیت میں بیان فرمائی گئی ہے جو یہ ہے انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادًا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض۔

پس حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ اس شخص کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق قتل کر دیا جاتا ہے ظاہر کرتا ہے کہ اسکے قتل کی وجہ فساد فی الارض یا محاربہ تھی محض ارتداد اُسکے قتل کی وجہ نہ تھی۔ کیونکہ میں قرآن شریف

کی آیات سے ثابت کر چکا ہوں کہ اسلام میں محض ارتداد کیلئے کوئی دنیوی سزا مقرر نہیں کی گئی اور کسی کو محض ارتداد کیلئے قتل کرنا قرآن شریف کی صریح تعلیم کے خلاف ہے۔

دوم۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ اس شخص کا قتل کرنا نہ صرف قرآن شریف بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بھی مطابق ہے اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس شخص کو محض ارتداد کے لئے قتل نہیں کیا گیا کیونکہ جیسا میں ثابت کر چکا ہوں اس امر کے متعلق جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق بحسب اصول فقہاء و محدثین نظر کی جاتی ہے تو اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اسی مرتد کے قتل کا حکم ہے جو محارب ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی اسی کے مطابق تھا کیونکہ آپ نے کبھی کسی مرتد کو محض ارتداد کے لئے قتل نہیں کروایا بلکہ انہی کو قتل کروایا جو محارب تھے۔ اور ان میں سے بھی بعض کو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی سفارش پر معاف فرما دیا جو صریح ثبوت اس امر کا ہے کہ ارتداد کے لئے قتل شرعی حد نہیں ہے اور نیز ثابت ہے کہ بعض مرتدین کو آپ نے باوجود قدرت کے قتل نہیں کروایا۔ پس سنت نبوی سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ محض ارتداد کے لئے قتل کی سزا شریعت نے مقرر نہیں کی اور یہ کہ جن مرتدین کو قتل کیا گیا انکو ارتداد کی وجہ سے نہیں بلکہ محاربہ کی وجہ سے قتل کیا گیا اور یہی قرآن شریف کی تعلیم ہے۔ پس حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ اس شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق قتل کیا جاتا ہے یہی ظاہر کرتا ہے کہ اسکو حربی ہونیکی وجہ سے قتل کیا گیا۔

سوم۔ یمن کے اسوقت کے حالات بھی اسی امر کی تائید کرتے ہیں کہ اسکو محض ارتداد کی وجہ سے قتل نہیں کیا گیا کیونکہ ایک تاریخ دان اس امر سے بخوبی واقف ہے کہ جو ارتداد بقیہ ملک عرب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر واقع ہوا وہ ملک یمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں انہی دنوں میں پیدا ہو گیا تھا جبکہ حضرت معاذ یمن میں متعین تھے۔ اور یہ فتنہ اسود عنسی کی وجہ سے ہوا جسکی مختصر کیفیت میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ پس یہ سیاسی رنگ کا ارتداد حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے وقت میں ملک یمن میں واقع ہو چکا تھا اور اسود عنسی کے قتل کے بعد بھی اسکی انگاریاں بالکل نہیں بجھی تھیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ معاً وہی آگ پھر شعلہ زن ہوئی۔ پس یہ ایک ثابت شدہ امر ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں یمن میں اسی رنگ کا فتنہ ...... نہایت خطرناک طور پر نمودار ہو گیا تھا۔ پس ایسے زمانہ میں جبکہ مرتدین یمن میں اسلامی حکومت کے خلاف جنگ کے لئے کھڑے ہو گئے تھے اگر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتد کو قتل کرنے کا حکم دیا تو

اس سے اسی نتیجہ کی تائید ہوتی ہے کہ وہ مرتد حربی تھا۔ اور ایسے حالات کے ماتحت اس واقعہ سے کوئی شخص قطعی اور یقینی طور پر یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ اسلام میں محض ارتداد کی سزا قتل ہے۔

(۴۷) پھر میں کہتا ہوں کہ اسی راوی کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے بعض ایسے الفاظ نقل کروائے ہیں جو اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ حضرت معاذؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما نے محض ارتداد کی وجہ سے اُس شخص کو قتل نہیں کیا کیونکہ اسی حدیث میں یہ لکھا ہے کہ رخصت کرتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو اصولی رنگ میں یہ وصیت فرمائی تھی یسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا یعنی دین کے معاملہ میں تم لوگوں کو آسانی اور سہولت دو۔ اُن پر تنگی نہ ڈالو اور لوگوں کو بشارت اور خوشخبری دو اور ایسا طریق اختیار کرو جس سے لوگ اسلام کی طرف رغبت کریں اور لوگوں کو اسلام سے متنفر نہ کرو۔

اس وصیت مقدسہ میں صاف یہ تعلیم دی گئی کہ دین کے معاملہ میں جبر سے کام نہ لینا۔ کیونکہ جبر کا استعمال اس وصیت کے بالکل مخالف ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابیوں کو رخصت کرتے وقت فرمائی۔ اور حامیان قتل مرتد اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ قتل مرتد ایک جبر کا طریق ہے اس طریق کا استعمال اُس وصیت کے خلاف تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو رخصت کرتے وقت فرمائی اور ہم ایک آن کے لئے بھی یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ ان جلیل القدر صحابیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو پس پشت ڈال دیا۔ اگر ایک شخص کو اس لئے قتل کیا جائے کہ اس نے اسلام کو کیوں ترک کیا تو اس سے نہ صرف ایسے شخص کے دل میں نفرت پیدا ہوگی جس نے اسلام کو ترک کیا بلکہ اس سے دوسرے لوگوں کے دلوں میں بھی نفرت پیدا ہوگی اور کوئی شخص بھی ایسے مذہب کو پسند نہیں کرے گا جس کے ترک کرنے کی سزا قتل ہو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وصیت ایک طرف تو اس عقیدہ کی تردید کر رہی ہے کہ اسلام میں محض ارتداد کی سزا قتل ہے اور اگر اس وصیت کے کچھ معنی ہیں تو پھر اسلام میں ارتداد کی سزا قتل نہیں ہوسکتی۔ اور دوسری طرف یہی وصیت یہ بھی ثابت کر رہی ہے کہ وہ صحابی اس وصیت کی موجودگی میں کسی شخص کو محض ارتداد کی وجہ سے قتل نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ایسا کرنا اُس وصیت کی صریح خلاف ورزی ہے۔ پس اس حدیث میں اس وصیت کا موجود ہونا یہ ثابت کر رہا ہے کہ اُس شخص کو محض ارتداد کی وجہ سے قتل نہیں کیا گیا بلکہ اُس فتنہ کی وجہ سے قتل کیا گیا جو اس زمانہ میں

ملک یمن میں پیدا ہو گیا تھا۔

(۵) اگر مولوی صاحبان اُن سب باتوں سے انکار ہو اور آن کو اسی بات پر اصرار ہو کہ اُس شخص کو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے محض ارتداد کیلئے قتل کیا تو ایسی صورت میں اُن سے کہونگا کہ اچھا میں تسلیم کر لیتا ہوں کہ حضرت معاذؓ نے ایسا ہی کیا مگر مجھے بتاؤ کہ ایسی صورت میں تمہارے معلمین حدیث و فقہ کیا فتویٰ دیتے ہیں کیا شریعت اسلام میں یہ ایک مسلّم اور متفقہ مسئلہ ہے کہ ایک صحابی کا فعل حجت شرعیہ سمجھی جاتی ہے۔ کیا تم مجھے دکھا سکتے ہو کہ اہل اسلام میں متفقہ اور متحدہ طور پر یہ امر مسلّم ہے کہ ہر ایک صحابی کا ہر ایک فعل ایک حجت شرعی ہے کیا آپ لوگوں کو اس بات کا علم نہیں کہ اہلحدیث کے نزدیک صحابی کا قول و فعل حجت شرعیہ نہیں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ صحابی کے قول و فعل کو ہرگز حجت نہیں سمجھتے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اہل فقہ حنفیہ صرف ایسے امور میں فعل صحابی کی پیروی کرتے ہیں جنمیں قیاس کا دخل نہ ہو۔ اور اگر وہ امر اجتہاد سے تعلق رکھتا ہے تو پھر صحابی کی تقلید ضروری نہیں سمجھتے۔ اور یہ دونو صحابی وہ ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت کرتے وقت ہدایت دی تھی کہ اگر کوئی بات تم قرآن و سنت میں نہ پاؤ تو اجتہاد کر لینا۔ اس ہدایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس موقعہ پر اجتہاد سے کام لیا ہے اور اجتہادی امور میں مسلمانوں کا کوئی فرقہ بھی کسی صحابی کے قول یا فعل کو حجت نہیں سمجھتا۔ نیز یہ بات بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو یہ نہیں فرمایا کہ جو بات قرآن میں نہ ہو اُسکے متعلق اجتہاد کر لینا بلکہ فرمایا کہ جو بات تم قرآن میں نہ پاؤ اُسکے بارہ میں تم اجتہاد سے کام لینا یہ الفاظ بھی پُر حکمت ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر ایک بات معاذؓ اور ابو موسیٰؓ کو قرآن شریف میں نہ ملتی تو اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اُسکے متعلق قرآن شریف میں کوئی ہدایت موجود ہی نہ تھی۔ پس اس صورت میں اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے محض ارتداد کی وجہ سے ایک مرتد کو قتل کر دیا تو اُنکے اس فعل کی وجہ سے آپکے ہی دو ادین فقہ و حدیث ہم کو پابند نہیں کرتے کہ ہم یہ مان لیں کہ اسلام میں محض ارتداد کی سزا قتل ہے۔ خصوصاً جبکہ ایسا حکم قرآن شریف کی صریح تعلیم کے خلاف ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے اور نیز اُس وصیت کے خلاف ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو رخصت کرتے وقت فرمائی تھی۔

ضروریات ہیں زیادہ ہم یہ کہینگے کہ انہوں نے اجتہاد سے کام لیا اور اجتہادی امور میں تمام فقہائے اسلام کے نزدیک تقلید صحابی واجب نہیں

قتل مرتد اور فقہ

قرآن شریف اور حدیث اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت کرنے کے بعد کہ اسلام میں محض ارتداد کے لئے کوئی سزا مقرر نہیں کی گئی ضرورت نہ تھی کہ کتب فقہ کی طرف رجوع کیا جاوے۔ لیکن حامیان قتل مرتد کے اس دعوی کو توڑنے کے لئے کہ کتب فقہ انکے ساتھ ہیں یہ نامناسب ہوگا کہ کتب فقہ کی طرف بھی توجہ کی جائے تا معلوم ہو کہ یہ کتابیں انکو کہاں تک پناہ دے سکتی ہیں۔ پس اسی غرض سے جب میں کتب فقہ کی طرف رجوع کرتا ہوں مجھے یہ معلوم کرکے نہایت خوشی ہوتی ہے کہ فقہاء میں سے فرقہ احناف اس اصول میں بالکل ہمارے ساتھ متفق ہے اسلام میں محض ارتداد کی سزا قتل نہیں ہے۔ بلکہ مرتد کے قتل کرنے کی اصل وجہ اس کا حربی ہونا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے۔

(۱) سب سے پہلے میں فقہ کی مشہور کتاب ھدایہ کو لیتا ہوں اسمیں مرتدہ عورت کے متعلق بحث کرتے ہوئے صاحب ھدایہ لکھتا ہے۔ ولنا ان النبي علیہ السلام نھی عن قتل النساء ولان الاصل تاخیر الاجزیۃ الی دار الاخرۃ اذ تعجیلھا یخل بمعنی الابتلاء وانما عدل عنہ لدفع شر ناجز وھو الحراب ولا یتوجہ ذلک من النساء لعدم صلاحیۃ البنیہ بخلاف الرجال۔ یعنی مرتدہ عورت کے نہ قتل کرنے کی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اور دوسری یہ کہ سزا دینے کے متعلق اصل یہ ہے کہ اسکو آخرت پر چھوڑ دیا جائے کیونکہ اس دنیا میں سزا دینا ابتلاء کی حقیقت کو توڑتا ہے اور اگر اس قاعدہ سے عدول کیا جاتا ہے تو وہ صرف پیدا ہونیوالی شر کو روکنے کی غرض ہوتا ہے اور وہ شر حراب یعنی لڑائی ہے۔ اور چونکہ عورتوں میں اپنی پیدائش کی وجہ سے جنگ کی قابلیت نہیں ہوتی۔ اسلئے ان کو قتل نہیں کیا جاتا۔

(۲) ھدایہ کے بعد میں فتح القدیر کی شہادت کو پیش کرتا ہوں۔ دیکھو فتح القدیر کا مصنف کیسی صفائی سے اس مضمون پر روشنی ڈالتا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

یجب فی القتل بالردۃ ان یکون لدفع شر حرابہ لا جزاءً علی فعل الکفر لان جزاءہ اعظم من ذلک عند اللہ تعالی فیختص بمن یتاتی منہ الحراب وھو الرجل ولھذا نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(فتح القدیر جلد ۴ صفحہ ۳۸۹)

من قتل النساء و علله بانها لاتکون تقاتل علی ما صح من الحدیث فیما تقدم۔

یعنی مرتد کو قتل کرنے میں یہ واجب ہے کہ وہ لوگ کے حراب یعنی جنگ کی شر کو دور کرنیکے لئے ہو، نہ کہ اسکو کفر اختیار کرنیکی سزا ہو۔ کیونکہ کفر کی سزا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بہت بڑھکر ہے پس قتل اسی شخص کے ساتھ خاص ہے جس سے حراب سرزد ہو اور وہ مرد ہی ہو سکتے ہیں اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے اور اسکو برا قرار دیا ہے کیونکہ عورتیں جنگ نہیں کیا کرتی تھیں۔

(۳) پھر چلپی میں لکھا ہے:۔ قال ابن الهمام لاجزاء علی فعل الکفر فان جزاءه اعظم عند الله من ذلك۔ یعنی کفر اختیار کرنیکی وجہ سے کسی کو سزا نہیں دیجاتی ہے۔ کیونکہ کفر کی سزا قتل سے بڑھکر ہے اور وہ خدا تعالیٰ خود ہی دے سکتا ہے۔
(چلپی بر حاشیہ فتح القدیر صفحہ ۳۸۹)

(۴) پھر عنایہ میں صفحہ ۳۹۰ پر لکھا ہے:۔ لا قتل الا بالحراب فکان القتل مستلزم للحراب لان نفس الکفر لیس بمبیح له و لهذا لا یقتل الاعمی و المقعد و الشیخ الفانی۔ یعنی حراب کے بغیر کوئی قتل نہیں پس قتل حراب کیلئے مستلزم ہے۔ کیونکہ تنہا کفر کی وجہ سے کسی کو قتل کرنا جائز نہیں اور یہی وجہ ہے کہ نابینا اور شیخ فانی اور معذور کو قتل نہیں کیا جاتا۔

(۵) اب دیکھئے کہ اس حدیث کے اہل فقہ حنفیہ نے کیا معنی کئے ہیں جسکو آج قتل مرتد کے دعویدار بڑے زور شور سے پیش کرتے ہیں۔ یعنی یہ حدیث من بدل دینه فاقتلوه۔ فتح القدیر جلد ۴ صفحہ ۳۸۸ میں لکھا ہے:۔ کذا قوله من بدل دینه فاقتلوه لانه کافر حربی بلغته الدعوة فیقتل للحال من غیر استمهال یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے جو شخص اپنے دین کو بدل دے اسکو قتل کردو۔ اسکی یہی وجہ ہے کہ وہ حربی کافر ہے اور اس پر اتمام حجت ہو چکا ہے پس ایسے شخص کو فوراً قتل کر دینا چاہیئے۔ اور مہلت نہیں دینی چاہیئے۔ دیکھو اس حدیث میں بھی فقہاء حنفیہ کے نزدیک ایسا ہی مرتد مراد ہے جو حربی ہو اور اسکے قتل کی وجہ اس کا ارتداد نہیں بلکہ اسکا حربی ہونا ہے۔ میرے خیال میں مندرجہ بالا حوالجات سے صاف ظاہر ہے کہ فقہ حنفیہ کے ائمہ اس اصول میں کلیتہً ہمارے ساتھ متفق ہیں کہ محض ارتداد کی سزا قتل نہیں اور کسی مرتد کو اسلئے قتل کرنا جائز نہیں کہ اس نے ارتداد اختیار کیا ہو بلکہ قتل کی وجہ اسکا محارب ہونا ہے۔ اور یہی ہمارا اصول ہے جسکو میں نے اس مضمون میں بفضلہ تعالیٰ قرآن شریف اور سنت رسول اور سنت خلفاء راشدین کے ذریعہ ثابت کیا ہے۔

اس جگہ قتل مرتد کے دعویدار یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اصول صرف حنفیوں کے نزدیک مسلم ہے۔ دوسرے فرقوں کے فقہاء اسکو تسلیم نہیں کرتے بلکہ انکے نزدیک محض ارتداد ہی موجب قتل ہے۔ اسی لئے ان کا یہ فتویٰ ہے کہ اگر

مرتد پیر فرتوت ہو جسمیں قتال تو کجا چلنے پھرنے کی بھی طاقت نہ ہو اُسکو بھی قتل کر دو۔ اسی طرح اگر کوئی بڑھیا عورت ہے جو کسی متنفس کو گزند نہیں پہنچا سکتی اور وہ بدقسمتی سے ارتداد اختیار کرتی ہے تو اُس بڑھیا کو بھی قتل کر دو اگر کوئی نابینا یا لنگڑا لولا ہے یا بیمار اور ضعیف ہو مثلاً سِل کی مرض میں مبتلا ہو اور چند دن کا مہمان ہے اور شیطانی اغوا سے اسلام سے مرتد ہو کر غیر الدین اختیار کرتا ہے تو ایسے شخص کی گردن پر بھی تلوار چلا دو غرض اُنکے نزدیک محارب ہونا کوئی شرط نہیں صرف ارتداد ہی ایسا جرم ہے جس کے لیے قتل کی حد شرعی مقرر ہے عورت ہو مرد ہو۔ بوڑھا ہو۔ جوان ہو۔ بیمار ہو۔ تندرست ہو۔ اگر ارتداد اختیار کریگا تو اسکو فی الفور قتل کر دینا چاہیئے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ عقیدہ بیشک اُس اصول کے خلاف ہے جو ائمہ احناف نے بیان کیا ہے اور دونو عقیدوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے ایک گروہ محض ارتداد ہی کو موجب قتل ٹھیراتا ہے۔ دوسرا گروہ محض ارتداد کو قتل کا موجب نہیں ٹھیراتا۔ بلکہ حراب کو اصل موجب قتل قرار دیتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ دونو عقیدے درست نہیں ہو سکتے۔ ان دونو گروہوں میں سے صرف ایک ہی گروہ حق پر ہو سکتا ہے اور ہمارے نزدیک فرقہ حنفیہ اپنے اس اصول میں جسکو میں اوپر کتب فقہ کے الفاظ میں نقل کر چکا ہوں حق پر ہیں۔ کیونکہ انکا یہ اصول قرآن شریف کی تعلیم کے عین مطابق ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت مبارکہ کے بالکل موافق ہے یہ ناممکن ہے کہ ہم دونو فریق کو حق پر خیال کریں آخر ایک کو ہی حق پر خیال کیا جائیگا۔ پس ہمارے نزدیک وہی اصل درست اور صحیح ہے جو ائمہ فقہ حنفیہ نے بیان کیا ہے اور جسکو میں انہی کے الفاظ میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ دوسرے گروہ کا اصول کہ محض ارتداد ہی اصل موجب قتل ہے نہایت ہی غلط اصول ہے جسکی نہ قرآن شریف تائید کرتا ہے اور نہ سُنت رسول صلے اللہ علیہ وسلم۔ پس ہم ایسے اصول کو جو اسلام کے روشن نام پر ایک دھبہ ہے کسی صورت میں قبول نہیں کر سکتے۔ جب قرآن شریف کی صریح تعلیم ایسے اصول کے خلاف ہو تو ہم قرآن شریف کی تعلیم کو کس طرح ترک کر سکتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر فقہ حنفیہ کے ائمہ بھی اسکے خلاف کوئی اصول قائم کرتے یا اگر حنفیوں کا طرز عمل انکے بیان کردہ اصول کے خلاف ہو تو ہم حق کے کھل جانے پر حنفیوں کو بھی چھوڑ سکتے ہیں کیونکہ ہمارا ایمان تو خدا اور اُسکے رسول پر ہے نہ کسی اور پر۔

پھر حامیان قتل مرتد فرماتے ہیں کہ قتل مرتد پر تمام اُمت کا اتفاق ہے اُمت کا اجماع ہو چکا ہے کسی ایک شخص نے بھی اسکے خلاف نہیں کہا۔ میں کہتا ہوں کہ ان کا یہ دعویٰ سراسر غلط ہے کیونکہ اس اصول میں کہ اسلام میں محض ارتداد کیلئے کوئی دنیوی سزا مقرر نہیں کی گئی۔ ائمہ فقہ حنفیہ کا ہمارے ساتھ اتفاق ہے

اور انہوں نے اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ ارتداد کی سزا قتل نہیں۔ بلکہ قتل کی سزا محارب ہونے کی وجہ سے دیجاتی ہے پھر میں کہتا ہوں کہ ان کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ایک شخص واحد نے بھی قتل مرتد سے اختلاف نہیں کیا۔ کیونکہ مسلمانوں میں بعض ایسے محقق گذرے ہیں جنہوں نے اس عقیدہ سے کھلے طور پر اختلاف کیا ہے اور انکی رائے ہے کہ مرتد کو قتل نہ کیا جائے بلکہ انکو توبہ کی مہلت دیجائے یہانتک کہ وہ اس دنیا سے اپنی طبعی موت سے گذر جائیں۔ حافظ ابن قیم کا قول خود مولوی شبیر احمد صاحب نے پیش کیا ہے لہٰذا وہ اس بات کے قائل نہیں کہ اسلام میں محض ارتداد کی سزا قتل ہے اسی طرح میں تفاسیر کے حوالجات سے اوپر ثابت کر آیا ہوں کہ بعض ایسے علماء گذرے ہیں جو قتل مرتد کے قائل نہ تھے اسی طرح ابراہیم نخعی اور سفیان ثوری کا بھی یہی مذہب ہے اور یہ لوگ کوئی چھوٹے پایہ کے انسان نہیں چنانچہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ حدیث میں امیر المؤمنین ہیں دیکھو صاحب تہذیب التہذیب انکی نسبت کیا لکھتے ہیں:۔ قال شعبة وابن عيينة وابو عاصم بن معين وغير واحد من العلماء سفيان امير المؤمنين فى الحديث وقال ابن المبارك كتبت عن الف ومائة شيخ ما كتبت عن افضل من سفيان وقال وكيع عن سعيد سفيان احفظ منى۔ وقال ابن مهدى كان وهب يقدم سفيان فى الحفظ على مالك وقال يحي القطان ليس احد احب الى من شعبة ولا يعدله احد عندى واذا خالفه سفيان اخذت بقول سفيان وقال ابو داؤد بلغنى عن ابن معين قال ما خالف احد سفيان فى شيئ الا كان القول قول سفيان قال النسائى هو اجل من ان يقال فيه ثقة وهو احد الائمة الذين ارجو ان يكون الله ممن جعله للمتقين اماما۔ قال ابن حبان كان من سادات الناس فقها وورعا واتقانا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۱۱۲)

یعنی شعبہ اور ابن عیینہ اور ابو عاصم بن معین اور ان کے سوا اور کئی علماء نے کہا ہے کہ سفیان حدیث میں امیر المؤمنین ہے اور ابن المبارک نے کہا کہ میں نے ایک ہزار ایک سو شیخ سے احادیث منکر لکھی ہیں اور ان میں ایک بھی سفیان سے بہتر نہ تھا اور وکیع روایت کرتے ہیں کہ سعید نے کہا کہ سفیان میری نسبت احادیث کو زیادہ یاد رکھنے والا ہے اور ابن مہدی نے کہا کہ وہب احادیث کے یاد رکھنے میں سفیان کو مالک پر مقدم کیا کرتا تھا اور یحیٰ القطان کہتا ہے کہ کوئی شخص مجھے شعبہ سے زیادہ پیارا نہیں اور میرے نزدیک کوئی بھی اسکے برابر نہیں لیکن اگر سفیان کا قول شعبہ کے خلاف ہو تو میں شعبہ کے مقابل میں سفیان کے قول کو اختیار

[illegible] مسلمان

[illegible]

[illegible] اس میں ثقاہت اور پختگی پائی جاتی اور وہ ان اماموں

میں سے ایک امام ہے جن کی نسبت میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انکو متقیوں کا سردار بنایا ہے۔ اور ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ ثقہ اور پرہیزگاری اور رائے کی مضبوطی میں سادات الناس میں سے ہے۔ یہ شان ہے اس شخص کی جس نے بعض دوسرے ائمہ کے علاوہ قتل مرتد کے مسئلہ کا انکار کیا ہے مگر مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ قتل مرتد کے فتویٰ میں کبھی کسی فرد واحد نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ اور ایسے حدیث کے امام کا قطعی انکار ظاہر کرتا ہے کہ حدیث میں کوئی نص قطعی قتل مرتد کیلئے موجود نہیں۔ اگر کوئی قطعی نص موجود ہوتی تو حدیث کا ایسا جلیل القدر عالم قتل مرتد کے مسئلہ کا کبھی صاف انکار نہ کرتا۔ اسی طرح ابراہیم نخعی بھی ایک بڑے پایہ کے فقیہ ہیں اور اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم مانے گئے ہیں۔

اب میں اس سوال کا جواب دیکر کہ زمانہ سلف کے بعض علماء کو قتل مرتد کے متعلق کیوں ایسی غلطی لگی کہ انہوں نے بلا کسی شرط کے مرتد کے قتل کا فتویٰ دیا؟ اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یہ غلط خیال اسی طرح پیدا ہوا جس طرح یہ خیال پیدا ہوا کہ اسلام ہر ایک مشرک اور بت پرست کو قتل کرنیکا حکم دیتا ہے۔ جس طرح بعض لوگوں نے قرآن شریف کی ایک آدھ آیت سے غلطی سے یہ نتیجہ نکالا کہ ہر ایک مشرک اور بت پرست کو قتل کرنیکا حکم ہے اور اسکے سیاق و سباق کو نظر انداز کر کے اس کو سب مشرکوں پر حاوی سمجھ لیا گیا اور قرآن شریف کی قریباً چار صد آیت کو منسوخ قرار دیا۔ اسی طرح بعض علماء نے ایسی روایات سے دہوکہ کھایا جنمیں مرتدین کے قتل کا ذکر تھا اور ان روایات کو ہر ایک مرتد پر حاوی سمجھ لیا اور اس امر کی طرف توجہ نہ کی کہ ان روایات میں ایسے مرتدین کا ذکر ہے جو محارب ہوں اور یہ نہ دیکھا کہ بعض روایات میں محارب کی شرط موجود ہے۔ اس شرط کو نظر انداز کر دیا اور ایسا ہی زمانہ کے حالات کو بھی نظر انداز کیا کہ کن حالات میں یہ حکم دیا۔ اس بات کی طرف نہ دیکھا کہ اس زمانہ میں ایک شخص کا ارتداد محض ارتداد تک ہی محدود نہ رہتا تھا بلکہ مرتد ہوتے ہی وہ دشمنوں سے مل کر مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرتا اور ایسا شخص دوسرے دشمن سے زیادہ خطرناک ہوتا تھا کیونکہ یہ مسلمانوں کے حالات سے واقف ہوتا۔ اسی طرح انہوں نے پڑھا کہ فلاں مرتد کو قتل کیا گیا مگر اس پر غور نہ کیا کہ کیوں قتل کیا گیا

[illegible] بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے [illegible] مرتدوں [illegible]
[illegible] کا سلسلہ جاری [illegible] غرض صرف [illegible] دوسرے حالات کو نظر انداز
کر دیا [illegible] کو دیکھا جو ان مرتدین سے سرزد ہوئے تھے یعنی ان کی [illegible] اور سیاسی [illegible] جن کی
وجہ سے خلفائے راشدین ارتداد کرنیوالوں کے خلاف تلوار کھینچنے پر مجبور ہوئے اور ان تمام واقعات سے غلطی سے یہ نتیجہ
نکال لیا کہ ہر ایک مرتد کی سزا قتل ہی ہے۔ مگر یہ خوشی کا مقام ہے کہ اگر بعض علماء نے قتل کو ارتداد کی سزا قرار دیا تو بعض
علماء نے اس بات کو قبول کرنے سے انکار کیا کہ ارتداد کی سزا قتل ہے۔ اور صاف الفاظ میں لکھ دیا کہ ارتداد اور کفر کیلئے
شریعت اسلام نے کوئی سزا مقرر نہیں کی بلکہ اسکو عالم آخرت کیلئے چھوڑ دیا ہے اس عالم میں مرتد کو صرف حراب اور فساد
فی الارض کی وجہ سے قتل کیا جاتا ہے نہ ارتداد کی وجہ سے۔ اب میں ناظرین کے انصاف پر فیصلہ چھوڑتا ہوں کہ وہ ایک طرف تمام
قرآن شریف کی تعلیم اور اسلامی تعلیم کی روح اور آنحضرت صلعم کے اعلیٰ اخلاق اور آپکی تعلیم کو رکھیں۔ نیز اسلامی
تاریخ کے واقعات پر نظر کریں اور دوسری طرف ان علماء کے فتووں کو دیکھیں جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں محض ارتداد کی سزا قتل ہے۔
خواہ شیخ فانی ہو جو چلنے پھرنے کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو یا لنگڑا اور اپاہج ہو یا بیمار ہو جو بیچارہ بیماری سے اپنی چارپائی سے اٹھنے
کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو یا ایک ضعیف بڑھیا عورت ہو ان سب کو بے دریغ قتل کرو۔ اب آپ ہی فیصلہ فرماویں کہ آیا یہ فتوا
اسلام کے نام کو روشن کرنیوالا ہے یا اس کو بدنام کرنیوالا ہے۔ دو رائیں ہمارے سامنے ہیں ایک یہ کہ اسلام میں محض ارتداد کی
سزا قتل ہے ارتداد کرنیوالا کوئی ہو اسکو قتل کیا جائے حراب کی کوئی شرط نہیں اور مرتد کو مجبور کرنا چاہیئے کہ وہ دوبارہ
اسلام کو قبول کرے ورنہ اسکو قتل کر دینا چاہیئے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ ارتداد کی سزا قتل نہیں ہے بلکہ قتل کیلئے
حراب اور فساد فی الارض کی شرط ہے ارتداد یا کفر کی سزا دینا کسی حکومت کا کام نہیں یہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ
میں ہے اسلئے اس کو آخرت پر چھوڑنا چاہیئے۔ دین میں جبر جائز نہیں۔ اب میں اس امر کا فیصلہ کہ ان دو رائوں
میں سے کونسی رائے اسلام کی تعلیم کے موافق ہے اور کونسی مخالف۔ ناظرین پر چھوڑتا ہوں وہ فیصلہ کریں کہ ان دونوں
رائوں میں سے کونسی وہ رائے ہے جو اسلام کی تعلیم اور اسکی روح کے مطابق ہے اور کونسی وہ رائے ہے جو نہ صرف اسلام
کی تعلیم کے خلاف ہے بلکہ اسلام کو بدنام کرنیوالی اور اسکے روشن چہرہ پر ایک بدنما داغ ہے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ
ہر ایک شخص جو انصاف کے ساتھ بغیر کسی تعصب کے اپنی رائے کا اظہار کریگا وہ یقیناً یہی فیصلہ کریگا کہ وہی رائے
اسلامی تعلیم کے مطابق اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے موافق ہے جس کی رو سے یہ قرار دیا گیا کہ ارتداد
اور کفر کی سزا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اور وہ لوگ غلطی پر ہیں جو محض ارتداد کو قتل کا موجب قرار دیتے
ہیں اور جن کی یہ رائے ہے کہ ہر ایک مرتد کو قتل کر دینا چاہیئے خواہ وہ بڑھیا عورت ہو یا لنگڑا اور اپاہج ہو یا بیمار ہو
کیونکہ یہ تعلیم اسلام کی تعلیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ مبارکہ کے بالکل مخالف ہے۔
آخر میں میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے سینوں کو اسلام کی تعلیم کے سمجھنے کیلئے کھول دے
اور ہمیں حقیقی اور سچے اسلام کی اتباع اور تبلیغ کی توفیق بخشے اور ہمارے بھٹکے ہوئے بھائیوں کی آنکھیں
کھولدے تا وہ سمجھیں کہ وہ کیا ہی غلط راستہ ہے جس کو انہوں نے اختیار کیا ہوا ہے ان کو توفیق بخشے کہ
وہ اسلام کو بدنام کرنیوالے خیالات اور اعمال سے باز آکر حق کو قبول کریں۔ وآخر دعوانا